مجلد دہم	ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۲ء	عدد اول

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اسوۂ صحابہ کی دوسری جلد جسمین صحابۂ کرام کے سیاسی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہین عنقریب چھپکر شائع ہوجائیگی، رقعات عالمگیر کی تدوین و ترتیب کا کام جاری ہے تمام مواد جمع ہوگیا ہے، صرف شاہجہان کے نام کے خطوط تقریبًا دو سو صفحون مین ہونگے، سیرت نبوی جلد سوم کی کتابت شروع ہوگئی ہے، یہ جلد تمامتر معجزات اور کیفیات نبوی پر ہے،

گذشتہ ماہ جون مین مشہور ہندو یونیورسٹی کے بانی اور ہندی کو ہندوستان کی عالمگیر زبان بنانے کے پرزور محرک جناب پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب نے دار المصنفین کو مشرف فرمایا، دیر تک وہ کتبخانہ کو، دفتر کو، پریس کو، رفقاء کے رہنے کے کمرون کو دیکھتے رہے اور زبان کے مسئلہ پر بعض ارکان دار المصنفین سے گفتگو کرتے رہے ہمکو اس سے خوشی ہوئی کہ موصوف نے دار المصنفین کو رشک کی نظرون سے دیکھا اور پھر بھی پسند کیا

جناب شاہ منیر عالم صاحب منصف و رئیس غازیپور جو شہر مذکور کے ایک ممتاز خاندان سے ہین ایک خط مین لکھتے ہین کہ اونکے پاس دیوان حافظ کا ایک عجیب و غریب نسخہ ہے، یہ نسخہ دربار اکبری کے شاعر فیضی کے دست خاص کا لکھا ہوا بیان کیا جاتا ہے، اسکے دیباچہ مین مذکور ہے کہ ملا آقا ایک بزرگ بادشاہ کی طرف سے متعین کئے گئے تھے کہ وہ حافظ کا ایک صحیح نسخہ مرتب کرین۔ ملا صاحب نے خود حافظ کے وطن شیراز جاکر دس برس قیام کیا اور وہان سے ایک صحیح نسخہ مرتب کرکے بادشاہ کے لیے ہندوستان لائے شاہ صاحب فرماتے ہین کہ جن جن اصحاب نے اس نسخہ کو دیکھا ہے سب کی یہی رائے ہے کہ اس سے زیادہ

صحیح نسخہ دوسرا نہوگا" اگر یہ صحیح ہے تو حافظ کے اشعار کے ملحقات اور بعض اشعار کے مختلف نسخون کے انتخاب مین اس سے بہتر مدد ملسکتی ہے،

اس لٹنے پر بھی ہندوستان مین کیا کیا انمول جواہر مدفون ہین، بدایون مین مولوی علی بخش صاحب مرحوم کا خاندان مشہور ہے، اس خاندان کی علمی یادگار ہمارے دوست مولوی یعقوب بخش صاحب راغب بدایونی ہین، اس خاندان کا کتب خانہ ہندوستان کے نوادر مین تھا، بہت سی چیزین وہان کی ضائع ہوگئین کچھ دوسرے کتبخانون مین منتقل ہوگئین، اب بھی جو قلمی کتابین موجود ہین اونین سے حسب ذیل کتابین کسی نہ کسی حیثیت سے قابل ذکر ہین،

لباب التاویل خازن کا ایک عتیق نسخہ، لباب التفاسیر مکتوبۂ تمیمی صوفی بشہر کرمان ۸۳۸ھ المتفق والمفترق (اسماء الرجال) موضوعات ابن طاہر صاحب مجمع البحار مصنف کے زمانہ کی (تاریخ کتابت ۹۵۹ھ تاریخ وفات ۹۸۶ھ) موضوعات ابن جوزی، غایۃ الوصول شرح مختصر ابن حاجب از قطب الدین شیرازی، شمائل ترمذی "کتبخانۂ شاہ قلی خان محرم (یکے از امرائے اکبری) سیرت نبوی مین ایک نہایت نادر کتاب سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد للحافظ یوسف الشامی،

دنیائے اسلام کا ایک گوشہ اب دوسرے گوشہ سے جس طرح مل رہا ہے اوسکی ایک تازہ نظیر یہ ہے کہ مصر کی ظاہری آزادی کی خوشی مین تونس کے سب سے قدیم جامعہ زیتون کے طلبہ نے، مصر کے قدیم ترین جامعۂ ازہر کے طلبہ کو اور تونس کے شاہی کالج مدرسۂ صادقیہ کے طلبہ نے مصر کے جامعۂ مصریہ کے طلبہ کو مبارکباد کے تار بھیجے ہین، اور تمنا ظاہر کی ہے کہ اوسکی یہ آزادی عربی علوم وفنون کی حیات تازہ کے لیے بھی خدا کرے آب حیات ثابت ہو،

ماہ گزشتہ مین برطانیہ کی ممتاز یونیورسٹی سینٹ اینڈریوز نے ڈاکٹر آف لاز (ال، ال، ڈی) کی اعزازی ڈگریان جن مشاہیر فن کو تقسیم فرمائین، ان مین ایک ذات مس ایلن ٹیری کی بھی تھی، جنکا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اِسوقت انگلستان کی سبسے نامور ایکٹرس ہین!،

بے شبہہ، ہندوستان مین بھی "رنگیلے" محمد شاہ (دہلی) اور "جان عالم" واجد علی شاہ (لکھنو) نے اپنے اپنے زمانہ مین ارباب نشاط کی دل کھولکر سرپرستی وحوصلہ افزائی فرمائی تھی، لیکن جوہرشناسی کا یہ شرف بیسوین صدی کے ایک برطانوی دارالعلم کے لیے محفوظ رہا تھا، کہ ایک ایکٹرس کو ایک اہم علمی خطاب سے سرافراز کرے! پچھلی ششماہی مین ہماری علیگڈھ مسلم یونیورسٹی نے ملک کے بعض رنگین طبع اُمرا، کو علمی خطابات سے مفتخر کرنے کی جو تجویز فرمائی تھی، اُسکے لیے سینٹ اینڈریوز یونیورسٹی کے اِس طرزعمل سے زیادہ واضح ومستند سند جواز اور کہان سے ہاتھ آسکتی ہے،



برطانیہ کی علمی تاریخ مین گوہرشناسی کا تنہا یہی ایک درخشان واقعہ نہین۔ موجودہ صدی کے آغاز مین جب یورپ کے نامور فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی وفات ہوئی، اور اسکے احباب وتلامذہ نے اُسے ویسٹ منسٹرایبے مین دفن کرانا چاہا، جو برطانیہ کے مشاہیر فن کے لیے مخصوص ومحفوظ گورستان ہے، تو "مقتدر وذی علم" متولیان گورستان کی پیشگاہ سے کسی طرح اسکی تدفین کی اجازت نہ ملی، لیکن اسکے کچھ ہی عرصہ کے بعد جب ایک مشہور ایکٹر ہنری اِرونگ کی وفات ہوئی، تو انہین حکام گورستان نے اسکے حدود کے اندر اسکی نعش کو کمال تزک واحتشام دفن ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔

ہندوستان کے ارباب نشاط وتماشا کو مژدہ ہو، کہ بعض نکتہ سنجان یورپ کی نظر دقیقہ رس مین ایکٹرون اور ایکٹرسون کی قدر وقیمت خادمان علم وفلسفہ سے کہین زائد ہے۔ اور اگر یہ ملک ابھی انکی کافی قدر نہین کرتا، تو ذرا اور صبر وانتظار سے کام لین تا آنکہ ہندوستان تمدن وتہذیب، تعلیم وشائستگی مین یورپ کے

ہم سطح ہوئے،

---

۵ مئی کو لندن مین بہ مقام پیلیس تھیٹر تو انین امتناع مے نوشی و مے فروشی کی مخالفت مین منعقد ہوا، دلدادگانِ دختِ رز کا مجمع عظیم تھا۔ صدر جلسہ مسٹر ہنری آرتھر جونس نے طویل و عریض خطبۂ صدارت مین بیان فرمایا کہ

"مین چالیس سال سے ہر روز بلا ناغہ شراب پیتا رہا ہون، اور آجتک کبھی بدمست نہین ہوا . . . . . . میرا عقیدہ ہے، کہ بہ قول ٹیلر کے انسان کو حیوانات پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے، وہ الکحل ہی کے باعث ہے۔ ہمارے مشاہیر فن شیکسپیر، ڈکنس، اراسیلا، فیلڈنگ وغیرہ کے دماغ مین روشنی اور قلم مین روانی اسی آتش سیال کے طفیل پیدا ہوئی ہے"

اسی طرح دوسرے مقررون نے بھی شراب کے مناقب و فضائل بیان کیے، میخواری کی خوبیون پر دلائل قائم کیے، اور اسکے طبی، اخلاقی، و ذہنی فوائد کو ایک ایک کرکے شمار کیا۔ ایک راویِ معتبر کا بیان ہے، کہ جس وقت وہ اخبار مین اس مے پرست جلسہ کی کارروائی پڑھ رہے تھے، پڑوس کی مسجد سے ایک خوش آواز حافظ کی یہ صدا انکے کانون مین آنے لگی، اِنَّ الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ زَیَّنّا لھم اعمالھم فھم یعمھون اولٰئک الذین لھم سوءُ العذاب وھم فی الاٰخرۃ ھم الاخسرون۔ (نمل-۱) (جو لوگ آخرت پر ایمان نہین رکھتے، انکی نظرون مین ہم انہین کے اعمال و اشغال کو اچھا کر دکھاتے ہین، اور وہ انہین مین لگے لپٹے رہتے ہین۔ یہی لوگ ہین جنہین عذاب شدید پیش آنا ہے، اور جنہین آخرت مین زیان کار رہنا ہے)

اُردو زبان کے تمام ہمدرد و ہوا خواہ اس خبر کو دلی مسرت کے ساتھ سُنینگے، کہ چند ماہ سے آکسفرڈ مین ہندوستان کی مشترک زبان کی خدمات کے لیے ایک انجمن بزم اُردو کے نام سے قائم ہوئی ہے جسکے صدر ایک ہندو نوجوان ہین، جو بنارس ہندو یونیورسٹی کی جانب سے وظیفہ حاصل کرکے وہان تحقیقات علمی مین

معروف ہین۔ کیمبرج مین ایک انجمن انہین مقاصد کے ساتھ اس سے پیشتر قائم ہو چکی ہے، بلکہ اسکا الحاق بھی غالبًا ہماری انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد) سے ہو چکا ہے۔ اسکے صدر فرنگی محل لکھنؤ کے ایک ہونہار فرزند ہین۔ دعا ہے، کہ دونون مجلسون کو خلوص وصداقت کے ساتھ خدمت زبان وقوم کی توفیق عطا ہوتی رہے،

تازہ ولایتی ڈاک سے خبر آئی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے دارالحکومت شہر لندن مین ایک عظیم الشان وحیرت انگیز ناچ گھر تعمیر ہو رہا ہے، جو اپنے حُسن وزیبائش اور سامان تنعم وآرایش کے لحاظ سے چشم فلک کو بھی خیرہ کر دیگا، درمیانی ہال ۱۶۰ فٹ طویل، ۱۰۰ فٹ عریض، اور ۴۰ فٹ بلند ہوگا، کل وسعت اتنی ہوگی، کہ ۸۰۰ جوڑے بہ یک وقت سرگرم رقص ہو سکینگی، اور تماشائیون کی تعداد ۴۰۰۰ تک پہنچ سکے گی۔ ستون سنگ مرمر کے ہونگے۔ رنگ وروغن نقش ونگار مین صناعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائیگا۔ برقی لیمپون کی تیز جگمگاہٹ سے رات پہ دن کا دہوکا ہوگا۔ ایک چھت شیشہ کی ہوگی، اس پر سُرخ، سبز، و نیلگون روشنیون کا عکس پڑتا رہے گا، چالیس ماہرین فن اور آٹھ ماہرات فن کی جماعت تعلیم دینے کے لیے ہر وقت حاضر رہے گی، نازنین ونوعمر ناچنے والیان، حسن وجمال، رعنائی، نزاکت، دلبری ودلربائی مین مرتبہ کمال رکھتی ہونگی، مصارف تعمیر کا اندازہ ۱۰۵۰۰۰ پونڈ (۱۵ لاکھ ۷۵ ہزار روپیہ) کا ہے۔ ۱۹ ستمبر کو یہ عمارت مکمل ہو جائے گی،

راویان صداقت شعار وناقلان حقیقت آثار (انگریزی اخبارات کے نامہ نگارون) کا بیان ہے کہ تیاری پر لندن کا یہ ایوان رقص، اپنی وسعت وزیبائش کے اعتبار سے، روے زمین پر یکتا وبے نظیر ہوگا، بیشک ہوگا، سُنتے ہین کہ عصر قدیم مین بھی ایک متمدن سلطنت کے فرمانروا نے ایک "جنت ارضی" تیار کرائی تھی، اور جسکے تذکرے "باغ اِرم" و "بہشت شداد" کے نامون سے آج تک ادبیات مشرقی کے دفاتر

پارینہ میں محفوظ چلے آتے ہیں، کاش، اگلوں کے انجام سے پچھلوں کو عبرت حاصل ہوتی رہتی! یہ داستان غیر تاریخی سہی، لیکن ایسی قوموں کے وجود سے تو بہر حال انکار نہیں ہو سکتا، جو جیپہ جیپہ پر اپنی یادگاریں

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون و	پُر عظمت عمارتوں کی شکل میں تیار کرتی تھیں اور
تتخذون مصانع لعلکم تخلدون	جنہیں اپنی زندگی کے دوام کے ساتھ یہی اعتماد تھا
(۱۱-۷)	کہ انکے یہ قصر و ایوان ہمیشہ انکا ساتھ دیتے رہینگے

یہ قومیں اپنی کثرت تعداد پر، اپنے مویشیوں پر، اپنی تفریح گاہوں اور یادگاروں پر، اپنے

الذی امدکم بما تعلمون امدکم	جاری کئے ہوئے فواروں، چشموں، اور
بانعام و بنین و جنٰت و عیون (ایضًا)	نہروں پر، فخر و ناز کرتی رہتی تھیں، لیکن

نتیجہ جو کچھ ہوا، وہ اوراق لیل و نہار پر درج ہے، جسے چشم بصیرت ہر وقت پڑھ سکتی ہے، ہل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا۔

سال میں دو مرتبہ انگریزی حکومت کی جانب سے ہندوستان میں "خطابات" کی تقسیم ہوتی ہے سالہا سال سے ہم پر جو غیرت شکن و غلامی آفرین نظام تعلیم و تربیت مسلط ہے، اس نے قدرتی طور پر ان خطابات کو ہماری ایک جماعت کثیر کی نگاہوں میں محبوب اور تمغائے افتخار بنا دیا ہے، مدتوں پیشتر سے حصول خطاب کے لیے قلوب مضطر رہتے ہیں، سیکڑوں راتیں اضطراب اور بےچینی کی کروٹوں کے ساتھ گزرتی ہیں، صدہا بار آستان حکومت پر ناصیہ فرسائی کیجاتی ہے۔ ضیافتوں، رشوتوں، غمازیوں وطن فروشیوں، اور خدا معلوم کن کن ناقابل ذکر شکلوں میں نیاز مندیاں جلوہ گر ہوتی ہیں، معابد میں دعائیں مانگی جاتی ہیں، مزارات پر منتیں مانی جاتی ہیں، ذی اثر احباب سے جلسوں اور ضیافتوں کے وعدہ کئے جاتے ہیں، اور ایک والہانہ ذوق و شوق اور عاشقانہ اشتیاق و انتظار کے ساتھ سرکاری گزٹ کے

افق پر اپنے نام کے طلوع ہونیکی توقع کیجاتی ہے، اور خیر ہندستان تو ہندستان آجکل دنیا کی سب سے بڑی مہذب پارلیمنٹوں مین اسکے لیے ممبر دست وگریبان مین، اور وزرا چین بجبین،

لیکن اسلام مین عزت وتکریم، سروری وسرداری، تعظیم واحترام کی اصلی مستحق صرف ایک ذات ہے، وہ ذات یکتا وبے ہمتا جسکی عظمت واجلال، بزرگی وکبریائی پر زمین وآسمان سب شہادت دے رہے ہین، ولہ الکبریاء فی السموات والارض (جاثیہ ع ۴) عزت حقیقی ساری کی ساری صرف اسی کی ہے، ان العزۃ للہ جمیعا (یونس)، اس آفتاب کبریائی کا پرتو جب ذرات بشری پر پڑتا ہے، تو انہین بھی منور کر دیتا ہے۔ یہ ذرات نورانی سب سے پہلے انبیار کرام اور اسکے بعد صالحین امت ہین، جنکے قلوب نور ایمان سے لبریز ہوتے ہین، وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنفقین لا یعلمون (منافقون ۱)

اسلام سے قبل تمام دنیا اس گمراہی مین مبتلا تھی، کہ عزت کا معیار خوش نسبی وبلند نسلی ہے۔ اسلام نے آتے ہی اس بت کو توڑا، اور اعلان عام کر دیا، کہ بندہ کی عزت ومرتبت کا اصلی معیار صرف تقرب الی اللہ یعنی تقوی وحسن عمل ہے، یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (حجرات ۲) باقی نسل وقوم، حسب ونسب، رنگ وجنس وغیرہ کے امتیازات تو محض مصالح معاشری کی غرض سے ہین، اصل عزت تو اسی کی واحد ہے، اسی منشور ازل مین اسکی منادی کر دی گئی، کہ اگر حصول عزت کی خواہش ہے، تو یاد رہے، کہ عزت تو صرف من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ جمیعا، الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (فاطر ۲) مطلق کی ہے، اس تک بندہ کی اچھی باتین ہی پہنچتی ہین، اور عمل صالح ہی بلند کرتا ہے، جس خاک کے پتلے کو اس آستانہ سے عزت نصیب نہین ہوئی، اسے دنیا کا کوئی اعزاز، کوئی خطاب، ومن یھن اللہ فما لہ من مکرم (حج ۲) قیامت تک سربلند نہین کر سکتا،

جو حرمان نصیب بندہ اس سرچشمۂ عظمت وکبریائی کو چھوڑ کر اغیار کے آستانو پر ناصیہ سائی کرتے، اور انکے طالب عزت رہتے ہین، انہین بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما الذین یتخذون الکفرین اولیاء من دون المؤمنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا (نساء ۲۰) منافقین قرار دیا گیا ہے، اور انکے حق مین شدید عذاب الہی کی وعید وارد ہوئی ہے،

خدا ہر کلمہ گو کو عذاب منافقت سے محفوظ رکھے اور عزت کا مفہوم صحیح سمجھنے کی توفیق نصیب کرے۔

بھی اپنی دنیوی واخروی سعادت کے لیے انکی رہنمائی کی بہت کچھ مرہون ہے،

آج جس ہستی کی وصف حال مین ہمارا قلم متحرک ہے وہ ہماری ان قائم کردہ صفوف مین سے چوتھی صف مین شامل ہے۔ اسلیے کہ مدرسۂ "شانتی نیکیتان" کے قیام کے منجملہ دیگر اسباب ووجوہ کے ایک بڑی وجہ ہمارے ادیب وشاعر کا یہ طبعی خاصہ بھی ہے،

اسکے علاوہ دوسرا اہم سبب جسکی وجہ سے مدرسۂ مذکور ظہور مین آیا اُن اصولون کی ترویج ہے جنکو ٹیگور کے والد نے "جو بہت بڑے رشی گذرے ہین" سعادت انسانی کے لیے اپنی برسون کی محنت شاقہ، سوچ بچار، اور مراقبۂ وفکر کے بعد دریافت کیے تھے۔ اور وہ محبت، مساوات، سادگی اور ذی روح اشیاء کو ایذا نہ پہنچانے پر مشتمل ہین جیسا کہ مدرسہ مذکور کی طرز معاشرت اور اصولون وغیرہ سے ہویدا ہے،

تیسرا اہم سبب وہ ناقص مغربی طرز تعلیم ہے جسکا نفاذ مغربیون نے آکر ہندوستان مین بعض اپنی خاص ذاتی اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھکر کیا۔ اور ڈیڑھ سو برس کے تجربہ کے بعد اب ہندوستان کا ہر ذی شعور دماغ اُسکے نقص کو محسوس کرنے لگا ہے چنانچہ خود ٹیگور اسکے متعلق لکھتے ہین،

"اسمین کوئی شبہ نہین کہ موجودہ طریقہ جو ہماری نئی نسل کو مبادیات وعلوم کی تعلیم دیتا ہے اُنکی معصوم عقلون کے لیے ایک بارگران اور عذاب الیم ہے۔ پس ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم تہذیب وتعلیم کے اسلوبون کو ایسا نہ بنائین کہ وہ غایت علم کے برعکس نتائج پیدا کرین بلکہ ہمپر لازم ہے کہ ہم اُنکو حتی الامکان سادہ اور فطری بنائین[1]"

ایک جگہ اور اس طرز تعلیم کے طلبا کا حال لکھتے ہوئے اسکے نقائص کو زیادہ تفصیل سے

---

[1] (The American magazine)

بیان کرتے ہین،

"ذہن کو جب اسکی قدرتی غذا صداقت عرصہ تک نہین ملتی نیز آزادی نمو سے اُسے محروم رکھا جاتا ہے، تو امین کامیابی کی غیر قدرتی ہوس پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ ہمارے طلبہ اسی کامیابی امتحان کے خبط کے شکار ہو گئے ہین، اس کامیابی کے معنے یہ ہین کہ کم سے کم علم پر زائد سے زائد نمبر مجائین، یہ نفس کو حق و صداقت سے بالقصد غداری اور ذہنی بددیانتی اور اس حماقت کی تعلیم دیتا ہے کہ نفس خود اپنا قزاق بن جائے۔ ساتھ ہی چونکہ ذہن و نفس کے وجود ہی سے ہم غافل کر دیے جاتے ہین، اسلیے ہم اس نتیجہ پر پہنچکر نہایت مسرور رہتے ہین کہ ہم امتحانات پاس کرتے چلے جاتے ہین، خوشی خوشی وکیل، کلرک، پولیس انسپکٹر بنتے چلے جاتے ہین اور نوعمری مین مرتے چلے جاتے ہین"[1]،

مقاصد قیام مقاصد کا اکثر حصہ تو اسباب کے بیان مین ضمناً بیان ہو چکا ہے جنکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایسے اسلوب پر طلبا کو تعلیم دیجائے کہ اُنکے اندر آزادی، راستبازی، صداقت شعاری اور صحیح علمی ذوق پیدا ہو سکے لیکن ساتھ ہی اسکے غیر مناسب نہو گا اگر ہم خود ٹیگور کے اُس اعلان کو یہان پر نقل کر دین جو اُنھون نے مدرسہ مذکور کی صرف چار طالب علمون سے ابتدا کرتے وقت اخبارات و رسائل مین اپنے اس مدرسہ کی غرض بنا کے اظہار کے لیے شائع کیا تھا،

"ملک مین قدیم تہذیب کو زندہ کرنے کے لیے مین نے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جس مین طلبا یہ جان لین کہ وہان علوم و فنون مین فوقیت حاصل کرنے سے بھی زیادہ اعلے و برتر کوئی چیز ہے اور وہ ہمارا اپنے آپ کو اچھی طرح پہچان لینا ہے اُس دُنیا کے لیے جسمین ہم رہتے ہین۔ میری مراد اس سے تمام اُن لذات و ترفہ کے وسائل کی نفی

[1] معارف نمبر ۵ جلد ۵ صفحہ ۳۷۲

ہے جو موجودہ مدارس مین موجود و رائج ہین اور طلبا رکو ایک صحیح و سادہ زندگی پر پرورش کرنا ہے پس اسلیے میرے مدرسہ مین بنچین (تپائیان) نہین ہین گی جن پر طلبا ربیٹھین بلکہ درختون کے نیچے خاکی فرش تاکہ اُسین وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرسکین۔

نیز ایک بڑے اور وسیع میدان مین اس مدرسہ کے قائم کرنیسے میری اصل غرض موجودہ تمدن کی مہلک زندگی سے یکسوئی و عزلت ہے تاکہ مین بچون کو نباتات و اشجار مین اسطرح پرورش ہوتے دیکھون جیسا کہ اُنکی زندہ و آزاد طبیعت مستحق ہے بجاے اسکے کہ وہ شہرون کے اندر چار دیواری کے حصار مین پرورش پائین۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جاے کہ مین اپنے اس مدرسہ کے لیے ہمیشہ زیادہ فہیم و ذہین بچون کو ہی قبول کرونگا نہین بلکہ کثرت سے میرے پاس وہ بچے بھیجے جاسکتے ہین جو بلید الفہم ہون اور جنکی تربیت تعلیم سے اُنکے والدین عاجز آگئے ہون[1]"

شانتی نکیتان اور اخلاق کسی طرز تعلیم کے کامیاب ہونے کے یہ معنے ہین کہ اُسکے طلبہ کے اندر علاوہ صحیح ذوق علمی ثبات و استقلال اور اُولوالعزمی کے اخلاق حمیدہ پیدا ہو جائین۔ اور یہی تعلیم کا اصلی مقصد ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے ادیان و مذاہب کی تعلیم کی اہم ترین غرض و غایت بھی اسی کی تکمیل اور اسی کی تحسین و اصلاح رہی ہے لیکن افسوس کہ ہمارے موجودہ مروجہ طرز تعلیم مین اسیکا فقدان ہے، دنیا مین جسقدر بھی تعلقات مظہر اخلاق ہو سکتے ہین وہ تین قسم کے ہین:-

(۱) کنبہ یا خاندان کے تعلقات

(۲) دوست و احباب کے تعلقات

(۳) سوسائٹی کے تعلقات

[1] The American magazine

لیکن اگر آج دیکھا جائے تو ہمارے اُن نوجوانون کے غیظ وغضب، بدمزاجی وبداخلاقی کا منظر، جو موجودہ یونیورسٹیون سے بڑی بڑی ڈگریان لیکر نکلتے ہین یہی تینون تعلقات پائے جاتے ہین الا ماشاء اللہ اور دوران تعلیم مین تو دوسری مخالف ارلے جماعتون اور فرقون کے ساتھ جسطرح آپسمین بغض وعناد رکھا جاتا ہے وہ محتاج بیان نہین بلکہ صرف انہی پر موقوف نہین ہمنے تو ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور کالجون اور دارالعلومون کے اساتذہ تک کو اسی مرض مین مبتلا پایا،

اسمین کوئی شبہہ نہین کہ اس لحاظ سے شانتی نیکیتان کی کامیابی جسقدر بھی مستحق تحسین وآفرین سمجھی جاے وہ کم ہے اسلیے کہ ہم نے وہان پہنچکر ایک ادنی بچے سے لیکر اعلے اُستاذ تک کو اخلاق حمیدہ کا ایک پیکر اور محبت وخلوص کا ایک مجسمہ پایا اور دنیا مین انسانی زندگی وسعادت کے لیے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے،

شانتی نیکیتان اور مذہب یہ تو ہمنے مقاصد کے بیان مین بتلایا ہے کہ مدرسہ کے قیام کا ایک بڑا مقصد ایک نئے مذہب کی ترویج واشاعت ہے جو زیادہ تر بدھ مذہب سے ماخوذ ہے اور جسکو ٹیگور کے والد نے ایک عرصہ کے مجاہدہ وریاضت اور مراقبہ کے بعد دریافت کیا تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ کے ہر طالب علم کے لیے خواہ وہ کسی مذہب وعقیدہ سے تعلق رکھتا ہو ایسے اُصول کی پابندی مثلاً دینی معاملات مین گفتگو نہ کرنا، مدرسہ کی مقرر کردہ عبادت مین لزوماً حصہ لینا، یا ذی روح اشیاء کو نہ کھانا اور نہ ستانا ضروری قرار دیگئی ہے،

اگرچہ اس جدید مذہب کی عبادت وغیرہ کے عام اُصول نہایت مستحسن اور بظاہر کسی مذہب وعقیدہ کے خلاف نہین ہین مگر اسمین کوئی شبہہ نہین کہ یہ دیگر مذاہب کے عقیدونکو محو کردینے والے اور اُنکے پیرؤون کو اپنے مین جذب کرلینے والے ہین جیسا کہ ہمکو بعض مختلف مذاہب کے طلبار کے خیالات وحالات دریافت کرنیسے معلوم ہوا،

اگر اس مدرسہ کو خاطر خواہ کامیابی ہوگئی اور جیسا کہ ٹیگور نے بیس سال سے منصوبہ باندھا ہے یہ مدرسہ بحیثیت ایک بین الاقوامی جامعہ (انٹرنیشنل یونیورسٹی) کے دنیا مین مقبول ہوگیا تو یقیناً کچھ عرصہ کے بعد یہ دنیا مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیگا اور عجب نہین کہ گوتم بدھ کی تعلیم کی روح دنیا مین دوبارہ اسکے ذریعہ سے جنم لے۔ اس مدرسہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے طلبا کے اندر جو عزت و عظمت ٹیگور کی شخصیت کی پیدا ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری گرانقدر ہستی کے لیے نہین پیدا ہوئی اور مذہبی حمایت و عصبیت جو باعتدال ہر مذہب کے بقاء وحیات کے لیے لابدی و ضروری ہے فنا ہوجاتی ہے جیسا کہ اپنے ایک رفیق کو ہمنے اسکا بے طرح شکار ہوتے دیکھا۔ اسلیے ضرورت اس امر کی ہے کہ جو طالب علم اس مدرسہ مین داخل ہون وہ پہلے سے اپنے عقیدہ و مذہب مین پختہ و مستحکم ہون، ہمارے نزدیک مسلمانون مین اگر ندوہ کی فارغ التحصیل جماعت اسطرف متوجہ ہو تو وہ اسکی پوری طرح سے اہل ہے اور اس سے کما حقہ مستفید ہوسکتی ہے خصوصًا اسلیے اور بھی کہ ندوہ کے نصاب مین انگریزی کی تعلیم بھی ایک حد تک داخل ہے اور انگریزی یا بنگالی زبان سے واقفیت اس مدرسہ سے استفادہ حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے۔ پس کیا ہمارے برادران ندوہ اسکی طرف متوجہ ہونگے؟

شانتی نیکیتان اور سیاست آج جو ہم مین سیاسی بیداری کی روح مفقود ہے اور ہم اپنے لیڈرونکے بار بار جگانے پر بھی نہین جاگتے اسکا اصلی سبب علاوہ طریقۂ حکومت کے ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا وہ نقص ہے جو ہمین اپنے ملکی پولٹیکل معاملات مین حصہ لینا تو درکنار انکے متعلق گفتگو بھی نہین کرنے دیتا۔ ہمارے موجودہ اسکولون اور کالجون کے اندر دوران تعلیم مین ہمین اسکے متعلق قواعد و ضوابط، زجر و توبیخ اور طریق تعلیم سے لا تقربا ھذہ الشجرۃ کی تعلیم دیجاتی ہے اور فتکونا من الظالمین کی خاسرونا کام عاقبت کا خوف بچپن سے ہمارے دلنشین کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ باوجود علوم کے خلعت فاخرہ پہن لینے اور بڑی بڑی قانونی اسناد حاصل کر لینے کے بھی ہمارے اندر سیاسی احساس و شعور نہین ہوتا جو در اصل مغلوب و محکوم شعوب و قبائل کے لیے نور ہدایت ہی اور جسقدر اُسکی روشنی اُنکے اندر پھیلی ہوئی ہوتی ہے اُسیقدر وہ اپنے حقوق سے آگاہ اور اپنے مصالح کی حفاظت و کفالت کے طریقون سے واقف ہوتے ہین چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب ہم دنیا کی سب سے زیادہ آزاد اور حقیقی معنون مین جمہوری حکومت ممالک متحدہ امریکہ کے نظام تعلیم پر نظر ڈالتے ہین تو سیاسیات کی تعلیم کو داخل نصاب پاتے ہین،

یہ جو کچھ عرصہ سے ہمارے موجودہ تعلیم یافتہ نوجوانون مین تھوڑا بہت سیاسی احساس و شعور پایا جانے لگا ہے اور وہ ہمین میدان عمل مین متحرک نظر آنے لگے ہین تو یہ اُنکی تربیت و تعلیم کا نتیجہ نہین ہے بلکہ ہمارے سیاسی لیڈرون اور سیاسی انجمنون کی ان تھک کوششون کا نتیجہ ہے یا نہین تو پھر اُنکے ذاتی شوق و شغف، اور صحافت (جرنلزم) کی کوششون کا۔ اگرچہ ہندوستان کی صحافت حقیقی معنون مین صحافت نہین اسلیے کہ اسکا سنگ بنیاد تقلید یورپ ہے ورنہ موجودہ تمدن کے اس اہم ترین و عظیم الشان فن کی نہ تو ہندوستان مین کسی جگہ باقاعدہ تعلیم دیجاتی اور نہ ہی باوجود یونیورسٹیون کی اس کثرت کے اسکی کہین درسگاہ ہے برخلاف ممالک متحدہ امریکہ کے کہ وہان تقریبًا ہر یونیورسٹی سے ملحق اسکی تعلیم کے لیے ایک درسگاہ ضرور ہوتی ہے جسکا نصاب چار سال کا ہے،

اوّل دو سال مین زیادہ تر عمرانی و اجتماعی علوم کی تعلیم اس ترتیب سے دیجاتی ہے کہ وہ طالبعلم کو موجودہ اجتماعی اور اقتصادی شرائط سے آگاہ کر دے اور اُسکو مافی الضمیر کے اظہار مین مدد پہنچائے اور بقیہ دو سال کا کورس زیادہ تر فن اشاعت، تنقید، مقالات افتتاحیہ، خصائص نویسی[1]، اور بین المللی تحریرات کی مشق و تعلیم سے متعلق ہے اور اسوقت اس فن کی امریکہ مین سب سے بہترین درسگاہ

[1] Feature writing

کولمبیا یونیورسٹی (Columbia university) مین[1] ہے،

خوشی کی بات ہے کہ شانتی نکیتان مین سیاسیات کو نظر انداز نہین کیا گیا ہے بلکہ وہان جیسا کہ ہمنے گذشتہ صحبت مین کہا تھا کہ طلبہ کے آرار، وافکار کو باقاعدہ مگر آزادانہ ارتقا کا پورا موقع دیا جاتا ہے، اُنسے زعامت وقیادت کی مشق کرائی جاتی، اور سیاسی مضامین بھی لکھوائے جاتے ہین، البتہ جس سیاست کی تعلیم دیجاتی ہے وہ وہی ہے جو ٹیگور کی ہے،

ڈاکٹر ٹیگور کی شخصیت ایک جامع شخصیت ہے اور اُنھون نے ایک ہمہ گیر طبیعت و استعداد پائی ہے ایک ہی وقت مین اُنھین شاعری سے بھی ذوق ہے اور ادب سے بھی، سیاست سے بھی اور فلسفہ سے بھی اسلیے وہ ہندوستان کی سیاسیات کے متعلق بھی خاص سیاسی آرار وافکار رکھتے ہین جو ہندوستان کے موجودہ سیاسی اصول سے مختلف ہین۔ اُنھین ہندوستان کی موجودہ و اہم سیاسی تحریک "ترک موالات" سے اختلاف ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اُنھین یا اُنکے متبعین کو موجودہ سیاسی میدان مین نقل وحرکت کرتے ہوے نہین دیکھتے دوران قیام مین ہم سے اور ایک بنگالی بابو سے ملاقات ہوئی تھی جو شانتی نکیتان مین زیر تعلیم رہ چکے تھے اور ٹیگور کے معتقدین مین سے تھے اور اُسی کمرے مین جسمین کہ ہم ٹھہرائے گئے تھے قیام پذیر تھے اُن سے ٹیگور کے وجوہ اختلاف کے متعلق ہمسے انگریزی مین مفصل گفتگو ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم بغرض افادہ اپنی اُس گفتگو کو آیندہ ہدیۂ ناظرین کرینگے،

---

[1] A Guide book of the Institute of international Education

صفحہ ۴۴ (مطبوعہ نیویارک)

منتخبات

کتبخانۂ اسکندریہ

مترجمہ جناب عبدالمجید صاحب صدیقی متعلم جامعہ عثمانیہ

(۲)

لیکن چوتھی صدی کے اختتام کے قریب تھیوفلس کے زیر کمان عیسائیونکے ہاتھون سیرایم کی قسمت مین بربادی لکھی تھی، ہم پہلے پڑھ چکے ہین کہ ۳۶۶ء کے مذہبی مناقشہ مین مندر برباد ہوا اور لوٹا گیا۔ اس ہنگامہ مین مندر کے کتب خانہ کا فنا ہونا ضروری اور موجہ ہے، جیسے جیسے عیسائیت کو زور ہوتا گیا بت پرستون سے اسکی لڑائیان زیادہ تیز و تند ہوتی گئین، اسوقت قدرتی طور پر سیرایم نے کافرونکے لیے قلعے اور جائے پناہ کا کام دیا، اور تھوڑی دیر کے لیے جب موقع انکے ہاتھ آیا تو اپنی جائے وقوع سے فائدہ اٹھا کر انھون نے شہر کو تاراج کیا۔ اور سخت متعصب عیسائیونکو تہ تیغ کیا۔ شہر پناہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن قبل اسکے کہ معاملات کی صورت نازک ہو جائے اور تلوار کے ذریعہ ہی آپس مین فیصلہ ہو، اس بات پر تصفیہ ہوا کہ قیصر کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے،

تھوڈوسیس کا جو فرمان آیا اسمین عیسائیون کی سراسر حمایت تھی۔ سیرایم کے صحن مین دونون مخالف فریق کی موجودگی مین وہ فرمان بآواز بلند پڑھا گیا۔ قدیم مصری بت پرست فوراً بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیسائیون نے اپنے پادری تھوفلس کے زیر رہبری سیراپس کے بڑے مندر کو منہدم کر دیا۔ یہ واقعہ ۳۹۱ء کا ہے اور اسمین نہ تو کسی بحث کی ضرورت ہے اور نہ کوئی شبہہ ہے،

اسوقت صورت حال بالکل بدل جاتی ہے جب یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ آیا اِس بربادی مین کتبخانہ بھی تباہ ہوا؟ اس سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہین دیا جا سکتا۔[۱] بلکہ بہت کچھ بحث مباحثہ کا محتاج ہے۔ ایک غور کرنے والا، ثبوت کے صرف چند اجزا کی تنقید کر سکتا ہے۔ اس امید مین کہ وہ اس مطلوب نتیجہ کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسمین تو مطلق شبہہ نہین ہے کہ مندر سنہ ۳۹۱ء مین بالکل برباد ہو گیا جسطرح یونیپس بیان کرتا ہے کہ وہ زمین کے برابر کر دیا گیا اور ایک یا زیادہ عیسائی کلیسا وہان بنادیے گئے۔ ممکن ہے کہ اسمین کچھ مبالغہ بھی ہو تاہم اسوجہ سے کہ کوئی قابل اطمینان ثبوت اس بارے مین نہین ملتا کہ مندر کی بربادی کے ساتھ کتب خانہ بھی برباد ہوا لازمی طور سے ذیل کی دو شقون مین سے ایک شق کو ثابت کرنا اس بات کے لیے ضروری ہوگا کہ کتب خانہ بھی اسمین برباد ہوا۔ (۱) یا تو وہ کتب خانہ مندر مین رکھا گیا تھا (۲) یا تمام عمارتین جو شہر بناہ مین واقع تھین انکو عیسائیون نے تھوفلس کے زیر ہدایت تباہ کر دیا۔[۲] ان شقون مین سے دوسری

---

[۱] بعض مصنفین نے تشفی بخش جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ نورین بے کتاب [illegible] صفحہ ۲۰ پر کہتا ہے کہ "جب عیسائی فوج نے سیراپیم پر قبضہ کیا (اسکا سنہ ۳۹۰ بتاتے ہین) کتبخانہ نہایت قاعدہ سے لوٹا گیا۔ اور کتابین روم اور قسطنطنیہ بھیجی گئین جہان تھیوڈوسیس کتابونکا بڑا ذخیرہ جمع کر رہا تھا"، مین یہ نہین کہہ سکتا کہ اس بیان کی دلیل کیا ہے۔ پروفیسر بیرے نے گبن کے اپنے اڈیشن مین جلد ۳ صفحہ (۴۹۵) ضمیمہ مین جو اپنا خیال ظاہر کیا ہے وہ بالکل مختلف ہے، کہتا ہے "مین اس نتیجہ پر پہنچتا ہون کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہین ہے کہ مسلمانون کے حملہ تک سیراپیم کا کتبخانہ باقی نہین رہا۔ اسمین کوئی شک نہین کہ گبن خود اس بات کو یقین کرتا ہے کہ کتب خانہ کو عمرو بن العاص کے زیر کمان تباہ نہین کیا بلکہ عیسائیون نے فلس کے زیر کمان تباہ کیا"۔ ڈاکٹر لوٹی نورین بے سے ضرور اس بات مین متفق ہین کہ سنہ ۳۹۱ سے قبل کتبخانہ منتقل کیا گیا۔

[۲] میٹر بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ "بربادی حد کو پہنچگئی۔ نہ صرف سیراپیم کے رہنے والونکی خانقاہ بلکہ اسکے بہت سے متعلقات سکونت کے کمرے صحن پیشگاہ اور کتبخانہ جو چھ صدیونکے پہلے کے قائم شدہ تھے، برباد کر دیے گئے" (Book of Alexandria صفحہ ۳۲۱)، دیکھو اسکا خیال ہے کہ ان عمارتونکی تباہی بہت خفیف تھی اور بہت جلد انکی مرمت ہوگئی اور وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جیسے جیسے قدیم میوزیم کی یاد دھندلی ہوتی گئی سیراپیم از روے روایت اور درواقعہ اسکی قائم مقام ہوتی گئی۔ اور اس نئی بنیاد مین سقمنوج ہوکر عربونکی فتح کیوقت اسمین اچھا خاصا کتب خانہ تھا۔

جن الفاظ سے وہ مطلب نکالا جاتا ہے وہ خلاف واقعہ ہے[1] کیونکہ اوس نے سیر ایم کا کوئی تذکرہ نہین کیا جو اصلی نمائشگاہ کا کتب خانہ تھا۔ اسکے متعلق وہ ذکر کرتا ہے کہ اسکی کتابین آگ سے تباہ ہوئین اور وہ سطحی طور پر اسطرح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بعض مندرون مین ابتک کتابون کی الماریان خالی نظر آتی ہین اور نیز یہ تسلیم کر لیا جاے کہ یہ ہمارے زمانہ مین جبر و تشدد سے خالی کی گئین تو یہ واقعات ثابت کرتے ہین کہ کتب خانے موجودہ زمانہ مین موجود تھے مگر یہ ثابت نہین کرتے کہ یہ کتب خانہ باقی رہ گیا جو قدیم نمائشگاہ کے کتب خانہ کا ایک جز ہے چونکہ وہ ایک علیحدہ مکان مین تھا، اسلیے وہ آگ سے بچ گیا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسری کتابین قدیم کتب خانہ کی تقلید مین آتشزدگی کے بعد کسی اور وقت جمع کی گئین۔ یہ تھی ارسیس کی بحث۔ اس سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ بطلیموسی بیرونی کتب خانہ کا کوئی حصہ آگ سے نہین بچا۔ میٹر اور دوسرون کے اعتراض کے موافق ایمین سیر ایم کی طرف کوئی ایما[2] نہین ہے، یہ بالکل ٹھیک ہے

[1] ر ۱۷۱ تمہ ...) مین صفحہ (۱۵) اور (۱۳) پر ارسیس نے سیزر کی آتشزدگی سے کتبخانہ کی بربادی کا تذکرہ کر کے بہت کچھ لکھا ہے۔ عبارت صاف نہین ہے مگر حسب ذیل مطلب نکلتا ہے تاہم اس موقع پر یہ کہنا صحیح ہے کہ موجودہ زمانہ مین چند مندرون مین خالی الماریان ہین مین نے خود اپنی آنکھون سے دیکھا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے زمانہ مین ہمارے لوگون نے انکو خالی کیا اور برباد کیا۔ اسکے علاوہ قابل اعتماد روایت یہ ہے کہ آتشزدگی کے بعد دوسرے ذخیرے جمع کیے گئے تاکہ علم کے قدیم ذوق کو تازہ رکھین یہ بات غلط ہے کہ کوئی اور کتب خانہ ابتدا ہی سے قائم تھا اور جو اور کتابون سے علیحدہ تھا اور اسی علیحدگی کیوجہ سے محفوظ تھا،

[2] میٹر نے جو اس مسئلہ پر بحث کی ہے وہ ناقابل اعتماد ہے جان فلوفونس کی تحریر کا اقتباس پیش کرتا ہے کہ علم تقسیم کی چالیس کتابین موجود تھین میٹر اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ کتابون کا ایک نیا ذخیرہ موجود تھا۔ لیکن جب وہ میانس کا اقتباس پیش کرتا ہے کہ علم تقسیم کی چالیس کتابین اور مقولونکی دو کتابین موجود تھین تو یہ ثابت کرتا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ پانچوین صدی تک نمائشگاہ کے کتب خانہ کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ مگر یہ نہین کہ کوئی دوسرا کتب خانہ بھی موجود تھا۔

بلکہ اس سے اور مزید روشنی پڑتی ہے کیونکہ اروسیس کی عبارت سے جو صریح نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین جبکہ اسنے اپنی کتاب لکھی ہے اسکندریہ مین کوئی بڑا اور قدیم کتب خانہ موجود نہین تھا۔ اگر ۴۱۶ء مین کوئی کتب خانہ سیرا پیم مین موجود ہوتا تو بھلا یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے کہ اروسیس اپنے سلسلۂ خیالات کے قلم بند کرنے مین جسکو مین نے بیان کیا ہے اسکو خاموشی سے چھوڑ جائے اروسیس کا بیان اس بات کی قوی شہادت ہے کہ ۴۱۶ء مین کوئی کتب خانہ موجود نہین تھا نہ اسکی شہادت کہ ۳۹۱ء مین سیرا پیم کتبخانہ کی بربادی ہوئی تاہم یہ زیر بحث نکتہ کہ ساتوین صدی مین کتب خانہ موجود نہین تھا ابھی پایۂ تکمیل کو نہین پہونچا۔ بیشک یہ بات کسی کے سمجھ مین نہین آتی کہ اسکندریہ کی تمام کتابین فنا ہوگئین۔ کیونکہ بڑی بڑی لڑائیون مین بھی جنکا رخ کتابون کی طرف تھا بہت سی کتابین باقی رہ گئین، ان لڑائیون مین ایک تو وہ لڑائی ہے جو ڈیاکلیشن نے عیسائیون کے ساتھ کی، دوسری تھیوفلس کی ہے جسنے کافرون کی کتابونکی بربادی کا بیڑا اٹھایا تھا، ان بڑے عام کتب خانون کے تباہ ہوجانے کے بعد بھی چند جلدین خانگی ذخیرون مین اور بہت ساری دور دراز خانقاہون کے کتب خانون مین باقی رہنا چاہیے تھین۔ یہ واقعہ کہ اسکندریہ کی تعلیم و تعلم کا شغلہ ہنوز برقرار تھا خود بتلاتا ہے کہ ضرور کتابین استعمال مین ہونگی۔ لیکن اگر سیرا پیم کا بڑا کتب خانہ ساتوین صدی مین موجود تھا تو بھلا یہ کسطرح ممکن ہے کہ پانچوین یا چھٹی صدی کا کوئی بھی مورخ ایسا پیش نہین کیا جاسکتا ہے جسنے وضح طور پر اسکے متعلق کچھ لکھا ہو۔ ایک خاص مثال تو مین پہلے بتا چکا ہون کہ جان ماسکس اور اسکا دوست سوفرونیس عربون کے اسکندریہ فتح کرنے کے چند سال پہلے مصر آئے تھے، اور یہ بھی بتا چکا ہون کہ ان دونون علما مین کسقدر علمی ذوق تھا یہانتک کہ جو چیز کتاب کی شکل مین انکے سامنے آتی تھی بغیر مطالعہ کے نہین رہتی تھی۔ اسمین کوئی شک نہین کہ انکی بہت تصنیفات ہین اور مصر مین انھون نے بہت

کے بھی یہی الفاظ[۱] ہین۔ وہ عیسائیون کے متعلق بیان کرتا ہے کہ ان لوگون نے سیرایم کے معاہدہ فتح سے لیکر تھیوفلس کے زمانہ تک مسلسل سیرایم مین بود و باش کی۔ یہ واضح رہے کہ یہ سب مصنفین چوتھی صدی کے اوائل مین گذرے ہین، یہ سب ایک دوسرے کے معاصر ہین۔ اس بات کا افسوس ہے کہ انھون نے واضح طور سے یہ نہین بیان کیا کہ کتب خانہ کا کیا حشر ہوا، اور نہ دیگر عمارتون کا جو شہر پناہ پر قائم تھے کسی نے ذکر کیا۔ مگر روفینس نے اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ اسنے ان بیرونی عمارات کے سلسلہ کا ذکر کیا ہے جو سطح مرتفع کے کنارے تھے اور صدمہ سے محفوظ تھے گو وہ پہلے کے کافر باشندون سے خالی تھے۔ لیکن وہ اسبات کو صاف طور سے بیان کرتا ہے کہ جب یہ بیرونی قطار مع اپنے درس اور سکونت کے کمرون کے باقی رہی تو ضروری ہوا کہ صرف مندر ہی نہین بلکہ متعدد ستون والا پیش دالان جو اسکے متصل تھا زمین کے برابر کردیا گیا[۲]

اس بحث کا حسب ذیل نتیجہ نکلتا ہے، یعنے یہ ثابت ہوا کہ کتب خانہ ایسے کمرون مین رکھا گیا تھا جو قدیم مصری دیوتاؤن کے مندرون کیطرح مندر کی عمارات کا ایک حصہ تھے اور نیز یہ ثابت ہوا کہ مندر کی عمارت بالکل تباہ و برباد ہوگئی اسلیے کتب خانہ کا بھی وہی حشر ہونا لازمی تھا[۳]،

یہان یہ اعتراض پیش ہوسکتا ہے کہ کمرون کے جلنے سے یہ لازم نہین آتا کہ کتابین بھی

---

[۱] ابتدائی نوٹ اور مستزاد دیکھو (صفحہ ۳۰۵)

[۲] روفینس کے فقرے مین نے پہلے ہی نقل کیے ہین (Serapeum صفحہ ۱۰۳) چونکہ ڈاکٹر بوٹی کے پاس اصلی لاطینی نسخہ نہین تھا وہ لاتفینس کا صحیح ترجمہ شہادت مین پیش کرتے ہین وہ بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ چونکہ مندر کی تباہی روفینس کی چشم دید ہے تو اسکی تحریر مین جو زمانہ ماضی آئے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ اس چیز کے متعلق ہے جو اسکی تصنیف کے وقت موجود نہین تھی اور زمانہ حال آئے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ تحریر کیوقت موجود تھی۔ [۳] یہان مین یہ کہہ سکتا ہون کہ جان فلافونس نے ابوالفرج کے دباؤ سے یہ کہا ہے کہ کتابین شاہی خزانہ مین موجود نہین۔ یہ بیان بالکل غلط ہے سیرایم کے کتب خانہ کو شاہی خزانہ کہنا بالکل غلط ہے،

جل گئی ہون - واقع مین یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کیوڈیشا کے جارج نے اس سے تقریباً تیس سال پہلے جبکہ تھیوفلس کے ماتحت عیسائیون نے سیرایم کو فتح کیا تھا بذات خود کتابین منتقل کرلی تھین اور یہ بھی تحقیق سے بیان کیا جاتا ہے کہ فتح کے بعد کتابین گٹھریون مین قسطنطنیہ بھیجی گئین[1] مگر اس بات مین شک ہے کہ آیا وہ شورہ پشت جماعت جس نے سیراپس کے مجسمے کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اسکے ٹکڑون کو اسی مقام پر جلادیا[2] یہان تک کہ وہ مہتم بالشان مندر جو دنیا بھر مین لاجواب تھا اسکا ایک پتھر بھی باقی نہین رکھا اس قابل تھی کہ ان علمی خزانون کا لحاظ کرتی - کیونکہ یہ تمام کتابین کافرونکی تھین اور ایک بڑے بت کی حفاظت مین تھین - چونکہ ان ہمعصر مصنفین کا سکوت کتب خانہ کے متعلق قابل تعجب ہے اسلیے ہم بلا تامل اس بات پر یقین کر سکتے ہین کہ کتابین اس آگ کی نذر ہو کر فنا ہو گئین جسمین سیراپس کا بت جل گیا - برخلاف اسکے یہ خیال کرنا مہمل ہے کہ وہ کتابین آگ سے بچائی گئین اور دربار شاہی مین روانہ کر دی گئین - اسمین کوئی شک نہین کہ اردسیس کے بیان کا اقتباس بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے کہ اسنے سیراپس کی خالی الماریون اور کتابدانون کو دیکھا تھا - اگر یہ اقتباس درست ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۴۱۶ء تک جبکہ اردسیس نے اپنی تصنیف لکھی ہے کتابین غائب ہو گئی تھین اور کتب خانہ کی عمارت باقی تھی مگر یہ صحیح نہین ہے

---

[1] دیکھو (Sayeza) صفحہ (۳۱۳)

[2] کتاب (Hist. Goo & V.) مین صفحہ ۲۲ پر تھیوڈوریٹ صاف کہتا ہے کہ وہ بت جو صرف لکڑی کا بنا ہوا تھا وہ اسطرح بدسلوکی کا شکار ہوا کہ اسکا سر شہر کے اطراف گھسیٹا گیا - مائیکل کی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے ،

[3] ڈاکٹر بوٹی اس خیال کی طرف مائل معلوم ہوتے ہین کہ اسکندریہ مین جو کتب خانہ جلا وہ بڑا جیمنیم کا کتبخانہ ہو جسکے متعلق سویڈ اس نے بیان کیا ہے کہ اگے جوورین نے جلا دیا - حالانکہ سیاق و سباق سے واضح ہو کہ وہ واقعہ انطاکیہ سے متعلق ہے -

شق آسانی سے مسترد کیجا سکتی ہے۔ مین بتا چکا ہون کہ بارھوین صدی کی طویل مدت تک اس عمارت کے چند شاندار آثار قائم تھے۔ ان آثار کی ٹھیک جگہ اسی طرح نامعلوم ہے جس طرح ان کی غرض و غایت[1] اور اسکے ساتھ ان آثار سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اگر کتبخانہ ان مکانات مین تھا تو انکے ساتھ اسکو بھی باقی رہنا چاہیے تھا تاہم کسیقدر صاف اور بین ثبوت ہمکو ملتا ہے جس سے کتب خانہ کی ٹھیک جگہ معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیون نے کسقدر بربادی ڈھائی، کیونکہ ایک طرف تو ہمارے پاس افطونیس کی شہادت موجود ہے جو چوتھی صدی مین بربادی سے چند سال پہلے سیرایم مین آیا تھا[2]۔ دوسریطرف روفنیس کا ثبوت موجود ہے جو

[1] بنجامن آف ٹوڈیلا کی تحریر نقل کرکے مسٹر جو نتیجہ نکالتا ہے اسکا مین سختی سے مخالف ہون۔ بنجامن کے الفاظ یہ ہین "شہر کے باہر ارسطو کا اسکول ہے جو سکندر کا اتالیق ہے وہ ایک بڑی اور خوشنما عمارت ہے جسکے ہر مدرسہ مین سنگ مرمر کے آراستہ ستون ہین یہان ایسے تقریبًا بیس مدرسے ہین جہان ارسطو کے معلومات سے مستفید ہونے کے لیے دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آتے ہین" اس تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بارھوین صدی مین باقیماندہ خوشنما عمارات مین چند دالان یا کمرے تھے جو ایک سلسلہ ستون سے وابستہ تھے۔ مگر اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ یہ کمرے فلسفہ کے طالبعلمونکے استعمال مین تھے، روایۃً ارسطو کا نام سیرایم کی عمارت کے ساتھ وابستہ ہوگیا تھا۔ اسلیے باقیماندہ عمارت کے ساتھ بھی اسوقت وابستہ تھا جبکہ بنجامن نے اپنی تاریخ لکھی ہے مگر کسیطرح ثابت نہین ہوسکتا کہ باقیماندہ عمارتونمین کوئی خاص عمارت مطالعہ کے لیے وقف تھی اسکا ثابت کرنا قطعی ناممکن ہے کہ انمین کتبخانہ رکھا گیا تھا۔ اسکے علاوہ مین کہہ سکتا ہون بنجامن کا بیان اسکے سابق مصنف سے کوئی تطابق نہین رکھتا۔ وہ مصنف کہتا ہی کہ "سیرایم ایک کھنڈر ہے سوا دیوارون اور ستونون کے اسمین کچھ باقی نہین رہا" اب اصلیت بالکل ظاہر ہوگئی کہ چوتھی صدی مین مندر کا مرکزی حصہ بالکل ملیامیٹ ہوگیا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ بارھوین صدی مین صرف چند ستون کھڑے تھے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جن ستونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہو وہ فصیل کی بیرونی قطار سے متعلق ہین مندر کے متعلق نہین ہین۔

[2] مسٹر ابن تکی کوشش کرتاہے کہ افطونیس کے شہر مین آنے کو ۳۹۱ء مین ثابت کرے مگر خود افطونیس کی تحریر سے جو مشکل آپڑتی ہے اوس سے بچنا مشکل ہے کیونکہ وہ شامی مصنف کہتاہے کہ "مندر کے متعلقات ستونونکے سلسلہ کے ساتھ اندر واقع ہین جن پر کتبخانہ اور طالبعلمون کے استعمال مین ہین اور دوسرا حصہ قدیم دیوتاؤن کی عبادت کیلیے وقف ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افطونیس نے یا تو کافرونکے مندر کی بربادی کے بعد یہ کیفیت لکھی ہے یا عیسائیون نے سیرایس کی خانقاہونکے برباد کرنیکے بعد کافرونکی خانقاہون سے چشم پوشی کی مسٹر آخری پہلو اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہے مگر اسکو صداقت پسند لوگ نہین مان سکتے اور نہ اسمین تائیدی ثبوت ہے، ہیوڈمن کہتاہے کہ جب سیرایم پر قبضہ ہوا اسوقت مصنف کے وقت تک سیرایم عیسائیونکے قبضہ مین رہا۔

بربادی کیوقت وہان موجود تھا اور اسکے بعد اسنے اس واقعہ کو قلم بند کیا ہے، یہ دونون بیانات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہین۔ مگر یہ قابل تعجب ہے کہ افطونیس مندر کے متعلق بالکل خاموش ہے، اور روفینس کو کتب خانہ کے متعلق بالکل سکوت ہے، لیکن یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ افطونیس برخلاف دوسرے مقابات کے جو شہر پناہ پر قائم تھے کتب خانہ کو مندر کے ساتھ وابستہ تبلاتا ہے اور جسوقت وہ وہان آیا تھا کتب خانہ موجود تھا، اور ناظرین مطالعہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے لیکن اگر کتب خانہ مندر کی عمارت کا ایک حصہ تھا تو جسوقت مندر بالکل تباہ ہو گیا تو یہ کہنے کیلیے کہان گنجائش ہے کہ اسکے ساتھ کتب خانہ فنا نہین ہوا مندر پوری طرح سے تباہ ہو گیا، یہانتک کہ بنیادون تک تمام حصہ منہدم ہو گیا۔ یونیس کہتا ہے کہ "عیسائیون نے سیرایم مین تباہی ڈھائی اور اسکے مجسمون پر جنگ کی چونکہ بڑی بڑی چٹانون کا حرکت دینا مشکل تھا اسلیے اسکی بنیادین ویسی ہی چھوڑ دی گیئین"۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے تھیوڈوریٹ کہتا ہے کہ "بتخانے جڑ سے اکھیڑ دیے گئے" سقراط کہتا ہے کہ شہنشاہ کا حکم تھا کہ اسکندریہ مین کافرون کے جسقدر مندر ہین انکو منہدم کر دیا جائے اور تھیوفلس نے سیراپس کے مندر کو منہدم کر دیا اور پھر کہتا ہے کہ مندر تو منہدم کر دیے گئے مگر برنجی مجسمے خانگی ظروف بنانے کے لیے پگھلا دیے گئے۔ یہی مصنف ان پتھرون کے دریافت ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہے جنپر مصری حروف کندہ تھے، اور جو سیراپس کے مندر کے انہدام کے اثنا مین برآمد ہوے۔ سوزومن

سلہ (Sayana) صفحہ (۳۰۱)

سلہ متھریم ایک مندر تھا جہان ایرانی وحشیانہ مراسم ادا ہوتے تھے۔ مگر یہ بات ثابت کرنے کے لیے کوئی مواد نہین ہے کہ وہ قعہ پر تھا شہنشاہ نے اس جگہ کو خاص وقعت دی تھی اور اسکو کلیسا بنا دیا تھا چنانچہ سوزومن ڈیانی سس کے مندر کے متعلق کہتا ہے کہ وہ گرجا کی شکل مین بنایا گیا تھا،

سیاحت کی اور مدت تک وہان رہے۔ انکی کتابون مین خانگی کتب خانون کا کچھ تذکرہ تو ہے مگر ان بڑے کتب خانون کے متعلق انمین کسی بات کی تلاش کرنا بیکار ہے۔ دو صدیان اسیطرح گذر گئین اور کسی مورخ نے اسکے متعلق کچھ نہین لکھا۔ یہانتک کہ یہ مدت جان مالکس اور سوفرونیس پر ختم ہوگئی۔ انھون نے بھی کوئی تذکرہ نہین کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عرب اسکندریہ مین داخل ہوئے ہین اسوقت وہان کوئی بڑا پبلک کتب خانہ موجود نہین تھا،

ایک یا دو امور اور غور طلب باقی ہین۔ تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلو کہ تذکرہ بالا بحث سیراپیم کے کتب خانہ کے نظریہ کو نہین توڑ سکتی اور یہ بھی فرض کرلو کہ عرب جب اسکندریہ مین داخل ہوئے ہین اسوقت کتب خانہ جون کا تون قائم تھا۔ باوجود اسکے مین ثابت کرسکتا ہون کہ عربون سے اسکا تباہ ہونا قطعی ناممکن ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ چونکہ عرب اسکندریہ فتح ہونے کے گیارہ مہینے بعد شہر مین داخل ہوئے اور اطاعت کے عہدنامہ مین واضح طور پر اس امر کا تصفیہ مندرج کیا گیا کہ اس وقفہ مین رومی نہ صرف شہر چھوڑ کر چلے جاسکتے ہین بلکہ اپنی منقولہ جائداد اور قیمتی چیزونکو بھی اپنے ساتھ لیجاسکتے ہین۔ اس عرصہ مین سمندر مین کوئی روک ٹوک نہین تھی، قسطنطنیہ اور دیگر بندرگاہون کے راستہ مین کوئی رکاوٹ نہ تھی اگر اسوقت سیراپیم کا کتب خانہ موجود ہوتا تو کتابونکی صرف بازاری قیمت بھی بے انتہا ہوتی۔ بیسیون آدمی جنھین علم کا ذوق ہوتا انکی بیحد قدر کرتے اور یہ علم دوست لوگ کیون ان کتابونکو ریگستانی سپاہیون کی جہالت کے نذر کرتے جنکے حوالے شہر ہورہا تھا۔ بلکہ وہ ان بیش بہا خزانونکو اپنے یہان لیجاتے اور اُسکے لیے انکے پاس خاصہ موقع تھا۔ اور اسطرح وہ جان فلاڈونس کی علمی ذوق کی بے بنیاد شہرت پہلے ہی سے خود حاصل کرلیتے۔

اخیر مین یہ کہنا باقی ہے کہ پانچوین یا چھٹی صدی کے مصنفین نے، کتب خانہ کے متعلق جو

سکوت اختیار کیا ہے وہ فتح کے بعد بھی اسیطرح باقی رہتا ہے۔ ساتوین یا آٹھوین صدی مین مصر مین کوئی عرب مورخ نہین گذرا۔ یہ اعتراض ہونا ممکن ہے کہ بعد کے مورخین نے کتب خانہ کی آتشزدگی کو چھپانے کی کوشش کی ہو لیکن یہ قبطی پادری جان آف نیکیو کے متعلق نہین کہا جا سکتا، کیونکہ وہ ایک عالم شخص تھا اور اسکی تصنیف ساتوین صدی کے اختتام کے پہلے کی ہے اسکی تصنیف کی ضخامت اور شرح وبسط ثابت کرتی ہے کہ فتح اسکندریہ کے پچاس سال بعد کے جتنے ماخذ تھے وہ ان سب سے واقف تھا ابوالفرج خود جسنے یہ الزام لگایا ہے ثابت کرتا ہے کہ ۳۰ہ۶ء مین اسکندریہ طالب علمون کا مسکن تھا کیونکہ جیمس آف اڈلیسہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ "وہ یونانی زبان کی مکمل تعلیم حاصل کرنے اور شام کی خانقاہ مین انجیل کا مطالعہ کرنے کے بعد اس غرض سے اسکندریہ آیا تھا کہ اپنے علم کی تکمیل کرے"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چند خانگی اور خانقاہونکے کتب خانے جسطرح فتح کے پہلے تھے اسیطرح بعد بھی قائم رہے اگر فتح اسکندریہ سے پہلے کوئی بڑا پبلک کتبخانہ رہتا اور عرب اسکو اثنائے فتح مین جلائے ہوتے تو یہ ممکن نہین ہے کہ جان آف نیکو جو تقریبًا اسی زمانہ کا مصنف تھا اور اسکندریہ کے قبضہ کے متعلق ذری ذری بات بھی نہین چھوڑتا ایسے واقعہ کو فراموش کر جاتا جس سے نہ صرف اسکی تاریخ بہترین مواد سے محروم رہتی بلکہ علمی دنیا ہمیشہ کے لیے ایسے عظیم الشان ذخیرہ اور قیمتی خزانہ سے جدا ہوگئی

اب اس تمام بحث کو اختصار کے طور پر دہرانا نامناسب نہ ہوگا جس قصہ کی بنا پر عرب کتب خانۂ اسکندریہ کی آتشزدگی کے ملزم ٹھہرائے جاتے ہین اسکی سچائی اور جھوٹ کے چہرہ سے پردہ اُٹھانا مقصود تھا۔ اس مسئلہ پر مین نے حسب ذیل مدات مین بحث کی ہے،

(۱) جس واقعہ کے متعلق وہ قصہ ہے اسکے ظہور پذیر ہونے کے پانسو سال سے بھی بہت

بعد لکھا گیا ہے،

(۲) جب اس قصہ کی تفصیل کی چھان بین کیجاتی ہے تو محض لغویات کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے،

(۳) اس قصہ مین جو شخص سب سے پہلے اہم حصہ لیتا ہے وہ جان فلافونس ہے (یحی النحوی) جو مسلمانونکے مصر پر حملہ آور ہونے سے بہت پہلے مرچکا تھا،

(۴) ان دو بڑے کتب خانون مین سے جنکی طرف قصہ کا روئے سخن ہے ایک نمائش گاہ کا کتب خانہ ہے جو جولیس سیزر کی آتشزدگی کے نذر ہوا یا اگر اسوقت نہین تو ایسے وقت جلا ہوگا جو عربون کی فتح سے چار سو سال سے قبل ہونا ضروری ہے۔ دوسرا سیر ایپم کا کتب خانہ ہے جو یا تو ۳۹۱ء سے پہلے ہی منتقل کر دیا گیا یا اسوقت منتشر کر دیا گیا یا برباد کر دیا گیا۔ اسلیے وہ کتب خانہ ہر حالت مین عربون کی فتح سے ڈہائی صدی پہلے ہی سے غائب تھا۔

(۵) پانچوین چھٹی صدی اور اوائل ساتوین صدی کی تاریخون مین کسی کتب خانہ کے وجود کا تذکرہ نہین پایا جاتا،

(۶) اگر اسوقت جبکہ سیرس نے اطاعت اسکندریہ کے متعلق سر تسلیم خم کیا تھا کوئی کتب خانہ موجود رہتا تو کتابونکا منتقل ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ اس عہدنامہ پر اس امر کی اجازت تھی کہ لوگ اپنے ساتھ قیمتی چیزین لیجا سکتے ہین اور عہدنامہ پر دستخط ہوئے اور عربونکے عملی طور سے شہر مین داخل ہونے کے درمیان گیارہ مہینہ کا وقفہ عارضی صلح کا گذرا ہے،

(۷) اور اگر وہ کتب خانہ منتقل کر دیا جاتا یا برباد کر دیا جاتا تو اس وقت کے مورخ خصوصاً جان آف نیکیو جیسا عالم کبھی اسکے غائب ہونے کو اس سکوت کے عالم مین نہین چھوڑ جاتا۔ اس تمام بحث سے جو نتیجہ نکلتا ہے اب اسمین مزید شبہہ کی گنجائش

نہین ہے۔ ریناڈٹ کا شبہہ اور گبن کا انکار کلی بلا وجہ نہین ہو سکتا۔ ہر شخص بہ آواز بلند یہ کہہ سکتا ہے کہ ابو الفرج کی حکایت بالکل جھوٹی ہے جو کسی تاریخی بنیاد پر نہین قائم کی گئی۔[1]

---

[1] اس بحث سے میرا مقصود عربون کی حمایت نہین ہے بلکہ اصلیت کا اظہار ہے۔ حمایت کی کوئی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔ اگر اسکی ضرورت ہے تو یہ کام معذرت کے پیرایہ مین بخوبی انجام دیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ عربون نے بعد مین یونانی اور رومی کتابون کا جو انہین دستیاب ہوئین ایک خاصہ ذخیرہ جمع کیا تھا۔ اور انہین قدردانی سے رکھا اور اکثرون کا ترجمہ کر ڈالا۔ حقیقت مین اسطرح انھون نے ایک مثال قائم کی ہے جسکی موجودہ فاتحون کو تقلید کرنی چاہیئے۔ سیڈیو اپنی فرانسیسی کتاب مین بیان کرتا ہے کہ جب "فرانسیسون نے افریقہ مین شہر کانسٹنٹین کو فتح کیا تمام کتابونکو جو انہین ہاتھ لگین، جلا دیا جب انگریزون نے سیگڈالا فتح کیا وہان انہین حبشی کتابون کا ایک بڑا کتب خانہ ملا جسکو وہ لے گئے لیکن بہت بڑا حصہ اسکا وہین راستہ کے ایک جانب گرجا مین چھوڑ گئے۔ کیونکہ انکی نقل و حرکت دشوار تھی اور ساتھ لیجانے کے لیے جن کتابون کا انتخاب ہوا وہ بالکل اٹکل پچو ہوا۔ مگر باقی ماندہ کتابونکی اہمیت سے ان تمام علمی کتابونکا اندازہ ہو سکتا ہے جو چھوڑ دی گئین اور جن سے علمی دنیا محروم ہو گئی۔ اور انگریزی نمائش گاہ جان آف ٹیکو کے ان علمی خزانون مین صرف ایک خزانہ ہے جو اس افراتفری کے عالم مین بچا لیا گیا،

تلخیص و تبصرے

حکمائے اسلام

ایک فرنچ مستشرق نے پانچ ضخیم جلدون مین تاریخ حکماء اسلام مرتب کرنے کا قصد ظاہر کیا ہے جسکی دو جلدین حال مین شائع بھی ہوگئی ہین۔ بمبئی کے پارسی فاضل جی کے نسریمان نے کرانیکل (بمبئی) کے صفحات مین انپر اپنا تبصرہ شائع کیا ہے، جسکا ملخص ترجمہ یہان درج کیا جاتا ہے

فرانس نے حال مین اسلام و نظامات اسلام سے اپنی مناسبت و دلچسپی کے چند نمایان ثبوت دیے ہین۔ چنانچہ پیرس مین جو مسجد تعمیر ہوئی ہے، اور اسکے اردگرد جو تعلیمی عمارتین تیار ہورہی ہین، ممکن ہے کہ عمق تعلیم و تحقیق کے لحاظ سے انکا نمبر قاہرہ کی نہایت قدیم جامع ازہر سے کہین آگے بڑھجائے۔ اختتام جنگ کے بعد سے فرانس و جرمنی کے درمیان، ٹرکی اور اسکی تہذیب کی تفہیم کی بابت مقابلہ و مسابقہ تیزی سے جاری ہے،

علماء فرانس مین بیرن کارا ڈی وو نے پانچ جلدون مین تاریخ حکماء اسلام تحریر کرنیکا تہیہ کیا ہے۔ بیرن موصوف اس سے پیشتر غزالی و ابن سینا پر تصانیف شائع کرچکے ہین، نیز بعض تالیفات مسعودی کا ترجمہ۔ "حکماء اسلام" کی ابتدائی دو جلدین اسوقت پیش نظر ہین، پہلی جلد کی تیاری مین مصنف کی قوت انتخاب و استقصار پر انتہائی بار پڑا ہوگا۔ اس جلد کے موضوع سے متعلق معلومات کا انبار عظیم موجود تھا، اس دفتر بیکران سے چار سو صفحات سے کم ضخامت کی دلچسپ و پُرلطف

کتاب تیار کرنا ایک فاضل اجل ہی کا کام ہوسکتا ہے، اس مین پہلے جن شاہان اسلام کا مختصر تذکرہ آیا ہے، انکی فہرست مین خلفاء عظام مثلاً منصور، ہارون، مامون، صلاح الدین وغیرہ شامل ہین، نیز ہلاکو، قاطع خلافت عباسیہ اسکے بعد متاخرین شاہان اسلام کا تذکرہ ہے، مثلاً محمد ثانی، وسلطان سلیمان، تیمور و معاصر سلاطین ہند، محمود غزنوی، بابر (صاحب تزک بابری) اکبر اعظم، جہانگیر (صاحب تزک جہانگیری) شاہ عباس اعظم و نادر جنگ ایرانی۔ تاریخ عرب، ایران، ٹرکی نیز عام سیاسیات اسلامیہ کے متعلق ابواب، جن بیش بہا ذخائر تاریخی سے پُر ہین، انکے مطالعہ کے بعد یقین نہین آتا، کہ کوئی انسان تن تنہا، آیندہ مجلدات مین اس بلند سطح کو قائم رکھ سکیگا،

ان اوراق مین اہل عرب وایران کا مشترک بیان ہے، آگے چلکر ترکون کا بھی بیان شامل ہوگیا ہے، وہ ترک جو ذرا الگ تھلگ سے اور زیادہ محرور المزاج ہین، اسی تمدن کے وارث لیکن مغرب کی ہمسائگی سے کافی متاثر۔ قدیم تاریخون مین طبری کے لیے صرف چند صفحات نکل سکے، اور اتنے مین ظاہر ہے کہ اسکے تذکرہ کا حق کیونکر ادا ہوسکتا تھا۔ بیرن موصوف نے طبری کے تذکرۂ نوشیروان زرنشین شاہ ایران پر خاص توجہ دلائی ہے، جو مسلمانون کی نظر مین سلطان عادل کا مجسمہ ہے، مسعودی اسوقت اپنے معاصرین سے زیادہ معروف ہوچکا ہے، سب سے زیادہ خوش آیند وجدید معلومات مسکویہ سے متعلق مندرج ہین، جو نسبًا پارسی اور مذہبًا مسلمان تھا، اس نے عقلیت مین اتنی ترقی کرلی تھی، کہ معجزات رسول مین تاریخی حیثیت سے شک کرنے لگا تھا، اسکی زبان تصنیف عربی تھی لیکن اسکی عربی، فارسی کی ملکی اصطلاحات سے ایسی محفوظ و ممتزج نہین، جیسے موجودہ ہند کے انگریزی مُورخ کو مجبورًا اُن ہندوستانی مصطلحات سے کام لینا پڑتا ہے، جو انگریزی مین جذب ہوگئی ہین۔ مسکویہ صاحب فکر وصاحب عمل دونون تھا، اس کی تاریخ کے صفحات مین بغداد قدیم زندہ وقائم معلوم ہوتا ہے، دوسرے عرب مورخین مین ابن اثیر

ابوالفدا، مقریزی مصری، اور مقری مورخ اندلس سے پورا تعارف کرایا گیا ہے،

آخری باب مین، جو افسانہ وقصص سے متعلق ہے، الف لیلہ پر ایک محققانہ تبصرہ ہے مصنف ان لوگون کا ہم خیال نہین، جو اس قصہ کو ہندی الاصل بتاتے ہین، بعض مورخین اسکا ماخذ فارسی زبان کو بتاتے ہین۔ ایک اور جماعت جس مین لیڈن کے پروفیسر ڈی گوجی جیسے محقق شامل ہین، خاتون شہرزاد کو انجیل کی خاتون اسطر کے مرادف قرار دیتی ہے، طبری کے نزدیک یہ خاتون شاہ فارس بہمن بن اسفندیار کی والدہ تھی۔ ایک اور مورخ کے خیال مین اسکا اصلی فارسی نام دنیازاد تھا۔ ہمارے مصنف کی تحقیق ان سب سے جداگانہ ہے، اسکے خیال مین الف لیلہ مین افسانہ جس نوعیت کے ہین، ان سے جو اخلاقی نتایج پیدا کیے گئے ہین، ان مین جس قسم کی تعلیمات دی گئی ہین، ان سب کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اسکا اصلی مولد سرزمین یونان ہے، اور وہان سے یہ قصہ ساسانی ایران کی وساطت سے عرب مین منتقل ہوکر آیا ہے، مصنف نے، جن دلائل کی بنا پر عام متشرقین کے اس خیال سے کہ کلیلہ دمنہ کا ماخذ سنسکرت کا پاپخ تنتر ہے، اختلاف کیا ہے، قابل دید ہین،

مصنف ساری کتاب مین جابجا اسی قسم کے مجتہدانہ خیالات ظاہر کرتا ہے، اور اپنے نظریات مین منفرد معلوم ہوتا ہے، لیکن انکی بنیاد ہمیشہ دلائل قوی پر اور بیشتر اون معلومات نادرہ پر رکھی ہے، جو اول بار منظر عام پر لائے گئے ہین، مشہور ونامور ادیب جاحظ بصری، اور اسکے بعض خطبات کی مصنف نے جس انداز سے داد دی ہے، اسے دیکھکر بہت ممکن ہے کہ ہندوستان کے شایقین علم کم ازکم ان خطبات کے انگریزی تراجم کے نادیدہ مشتاق بنجائین،

جاحظ کے سلسلہ مین اسکی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے، کہ اس نے اپنی زندگی مین اکثر اپنی تالیفات عالیہ کو بجائے اپنے، کسی قدیم و مسلم الثبوت فاضل کے نام کردیا تھا، تاکہ جو لوگ حکمت

وادب، فضل وکمال کو صرف قدماء واساتذہ مسلّم کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہین، ان مین انہین مقبولیت حاصل ہوسکے،

کتاب، زمانہ وسطیٰ کے تمدن کے مطالعہ کے لیے ناگزیر سی ہے، اور بعد تکمیل یقیناً بکل ڈیکی کی تصانیف کے ہم پلہ رکھی جاسکے گی، جنھون نے تقریباً اسی زمانہ کے مسیحی تمدن کی تاریخین مرتب کی ہین،

دار الفنون مشرقیہ (لندن) کے پنجسالہ کارنامے

لندن کے دار الفنون مشرقیہ (اسکول آف اورنیٹل اسٹڈیز) مین خواندگی کا کام اگرچہ نومبر ۱۹۱۶ء ہی سے شروع ہوگیا تھا، تاہم اسکا باضابطہ افتتاح ملک معظم کے ہاتھ سے ۲۳- فروری ۱۹۱۷ء کو ہوا، مشرقی زبانون کی تحصیل کو انگلستان مین جو کچھ بھی مقبولیت ہورہی ہے، وہ اسی مدرسہ کے باعث سے، لندن یونیورسٹی مین عربی وفارسی زبانین نصاب درس مین سالہاسال سے داخل ہین، لیکن طلبہ کی توجہ انکی جانب شاذ ونادر رہی ہے، برخلاف اسکے اس جدید دار الفنون مین بکثرت طلبہ یہ زبانین لینے لگے ہین،

اب تک ۱۵۰۰ طلبہ اس اسکول سے فارغ ہوکر نکل چکے ہین، ۱۹۲۰ء مین ۵۳۹ طلبہ زیر تعلیم تھے اس جماعت مین ہر طبقہ، ہر مذاق، اور ہر پیشہ کے افراد شامل ہین، افسران فوج، عہدہ داران بحری، حکام ملکی، اہل تجارت، گریجویٹ طلبہ، وقس علیٰ ہذا، شروع شروع اسکا نصاب زیادہ تر عملی ضروریات یعنی گفتگو مین سہولت پیدا کرانے سے متعلق رہا، لیکن اب رفتہ رفتہ اسے علم وفن کا بھی مرکز بنایا جارہا ہے، اور کوشش یہ ہے کہ کچھ عرصہ مین اسکا مشرقی کتب خانہ یورپ بھر مین بہترین ہوجائے،

تعلیم کا طریقہ عموماً یہ ہے، کہ ہر مشرقی زبان کے لیے دو اساتذہ ہوتے ہین ایک یوروپین اور ایک ایسا شخص جس کی وہ مادری زبان ہے، یوروپین استاد مغربی طلبہ کی مشکلات کو پوری طرح

سمجھ سکتا ہے، اور وہی انہین اس زبان کی سرشت، ترکیب، واصولی قواعد سمجھاتا ہے، اور وہ دوسری زبانون سے اسکا موازنہ کراتا رہتا ہے۔ دوسرا استاد تلفظ اور زبان کے روزمرہ کی تعلیم دیتا ہے،

نصاب مین صرف زبانین ہی داخل نہین، بلکہ مختلف اقوام عالم کی تاریخ، ادب، مذہب، معاشرت وغیرہ سے متعلق معلومات بھی شامل ہین۔ چنانچہ اب تک متعدد لکچر اسلام، ہندو مذہب، و بودھ مذہب پر، نیز مختلف قبائل کی تاریخ و معاشرت وغیرہ پر دیے جاچکے ہین،

نصاب السنہ و علوم ملاکر اسوقت، ۵ مضامین کی تعلیم ہوئی ہے، جن مین سے قابل الذکر عنوانات یہ ہین،

۱۔ عربی، عبرانی، آرمینی، آسامی، بنگالی، پنجابی، گجراتی، مرہٹی، فارسی، اردو، ہندی، تامل، ٹیلیگو، کناڑی، تبتی، گورمکھی، سنسکرت، سنگھالی، پالی، دڑاوڑی، جاپانی، چینی، ملائی، ترکی، وکشمیری زبانین،

۲۔ تاریخ۔

۳۔ قانون ہند۔

۴۔ اصول لسانیات و تلفظ،

ابتک پبلک لکچر جسقدر اس مدرسہ کے زیر اہتمام ہوچکے ہین، انکی تعداد صدہا تک پہنچ چکی ہے، ذیل مین ایک مختصر اقتباس بعض عنوانات کا مع لکچر دینے والے حکمار کے اسمار کے درج کیا جاتا ہے، جس سے دار الفنون کے وسیع دایرۂ نظر کا اندازہ ہوسکیگا،

(الف) شعبۂ متفرق۔

(۱) مذاہب ہندوچین، دونون کا موازنہ — ڈاکٹر ڈیوڈس

(۲) مرتبۂ بودھ تک پہنچنے کا طریقہ — پروفیسر یورسن

(۳) ہندوستان کا ہندو تمدن	ڈاکٹر بارنٹ
(۴) عراق عرب	مسٹر کیمبل ٹامسن
(۵) ایشیا کے فنون لطیفہ	مسٹر لارنس بنیون
(ب) شعبۂ ہند	
(۱) ہندوستان قدیم	ڈاکٹر بارنٹ
(۲) شیکسپیر کے ڈرامے ہندوستانی اسٹیج پر	مسٹر عبداللہ یوسف علی
(۳) ہندوستانی زبان کی اہمیت	"
(۴) بنگالی زبان کے ناول	ڈاکٹر اینڈرسن
(۵) راماین	مسٹر اس۔جی۔کانیر
(۶) گجرات عہد اکبری میں	مسٹر ڈینیسن راس
(ج) شعبۂ مشرق بعیدہ	
(۱) ملایا	مسٹر بلیجن
(۲) کوریا کے بدھ معابد	مس ہلڈا بادسر
(۳) چینی ناول	ڈاکٹر ریس
(۴) چینی فلسفہ	مسٹر جیم
(۵) جاپانی شاخ بدھ ازم کے اصول فلسفیانہ	مسٹر میک گورن
(۶) کوریا کی فراموش شدہ سلطنت	مسٹر بوتر
(د) شعبۂ مشرق قریبہ	
(۱) عربی زبان کی تحصیل	پروفیسر سر ڈبلو آرنلڈ

(۲) عربی بطور مذہبی زبان کے	خواجہ کمال الدین
(۳) ترکی لٹریچر	ڈاکٹر ایڈورڈس
(۴) مساجد قاہرہ	شیخ عبدالرزاق
(۵) اسلام اور اخلاق بین الاقوامی	مسٹر سیفی
(۶) مذہب بہائی	مسٹر احمد صفوت

(۵) شعبۂ متعلق بہ افریقہ

(۱) جغرافیہ وتاریخ افریقہ مشرقی	پروفیسر اے ایس ورنر
(۲) افریقہ قبل ۱۵۰۰ء کے	"
(۳) معراج پیمبر کے متعلق ایک سواحلی نظم	"
(۴) مشرقی افریقہ مین اسلامی ادب وروایات	"
(۵) ساحل سواحلی	"
(۶) جانوزبانین	"

دارالفنون کے افسر اعلی سر ڈینیسن راس ہین، جو دس سال کی مدت تک مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے صدر رہ چکے ہین، اور دارالفنون کو ابتک جتنی کامیابیان ہوئی ہین، ان مین ایک بڑی حد تک انہین کی سرگرمیون کو دخل ہے،

(ایشیاٹک ریویو)

اخبار علمیہ

جاپان مین ایک روزنامہ کی اشاعت ۷ لاکھ روزانہ کی ہے، چین کے کسی اخبار کی ۱۰ ہزار سے زائد نہین۔ ہندوستان کے بھی سب سے زیادہ کثیر الاشاعت پرچون کی، خواہ وہ انگریزون کے ہاتھ مین ہون یا ہندوستان، خریدارون کی تعداد ۵۰ ہزار کے اندر رہی ہے، (ماڈرن ریویو)

جاپان مین بچون کے مخصوص ماہوار رسائل کی تعداد چھ اور عورتون کے مخصوص ماہوار رسائل کی تعداد گیارہ ہے، اور یہ سب کے سب کثیر الاشاعت ہین، (ایضاً)

ماہ جون مین رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن کا جو سالانہ جلسہ منعقد ہوا، اس مین لارڈ رے متوفی کی جگہ پر لارڈ شامرز کا انتخاب عہدۂ صدارت پر عمل مین آیا، اور پیرس کی سوسائٹی ایشیاٹک کی جو صد سالہ سالگرہ ماہ جولائی کے دوسرے ہفتہ مین منائی گئی ہوگی، اس مین شرکت کے لیے چھ نایندون کا انتخاب ہوا، لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی عمر اپنے فریخ معاصر سے صرف ایک سال کم ہے، اسلیے آیندہ سال اسکی بھی صد سالہ سالگرہ منائی جائیگی، ایک کمیٹی کے زیر ادارت جسکے صدر پروفیسر مارگولیس ہین، دو سو صفحہ کی ایک مختصر کتاب اسوقت مرتب ہو رہی ہے، جسمین سوسائٹی مذکور کی اجمالی تاریخ کے علاوہ ابتک جتنے مضامین و مقالات اسکے جرائد و رسائل مین شائع ہوتے رہے ہین، انکے عنوانات اور مضمون نگارون کی فہرست درج ہوگی، اس وقت سوسائٹی کی جانب سے مفصلۂ ذیل تین کتابون کے مترجم اڈیشن مع اضافۂ حواشی، مقدمہ وغیرہ کے

عنقریب شائع ہونے والے ہین،

الاساطیر ڈاکٹر کاسٹر

ہشت بہشت پروفیسر مارگولیس

نشور المحاضرہ "

(ٹائمس لٹریری سپلیمنٹ)

سین فرانسکو (امریکہ) کے ایک ڈاکٹر ابرٹ ابرمس نے دعوی کیا ہے، کہ انھون نے ایک طریقہ ایسا دریافت کیا ہے، جس سے وہ کسی شخص کا محض خط دیکھ کر بتا سکتے ہین کہ وہ مرد ہے یا عورت نیز یہ کہ اسکا سن کیا ہے، اور اسے مرض کیا ہے، لیورپول (انگلستان) کے مشہور ماہر فن سر جیمس بار نے بھی رسالہ برٹش مڈیکل جرنل مین ایک مُراسلہ کے ذریعہ سے، اپنے ذاتی تجربات کی بناء پر اس دعوی کی تائید کی ہے، (ڈیلی میل)

مسٹر آرتھر لنچ، جنکے مضامین مسائل نفسیات پر اکثر شائع ہوتے رہتے ہین، ایک تازہ مضمون مین تحریر کرتے ہین، کہ خواب دیکھنے مین عموماً بہت ہی قلیل وقت لگتا ہے، اور اتنی مدت مین آدمی بہت کچھ دیکھ ڈالتا ہے، یہان تک کہ ایسے واقعات بھی جنکا ارتکاب اگر بحالت بیداری کیا جائے، تو سالہا سال کی مدت درکار ہوگی۔ مین ایک بار سو رہا تھا کہ ٹہرگھڑی مین نو بجنا شروع ہوئے پہلی آواز سے مین جاگا، مگر معًا سو گیا، اور ایک بڑا طویل خواب دیکھا، مگر جونہی یہ خواب ختم ہوا، نو بجنے کی آخری آواز گھڑی سے آرہی تھی، ایک فرنچ فلسفی نے، جو خوابون کے متعلق تجربات کرتا رہتا تھا، ایک بار یہ خواب دیکھا، کہ پیرس مین اس نے ایک قتل کیا، بھاگ کر لندن پہونچا، پھر

جہاز پر سوار ہوا، طویل بحری مسافت طے کرکے نیویارک (امریکہ) پہنچا، پولیس کو دیکھ کر بھاگا، شہر شکاگو مین جاکر چھپا، پولیس نے یہان بھی سراغ لگا لیا، یہان سے بھاگ کر سین فرانسکو مین دم لیا، پھر اسباب مین چھپ کر جاپان پہنچا، یہان گرفتار ہوا، شہر یوکوہاما مین مقدمہ ہوا، سزاے موت کا حکم سُنا، تب آنکھ کھُلی، اور اس ساری مدت مین صرف چند سکنڈ طرف ہوئے۔ (ڈیلی میل)

ماہ گذشتہ مین علماے فلکیات، سیارۂ مریخ کے مشاہدہ و مطالعہ مین خاص طور پر مصروف رہے ہے، اسلیے کہ اس طرف کچھ عرصہ سے یہ سیارہ کرۂ ارض کی طرف نہایت سرعت سے یعنی کوئی دس لاکھ میل فی یوم کی شرح رفتار سے بڑھتا آرہا تھا، اور ۱۰ جون کو بہت ہی قریب آگیا تھا، اگرچہ اُسوقت بھی اسکا فاصلہ ہم سے بہ قدر چار کروڑ ڈہائی لاکھ میل کے باقی رہ گیا تھا، اسکا رنگ ہمیشہ سے سُرخ و آتشین رہا ہے، اِسوقت اسکی سُرخی و آتش رنگی اور بڑھی ہوئی ہے، یورپ اور امریکہ کے رصدخانون مین بیسیون علما رفن نے اسکے مشاہدہ و معائنہ سے متعلق خاص اہتمامات کیے تھے، اُمید ہے کہ اسکی سطح پر حیات حیوانی کے وجود کا مسئلہ، نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی پہلو سے اِسوقت ضرور طے ہوگیا ہوگا (ایضاً)

مریخ و ارض کی درمیانی مسافت، جو کبھی بھی اقل ترین مقدار تک پہنچ سکتی ہے اس کی تاریخ وقوع ۲۲ اگست ۱۹۲۴ء ہوگی۔ اُسوقت مریخ کرۂ ارض سے اسقدر قریب ہوجائیگا، کہ اس سے زیادہ قربت کا کبھی بھی امکان نہین، باانیہمہ اِسوقت بھی یہ فاصلہ ۳ کروڑ $\frac{1}{2}$ ۴ لاکھ میل کا رہیگا۔

ہاتھی کا اوسط عمر سو سال سے زائد ہے۔ اپنے پورے شباب پر چالیس برس کے بعد پہنچتا ہے باوجود اسقدر جسیم اور بھاری بھر کم ہونے کے اسکی شرح رفتار ۱۵ میل فی گھنٹہ ہو سکتی ہے، اور

دس میل فی گھنٹہ کی شرح سے تو دور تک دوڑ سکتا ہے، ڈارون نے تخمینہ کیا تھا، کہ اگر سلسلہ توالد وتناسل مین کوئی خارجی مداخلت نہ کی گئی، تو ساڑھے سات سو برس کے عرصہ مین صرف ایک جوڑے سے سطح زمین پر ایک کرور نوے لاکھ ہاتھی موجود ہو سکینگے،

امریکن فلوسافیکل سوسائٹی کے تازہ اجلاس کے سامنے زمین کی عمر کا مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ پیش ہوا، اور مختلف علماء کی جانب سے سرگرم مباحثہ رہا۔ کسی ایک نتیجہ پر سب کا اتفاق نہ ہوسکا، تاہم جو نتائج قابل وقعت سمجھے گئے، اُنکے لحاظ سے زمین کی مدت عمر درمیان ۰۰۰,۰۰۰,۵۵ سال اور ۰۰۰,۰۰۰,۷۰,۱ سال کی ہے،

یونیورسٹی آف کالیفورنیا (امریکہ) کے صیغۂ تعلیمات کے ایک افسر نے حال مین ایک عجیب آلہ "بوسہ پیما" کے نام سے ایجاد کیا ہے، جسکے ذریعہ سے بوسہ کی پیمایش ہوسکے گی یعنی جس جوش، شوق، وگرمجوشی کے ساتھ بوسہ لیا گیا ہے، اُسکی کمیت ومقدار کا اندازہ ہوسکیگا،

کوہ ایورسٹ کی پیمایش وتحقیقات متعلقہ کے لیے جو سائنٹفک وفد آیا ہوا ہے، اُسکے کام کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے باہر دنیا کا جو بلند ترین قلۂ کوہ ہے، اُسکی بلندی بھی ۲۳۰۰۰ فٹ سے زائد نہین۔ برخلاف اسکے سلسلۂ کوہستان ہمالہ مین اسّی سے زائد چوٹیان ایسی ہین، جنکی بلندی ۲۴۰۰۰ فٹ سے اوپر ہے، بیس ایسی ہین، جو ۲۶۰۰۰ فٹ سے اوپر ہین اچھ ایسی ہین جو ۲۷۰۰۰ فٹ سے اوپر ہین، اور خود ایورسٹ کی بلندی ۲۹۱۴۱ فٹ کی ہے،

ایک فرنچ مکتشف مسیو بیلن نے ایک آلہ ایسا ایجاد کیا ہے، جس سے فوٹو گرافون کو بذریعہ تار، ٹیلیفون، اور لاسلکی کے بھیجدینا ممکن ہوگا، جرائم پیشہ ملقون مین ایک دہشت پھیل گئی ہے، کہ اب چھپنا دشوار ہوجائیگا،

برلن (جرمنی) مین چند روز ہوئے پروشین اسٹیٹ لائبریری کے زیر اہتمام آوازون کا عجائب خانہ قائم ہوا ہے، جس مین ہر ملک وقوم کے مشاہیر زمانہ کی آوازین گراموفون کے ریکارڈون مین بھر کر محفوظ رکھی جائین گی، اسکے ڈائرکٹر پروفیسر ولیم ڈویگر کا دعویٰ ہے کہ حال مین بعض ایسے کیمیاوی مرکبات تیار ہوگئے ہین، جو ان ریکارڈون کو کم از کم دس ہزار سال تک محفوظ رکھینگے، اس عجائب خانہ کا دروازہ اگرچہ تمام ممالک واقوام کے مشاہیر کے لیے کھلا ہوا ہے، لیکن عملاً ابتک صرف ایک ہی غیر جرمن کی آواز اس خزانہ مین داخل کی گئی ہے، اور وہ ہمارا ہی ہموطن رابندر ناتھ ٹیگور ہے،

مسٹر والٹر ایوانس، جو انگلستان کے ایک کہنہ مشق صحافی تھے، ۲۰ برس کی مستقل مشغولیت کے بعد حال مین پبلک زندگی سے سبکدوش ہوکر پنشن پر چلے گئے ہین، روزنامۂ ایوننگ نیوز کے مدتون وہ چیف ایڈیٹر رہے، اور ایسوشی ایٹڈ نیوز پیپرس کمپنی کے ڈائرکٹر رہے، جسکی ملکیت مین ڈیلی میل، ایوننگ نیوز، ویکلی ڈسپیچ، وغیرہ نکلتے ہین۔ انکی الوداعی ضیافت کے موقع پر ان تمام اخبارات کے انتظامی وادارتی صیغون کے اعلیٰ عہدہ دارون نے شرکت کی، اور لارڈ نارتھ کلف، جلسہ کے صدر قرار پائے، لارڈ موصوف نے اپنی طرف سے ایک طلائی گھڑی کا تحفہ دیا، سر اینڈ ورڈ ہیرونے اخبار ایوننگ نیوز کی جانب سے ۱۰ ہزار پونڈ (۱½ لاکھ روپیہ) کی معقول رقم

رقم پیش کی، اور کمپنی کے ڈائرکٹرون نے دس سال کے لیے ڈہائی ہزار پونڈ سالانہ پنشن کی منظوری دی۔ اور اسکے بعد بھی انکی زندگی تک ایک ہزار پونڈ سالانہ کی پنشن ملتی رہے گی،

اُلّو عام طور پر بہت حلیم و بے ضرر پرندہ سمجھا جاتا ہے، جس سے بجز منحوسیت کے، اور کسی قسم کا خطرہ نہین، لیکن کچھ روز ہوے، جب برطانیہ کے شہر گلوسٹر مین ایک کاشتکار نے درخت پر چڑہکر اسکے انڈے نکالنا چاہے، تو اُلو اور اُلّن (نر و مادہ) نے ملکر اسپر اس سختی سے حملہ کیا، کہ بیچارے کی ایک آنکھ باہر نکل پڑی، اور دوسری بھی پھوٹتے پھوٹتے بچ گئی،

مفصل و ضخیم تاریخ ہند، جو کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے نام سے کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہونے والی تھی، اور جسکا ذکر معارف مین پیشتر آچکا ہے، اسکی جلد اول ماہ گزشتہ مین شائع ہوگئی۔ کتاب ۳۱۔ ابواب پر مشتمل ہے، اور اسکی تحریر مین متعدد انگریز و امریکی ماہرین فن شریک ہین، ترتیب و ادارت کے عام فرائض پروفیسر ریپسن نے انجام دیے ہین، نقشہ بہ کثرت دیے گئے ہین۔ اور مختلف سکّون کے عکس خاص طور پر قابل قدر ہین۔ یہ سکہ یونان، باختر، وغیرہ کے اُن قدیم فرمانرواؤن کے ہین، جو شروع شروع ہندوستان پر حاکم رہے تھے، اس جلد کا اصلی مبحث تہذیب ہند پر قدیم بیرونی اثرات (یونانی، ایرانی، وغیرہ) کے حدود کو دکھانا ہے، بودھ مذہب پر بھی ایک عالمانہ و بسوط مضمون موجود ہے، اس تاریخ ہند کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ اہل ہند کے قلم کی ایک سطر بھی اس مین شامل نہین،

ادبیات

سابرمتی جیل کے قیدی کی زبان سے

جنون نے دل سے وہ حس بھی مٹادی | کرے جو امتیاز رنج و شادی
نیا جب اوسنے کوئی شر اُٹھایا | میری ایذا پسندی نے دعا دی
شب معراج مردان خدا ہے | بقول شیخ، "رد نا مرادی"
مجازی عشق بھی اک شئے ہے لیکن | ہم اس نعمت کے منکر ہین نہ عادی

کبھی تھی جان نثاری کی جو حسرت

وہ بارے کرکے بھی ہم نے دکھا دی

ایک گوشہ نشین صوفی شاعر مولوی قربان احمد صدیقی کے رمز حقایق

یہ اضطراب ہے اک ذات بے نشان کیلیے | چلا ہے دل میرا تسخیر لامکان کے لیے
زمین بھی پست ہوئی آسمان بھی چکرا یا | یہ مشت خاک ہی موزون تھا امتحان کے لیے
نہ انتہا مری قدرت کی ہے نہ عجز کی حد | عجیب نکتہ لاحل ہون نکتہ دان کے لیے
نہو جو درد دروں، بے اثر ہے قول فصیح | دل آشنا ہو تو جوہر بنے زبان کے لیے
وجود ہی نہو جس کا پھر اُس کا پوچھا کیا | عدم کا خوف ہے اک خبط انس و جان کے لیے
نظر فریب ہی انتظام کون و فساد | ہے بند و بست کسی مقصد نہان کے لیے

نہین جو اہل یقین، ہے اسیر شک قربان

سکون کا لطف کہان قلب بدگمان کے لیے

باب التقریظ والانتقاد

دیوان فانی

از

مولنا عبدالسلام ندوی

چند روز سے ہمارے اخبارات کا یہ عام شعار ہوگیا ہے کہ وہ شعر وسخن سے اپنے کالمونکی ابتدا کرتے ہین، اور رسائل کے اخیر مین ایک باب ادبیات، یا نقد سخن وغیرہ کے عنوان سے قائم کیا جاتا ہے، جس کے تحت مین متعدد شعرا کی غزلین درج کیجاتی ہین، اب یہ طریقہ نہایت عام ہوگیا ہے، اور اس ذریعہ سے متعدد شعرا نے جھوٹی سچی شہرت بھی حاصل کرلی ہے، لیکن ان لوگون مین مولوی شوکت علی خان فانی کو جو غیر فانی شہرت حاصل ہوئی ہے، وہ ایک خاص صداقت آمیز امتیاز رکھتی ہے،

اخبارات ورسائل کی اس موجودہ روش نے بہت سے لوگون کو شاعر بنا دیا ہے اور یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ شاعری کا جو چراغ سرسید اور انکے ہمصفیرون کے دم آتشین سے بجھ چلا تھا سیاسیات کے ان تیز وتند جھونکون مین اور بھی روشن ہوتا جاتا ہے، لیکن مولوی شوکت علی صاحب فانی ابر بہار کے ان چھینٹون کی پیداوار نہین ہین، بلکہ اونھون نے اپنی تعلیم و تربیت کے ابتدائی زمانہ سے لوح اوستاد کے ساتھ صحیفۂ شاعری کو بھی سامنے رکھا، اور بجائے کسی اوستاد کے خود اونکی طبع خداداد ہی اس میدان مین اونکی رہبری کرتی رہی، چنانچہ انھون نے

سنہ ۱۸۹۰ء مین سب سے پہلی غزل موزون کی، اور سنہ ۱۸۹۸ء تک پہلا دیوان مکمل کر لیا، اور سنہ ۱۹۰۱ اور سنہ ۱۹۰۲ء مین شکسپیر اور ملٹن کے بعض ڈرامون کو ہندوستانی لباس پہنایا، لیکن ان سب کا حشر وہی ہوا جو اکثر مشہور شعرا کا ناگوار نہ ہو تو کم از کم لاابالی مزاج شاعرون کے کلام کا ہوا کرتا ہے، یعنی یہ دیوان اور یہ ڈرامے ضائع گئے، اور مولنا فانی کو اسکا اسقدر قلق ہوا کہ وہ ایک مدت دراز کے لیے خاموش ہو گئے، شاید اس رنج وغم کی حالت مین اونکو عرفی کا یہ شعر یاد نہ تھا، جسکو اوس نے اسی موقع پر کہا تھا،

گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجا است ۔۔۔ از دو صد گنج یکے مشتِ گہر باختہ ام

لیکن باایں ہمہ پرانا چسکا رہ رہ کر طبع موزون مین چٹکیان لیتا تھا اور تخیلات کا ہیجان کبھی کبھی پھوٹ نکلنے پر آمادہ ہوتا رہتا تھا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اونھون نے سنہ ۱۹۱۷ء سے از سرِ نو ترنم ریزی کی اور یہی نغمہ سرائی ہے جس نے اسوقت دنیاے شاعری مین اونکو بہت کچھ شہرت دی ہے،

اس جدید مشق کے یہی نتائج فکر یہ یا عربی انشا پردازون کی زبان مین جناب فانی کی یہی "بنت الافکار" یا "بنت الشفہ"، ہین جنکو دفتر رسالہ نقیب نے ایک جبری اصرار کے ساتھ شائع کر دیا ہے، اور ترقی فکر کے منازل و مدارج کے دکھانے کے لیے ساتھ ساتھ

قدیم غزلین | چند قدیم غزلون کا انتخاب بھی اس احتیاط کے ساتھ درج کر دیا ہے کہ مجموعۂ قدیم مین سے پانچ فیصدی سے زائد اشعار نہین آنے پائے ہین، لیکن اگر وہ یہ احتیاط نہ برتتا تو منازل سلوک کے تمام مسوی و معالم اور بھی زیادہ روشن ہو جاتے اور ہم زاہدان خشک کے ہاتھ مین پورا سبحہ صد دانہ نظر آتا، ورنہ غزلیات قدیم کا جو انتخاب پیش کیا گیا ہے، اون مین بعض غزلین جدید غزلون سے کچھ بہت زیادہ مختلف نظر نہین آتین، مثلاً،

نہین منظور تپ ہجر کا رسوا ہونا — تیرے بیمار کا اچھا نہین اچھا ہونا
ناصحا وسعتِ کاشانہ جنون خیز نہین — ورنہ کیا فرض ہے آوارۂ صحرا ہونا
نگہِ ناز کو آسان دمِ خنجر بننا — لبِ جان بخش کو دشوار مسیحا ہونا
ہائے باتون مین تری لغزشِ مستانۂ ناز — ہائے آنکھون مین تری نشۂ صہبا ہونا
ہمہ تن داغِ غمِ عشقِ بتان ہون فانی — دل سے بھاتا ہے مجھی نقش سویدا ہونا

بایں ہمہ قدیم و جدید کلام مین ایک نمایان مابہ الامتیاز قائم ہے، یعنی قدیم غزلون کے بہت سے اشعار خالص لکھنؤ کے رنگ مین ہین، مثلاً

لائے پہ جھک پڑی ہے گلِ یاسمین کی شاخ — یا دستِ نازنین مین ہے ساغر شراب کا

زمانِ رخصت طفلی ہے نو شباب آیا — سوا ہیر رخِ روشن کا آفتاب آیا
وہ آئے گورِ غریبان مین جی اوٹھے مردے — جلو مین فتنۂ محشر بھی ہمرکاب آیا

بہت سی پرانی ترکیبین بھی بطور یادگار کے اونکے قدیم کلام مین محفوظ رہ گئی ہین، مثلاً

جلوۂ رخ آفتابِ حشر سے کچھ کم نہین — شورِ محشر ہے تری اوٹھتی جوانی کا جواب
مین تم سے کیا کہون نہ سنائے خدا تمھین — ہونا تشنیدنی مری جان ماجرائے عشق
نگہِ ناز کو گھونگھٹ ہی کے اندر رکھئے — گھر مین رہتے نہین جب پائون نکل جاتے ہین

لیکن جب ہم اس "حال" کو چھوڑ کر "مقام" تک اور اس "عالم تلوین" سے نکل کر "عالم تمکین" تک پہونچتے ہین تو ہم پر اونکے جدید کلام کی خصوصیات کا فیضان ہوتا ہے، جو اگر الفاظ و عبارت مین آسکتی ہین تو حسب ذیل ہین،

جدید ترکیبین جو لوگ جدید رنگ مین کہتے ہین اون کے کلام مین لازمی طور پر فارسی زبان کی بہت سی جدید ترکیبین پائی جاتی ہین، جو صرف اسلیے جدید کہی جاسکتی ہین کہ اہل لکھنو نے ٹھیٹھ اردو کی پیروی مین ان کو ترک کردیا تھا، ورنہ درحقیقت ان کے موجد اہل دہلی ہین، اور اہل دہلی مین بھی یہ ترکیبین مومن اور غالب ہی تک محدود نہین ہین، بلکہ قدما، مثلاً میر، سودا، اور قائم وغیرہ کے کلام مین بھی بہ کثرت پائی جاتی ہین، البتہ غالب و مومن نے ان مین اور بھی جدت طرازیان کی ہین، اسی لیے جو لوگ ان ترکیبون کو استعمال کرتے ہین، وہ اپنے آپ کو غالب و مومن کا پیرو سمجھتے ہین، موجودہ زمانے مین، حسرت، وحشت، اور عزیز لکھنوی نے ان کو نہایت کثرت سے استعمال کیا ہے، اور عزیز نے تو موجودہ رسائل و اخبارات تک کی بہت سی ترکیبون کے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہین کیا ہے، مثلاً جذبات، سوانح عمری، اور سیاح وغیرہ، فانی کے کلام مین بھی یہ ترکیبین معتدل مقدار مین موجود ہین، مثلاً

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنوان نکلا — دم تو نکلا مگر آزردۂ احسان نکلا

شوق بیتاب کا انجام تحیر پایا — دل جسے سمجھتے تھے دیدۂ حیران نکلا

گریۂ آتشین کی داد دے شب غم تو کون دے — خود سر شام کیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا

گذر گیا انتظار حد سے یہ وعدۂ ناتمام کب تک — نہ مرنے دیگی مجھے ستمگر تری تمنائے خام کب تک

وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کردے — مستون کے دل مین ساقی ایمان رہ نہ جائے

مائل پرواز ہے مقتل مین خون گرم دل — آتش سیال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہے

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے — خاک دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہین — عالم اک مجموعۂ ذرات صحرا بیز ہے

اشک اک اک کرکے سب آوارۂ دامن ہوے — رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشان اضطراب

فانی کی ان ترکیبون مین اگرچہ تصنع وتکلف نہین معلوم ہوتا یعنی یہ محسوس نہین ہوتا کہ اونھون نے صرف جدید رنگ مین کہنے کے لیے زبردستی سے ان ترکیبون کو استعمال کیا ہے، تاہم کہین کہین غلط ترکیبین بھی استعمال کرگئے ہین، مثلاً

یان نقابِ جلوہ خود حسنِ تماشا ریز ہے
جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت سہی فرصت کہان

"تماشا ریختن" فارسی کا محاورہ نہین ہے، اسلیے "تماشا ریز" کا اشتقاق صحیح نہین ہے، البتہ یہ ایک عمدہ استعارہ ہوسکتا ہے، لیکن ذیل کے شعر مین۔

آکہ حیاتِ مستعار نقش بروے آب ہے
روح کا آنسوؤن بھری آنکھون مین پاتر آب ہے

"پاتر آب" کی ترکیب نہایت بدنما ہے اور اسکی کوئی تاویل نہین کی جاسکتی،

جدید استعارے اسی سلسلے مین فانی کے جدید استعارات وتشبیہات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہین، مثلاً

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہون مین
بنا ہے برق کے تنکون سے آشیان اپنا

بس، ایک آگ جہان سوز کے اثر تک ہین،
یہ خارِ برق، قفس، دام، آسمان، صیاد

ہون، مگر کیا؟ یہ کچھ نہین معلوم
میری ہستی ہے غیب کی آواز

دہیان تیرا بہشتِ شوق سہی
دل عاشق ہے ایک دوزخِ راز

میری نگاہ شوق نے پایا ہے یہ لقب
دربانِ آستانۂ دولت سراے عشق

اللہ رے کثرتِ گل وریحان کہ اندنون
فردوس ایک پھول ہے دستِ بہار مین

بعض استعارے بظاہر استعارہ نہین معلوم ہوتے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اون مین استعارات کی مخصوص جدت پائی جاتی ہے، مثلاً،

اب آنکھ اوٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی پلکی سی مژگان کی
وہ چھیڑا چاہتے ہین نوک نشتر سے رگِ جان کو

"ملی سی تر مژگاں" ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے، اور اسکا مشبہ بہ ہر لطیف ممتد چیز ہو سکتی ہے، لیکن فانی نے مناسبت کلام سے "نوک نشتر" کو مشبہ بہ قرار دیا ہے،

تصوف وفلسفہ | شعرائے قدیم کی ایک یادگار صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین تھے جسکو اہل لکھنؤ کی معاملہ بندی نے تو سرے سے مٹا ہی دیا، لیکن شعرائے دلی مین بھی صرف معدودے چند یعنے غالب اور شیفتہ نے زندہ رکھا، باقی مومن کا کلام اس کیف سے بالکل خالی نظر آتا ہے، اور ذوق کو تو دلی کا شاعر کہہ ہی نہین سکتے، موجودہ دور کے ممتاز شعرا نے اگرچہ غالب کو اپنا امام بنایا ہے، تاہم اونکے یہان بھی صوفیانہ اور فلسفیانہ مضامین بہت کم پائے جاتے ہین، البتہ فانی کے کلام مین تصوف اور فلسفہ کی چاشنی نسبتہً زیادہ پائی جاتی ہے، مثلاً

اوسکی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم
بلبلا ہے عین دریا پھر بھی دامن چیدہ ہے

مایۂ ادراک ہستی ہون تکلف بر طرف
زندگی میری دروغِ مصلحت آمیز ہے

بشر مین عکسِ موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ لیکن اس قطرے مین دریا ہے

یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہان
تلاشِ چشم حقیقت نگر نہین ہے مجھے

بیابان کو یہان لے آئے تھے کچھ خاک کے ذرے
یہی ذرے اوڑا لیجائینگے اک دن بیابان کو

آپ ہی اپنے آڑ مین تو ہے
تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

نشان مہر ہے ہر ذرہ ظرف مہر نہین
خدا کہان نہ ملا اور کہین خدا نہ ملا

منتخب اشعار | ان خصوصیات کے علاوہ فانی کے کلام مین تمام شاعرانہ محاسن یعنے سلاست، روانی، سادگی، صفائی، برجستگی، لطیف الخیالی، اور پختگی وغیرہ موجود ہین، لیکن انکا علحدہ علحدہ نمایان کرنا طوالت سے خالی نہین، اسلیے ہم اونکے چند منتخب اشعار اس موقع پر

درج کرتے ہین جن سے مجموعی طور پران تمام خوبیون کا اندازہ ہوسکے گا،

دبی زبان سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ
بس اب تو زہر ہی دے زہر مین دوا نہ ملا

مری حیات ہے محروم مدعاے حیات
وہ رہگذر ہون جسے کوئی نقش پا نہ ملا

دے ترا حسن تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤن پہ پشیمان ہونا

سبکسری ہے ترے عشق سے سبکدوشی
بلاے جان ہے وہ دل جو بلاے جان نہوا

اجل کے زیر اثر ہو وہ نقش ہستی کیا
ہوا کہ برق کے سائے مین آشیان نہوا

جب ترا ذکر آگیا ہم دفعۃً چپ ہوگئے
وہ چھپایا راز دل ہم نے کہ افشا کردیا

کب کہہ گیا تھا آنے کو کیا وقت ہوگیا
اللہ نامہ بر بھی گیا وقت ہوگیا

دل کچھ نہ تھا تمھاری نظر نے بنا دیا
دنیاے درد، عالم حسرت، جہان داغ

دیکھتے ہین تمھین جاتے ہوے اور جیتے ہین
تم بھی قابو مین نہین، موت بھی قابو مین نہین

زمین گور غریبان پہ اک جگہ نہ ٹھہر
یہین کہین نگہ شرمسار ہم بھی ہین

گوایک ہی فتنہ ہے قامت بھی قیامت بھی
کم ہو تو قیامت ہے بڑھ جائے تو قامت ہے

چلے بھی آؤ کہ دنیا سے جارہا ہے کوئی
سنو کہ پھر نہ سنوگے تم التجا میری

خدا نے زہر کی تاثیر بخشدی فانی
ترس گئی تھی اثر کو بہت دوا میری

یاد آجاتے ہین جب وہ اگلی صحبت کے مزے
لوٹتا ہے دل مرا دوزخ مین جنت کے مزے

صبح ہوتے ہی بھلا دے کوئی یارب کسطرح
رات بھر باہم وہ شکوون کے شکایت کے مزے

ایک غم، سو راحتین، اک عشق سو کیفیتین
یاس کی لذت جدا، کچھ اور حسرت کے مزے

ربط حسن و عشق سے واقف نہ تھے تو چین تھا
واقفیت مین کہان ناواقفیت کے مزے

اُن سے رسم و راہ کیا جاتی رہی چلتے رہے
خط کتابت کے مزے، صاحب سلامت کے مزے

ہلاکِ تلخیِ تاثیرِ شکوہ ہون فانی | شکایتِ گلہ بے اثر نہین ہے مجھے
آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستمگر | فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہین ہے
تعمیرِ آشیان کی ہوس کا ہے نامِ برق | جب ہم نے کوے شاخِ چمن شاخ جل گئی
اب جفا ہے نہ وفا، یادِ وفا باقی ہے | تھی جہان شمع وہان خاک ہے پروانوں کی
نہین ضرور کہ مرجائین جان نثار ترے | یہی ہے موت کہ جینا حرام ہو جائے
کیا ہے خلق مجھے باوجودِ علمِ گناہ | یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

اغلاط و مسامحات | اغلاط اور مسامحات کے معاملے مین، مین تشدد نہین ہون، اگر کوئی شخص متحرک لفظ کو ساکن اور ساکن کو متحرک کرکے استعمال کرتا ہے تو مین اوسپر کوئی مواخذہ نہین کرتا، اگر کوئی شخص مکسور کو مفتوح اور مفتوح کو مکسور بنا دیتا ہے تو مین اسپر بھی گرفت نہین کرتا بلکہ اگر کوئی شخص مذکر کو مونث اور مونث کو مذکر کر دیتا ہے تو مین اسکو بھی کوئی اہم چیز نہین قرار دیتا، لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے جس سے محاسن شاعری پر حرف آتا ہے، جس سے محاورہ کی خلاف درزی ہوتی ہے، اور جس سے شعر کا توازن و تناسب قائم نہین رہتا تو مین اسپر شدت کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہون، اور افسوس ہے کہ فانی کے کلام مین مجھ کو متعدد جگہ اس قسم کی خامیان نظر آتی ہین، مثالین ملاحظہ ہون،

لوحِ اول کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہین | کن ہے اندازِ رقم حسن کے افسانے کا

"غمِ الفت کا قلم"، نہ حقیقۃً صحیح ہے، نہ مجازاً اور استعارۃً،

ہے شانِ عبودیت مصروفِ دعا ہونا | منظورِ مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا

"ہر نالہ کا رسا ہونا"، چاہیے،

چار زنجیرِ عناصر پہ ہے زندان موقوف | وحشتِ عشق ذرا سلسلہ جنبان ہونا

عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحث طلب ہے، باہم کوئی واضح وجہ شبہ نہین،

یون نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سلادیا

زندگی کے دن کاٹنا" محاورہ ہے، "زندگی کی رات کاٹنا" محاورہ نہین،

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہون
یہ جانتا ہون دل ادھر آیا ادھر گیا

دوسرے مصرع مین دل کا لفظ حشو اور زائد ہے،

صیاد یون پرون مین گرہ باندھتے ہین کیا
بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

پر باندھنا صحیح ہے، لیکن پرون مین گرہ باندھنا صحیح نہین، خود گرہ باندھنا محاورہ بھی نہین ہے

گرہ دینا محاورہ ہے، پرون مین گرہ دینے سے جسم کے بند بند نہین جکڑ سکتے اور خود پرون کو

بند نہین کہہ سکتے، کیا کا لفظ بھی اس جگہ ناموزون ہے،

تہ مین جا سطح سے تو قطع نظر کرکر دیکھ
قطرے قطرے مین سمندر ہے نظر پیدا کر

قطع نظر کرکر صحیح نہین، قطع نظر کرکے صحیح ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو نہایت بدنما ترکیب ہے

وقت عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجیے آغاز کیون کر داستانِ اضطراب

"داستان کا آغاز کرنا" صحیح ہے "داستان آغاز کرنا" صحیح نہین، یہ نہین کہتے کہ فلان داستان

آغاز کی البتہ یون کہتے ہین کہ فلان داستان شروع کی،

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جسمین چپ کی داد
یہ حشر ہے یہان تو کھلے گی زبانِ داغ

"زبان داغ" نہ حقیقۃً صحیح ہے نہ استعارۃً

پھاڑ کر فانی گریبانِ لحد
ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

گریبان لحد کا استعارہ بحث طلب ہے، اور دامانِ محشر کی طرف چلنا بھی مناسب نہین

معلوم ہوتا، میدانِ محشر کی طرف چلنا چاہیے،

وہ آتے ہین یہان اے آخری دم   وفا کر ہو سکے تجھ سے جہان تک

"آخری دم یا نفس واپسین"؟

گم شدگان رہ غم کی مثال   قیس ہے اک آبلہ پا اور ہم،

توازن کے لحاظ سے "اور ایک ہم" ہونا چاہیے،

ایک تم ہو کہ تمھارے ہین پرائے دل بھی   ایک مین ہون کہ مرا دل مرے قابو مین نہین

"توازن کے لحاظ سے دوسرے مصرع مین "مرا دل بھی" ہونا چاہیے،

عشق صادق وہ کہ دل سے لب تک آئے کیا مجال   حسن یکتا وہ کسی نے جسکو دیکھا ہی نہین

عشق صادق کا دل سے لب تک آنا بالکل بے معنی ہے، البتہ رازِ عشق صادق ہوتا تو صحیح ہوتا، پھر حسن یکتا کے لیے یہ ضرور نہین کہ اوسکو کوئی دیکھ ہی نہ سکے، البتہ اوسکا مثل ور اوسکا نظیر نہین دیکھا جا سکتا، با اینہمہ یہ دونون مصرعے قابل تاویل ہین گو واضح البیان نہین ہین،

چراغ کشتہ آرامگاہ بے نشانی ہون   مین رویاے پریشان فنا ہون یعنی فانی ہون

"رویای پریشان" کے لیے فارسی زبان کی سند متواتر درکار ہے،

شکوہ ہجر پہ سر کاٹ کے فرماتے ہین   پھر کروگے کبھی اس منھ سے شکایت میری

"شکوہ کو زبان سے تعلق ہے، سر سے نہین، نواب مرزا داغ کسقدر صحیح کہتے ہین،

سر سے پہلے وہ زبان کاٹ لیا کرتے ہین   کہ کرے جا کے خدا سے نہ شکایت میری

یہ کہنا کہ سر کے کاٹنے سے زبان بالکل بیکار ہو جاتی ہے، منطقیانہ استدلال ہے، جو فن شاعری مین کارآمد نہین ہو سکتا،

چھانٹا ازل مین ایک تڑپتا ہوا جگر   کیا بات ہے تری نگہ انتخاب کی

"تڑپتا ہوا جگر" یا "تڑپتا ہوا کلیجہ" کے لیے اردو زبان کی سند متواتر درکار ہے،

اسیر غم وہ رخِ بے حجاب کرکے مجھے   کدھر گیا ہمہ تن اضطراب کرکے مجھے،

رُخ بیحجاب کے لیے یہ کہنا کہ "کدھر گیا" بالکل غلط ہے، اسی زمین مین صحیح طور پر یہ ترکیب اس طرح مستعمل ہوئی ہے،

اسیر پنجۂ عہد شباب کرکے مجھے   کہان گیا مرا بچپن خراب کرکے مجھے

رُخ بیحجاب کے لیے یون کہنا چاہیے کہ کہان چھپ گیا، کس چیز مین چھپ گیا،

اے اجل گھبرائیگا تنہائی تربت سے دل   یہ ابھی بھولا نہین ہے جوشِ وحشت کے مزے

وحشی تنہائی سے نہین گھبراتا بلکہ تنہائی کو اور پسند کرتا ہے، تنگی تربت ہوتا تو صحیح ہوتا کیونکہ دیوانے کے لیے وسعتِ صحرا درکار ہے،

کاش مین واقف نہ ہوتا رسم و راہِ عشق سے   کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے

اگر دوسرے مصرع مین "سمجھو" کے بجاے "سمجھتے" ہوتا، تو پہلے مصرع مین "ہوتا" کا جو لفظ ہے، اوسکے ساتھ توازن و تناسب قائم ہو جاتا،

اب یادگارِ فانی بسمل ہے اسقدر   گلگون ہے خاک کوچۂ قاتل جگہ جگہ

دونون مصرعے متناقض ہین، پہلے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ اب یادگار فانی کے نشانات خفیف سی باقی رہ گئے ہین، لیکن دوسرے مصرع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدم قدم پر اس یادگار کا نشان مل سکتا ہے، کیونکہ ردیف سے بہرحال کثرت ہی کا اظہار ہوتا ہے،

عزیزِ خاطرِ فطرت ہی جانِ عبرت ہے   ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار مین ہے

عالم غبار کے لیے فارسی زبان سے سند متواتر درکار ہے،

گریہ کے آداب کے حواس ہین کسکو   ہائے کہ اب تاب احتیاط نہین ہے

اس جگہ صرف حواس کا لفظ صحیح نہین، ہوش حواس محاورہ ہے،

غزلیات کے علاوہ چند تضمینین، چند رباعیان ،بعض اخلاقی نظمین، اور بعض قصائد بھی شامل دیوان ہین، لیکن ہمارے نزدیک فانی کا اصلی کارنامہ صرف غزل ہے، اسلیے ہم ان جزئیات کو نظرانداز کرتے ہین،

دیوان کی قیمت ایک روپیہ ہے، اور نقیب پریس بدایون سے مل سکتا ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ متوسط درجہ کا، اور ضخامت ۸۰ صفحے کی ہے،

سفرنامۂ روم و مصر و شام

مولنا شبلی مرحوم نے ۱۸۹۳ء مین ان ممالک کی سیاحت کی تھی، زمانۂ حال کے مسلمانون مین ممالک اسلامیہ کا یہ پہلا سفر تھا اور علماء کی صف مین دیکھا جائے تو یہ اب بھی پہلا سفر ہے، مولنا نے خالص علمی اور تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ سفر کیا تھا، اور اس نگاہ سے اونکو جو کچھ نظر آیا اونھون نے اپنے سفرنامہ کے آئینۂ جہان نما مین اوسکو تمام وکمال دوسرون کو دکھایا، اس واقعہ پر آج تیس ۳۰ سال گذر گئے ہین، اس اثنا مین اور لوگون نے بھی ان ممالک کے سفر کیے اور اپنے اپنے سفرنامے شائع کیے مگر مواد کے لحاظ سے اب تک اس سفرنامہ کی اوّلیت مین کوئی فرق نہین آیا ہے، اسکے بیسیون اڈیشن بازاری مطبعون سے شائع ہوچکے ہین، مگر جس مسخ صورت مین وہ کتابون کو شائع کرتے ہین اوس سے اہل ذوق کی دلبستگی نہین ہوتی، اسلیے دارالاشاعة دارالمصنفین نے اپنے مطبع معارف مین اسکا ایک اچھا اڈیشن چھاپ کر تیار کیا ہے، جن پسندیدہ مذاق اصحاب کو ضرورت ہو وہ طلب فرمائین، تاجرونکو ۲۵ فیصدی کمیشن، قیمت عہ

مینجر

مطبوعات جدیدہ

حکایات شرلاک ہومز، سر آرتھر کانن ڈائل اسوقت انگلستان مین ایک خاص قسم کی جاسوسانہ فسانہ نویسی کے بانی اور مخترع ہین، وہ جاسوسی اور سراغ رسانی کو محض بخت و اتفاق کے نتیجہ کے سپرد کرنا نہین چاہتے، بلکہ وہ استنباط، استقرار، علم قیافہ، علم آثار قدم، اور عام فہم انسانی کے استعمال اور چھوٹے چھوٹے معمولی واقعات کی کڑیان ملا کر اوس سے اہم نتائج کے اخذ کی حیرت انگیز مثالین پیش کرتے ہین، مصنف نے اپنی خیال آرائی اور جولان طبعی کے لیے شرلاک ہومز نام ایک غیر معمولی ذہانت کے فرضی جاسوس کو اپنا مستقل ہیرو قرار دیا ہے، جس کے کارنامے ڈاکٹر واٹسن نام اوسکے ایک دوست کی زبانی، معرض تحریر مین لائے گئے ہین،

پروفیسر فیروز الدین مراد، اب تک ہماری زبان مین بحیثیت ایک عالم حکمیات وسائنٹسٹ، کے مشہور تھے، اون کے انتساب سے جب ان حکایات کا ترجمہ ہماری نظر سے گذرا تو فطرۃً تعجب ہوا کہ ایک شیدائے واقعیت حکیم کو ایک خیال آرا فسانہ نویس سے کیا مناسبت ہے؟ مگر کتاب کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ پروفیسر مراد نے اپنے دائرہ سے کچھ زیادہ دور قدم نہین رکھا ہے، پروفیسر مراد نے اس کتاب مین شرلاک ہومز کے ۲۵ مختلف کارنامے انتخاب کئے ہین، ہر کارنامہ ایک چھوٹا سا مستقل افسانہ ہے، ہر افسانہ درحقیقت نہایت دلچسپ ہے، اور مخصوص طریقۂ جاسوسی کی بہترین مثال ہے، پروفیسر مراد کے ہم مشکور ہین کہ اونھون نے ہماری زبان کے افسانہ نویسونکے سامنے ایک نیا راستہ کھولدیا ہے، ترجمہ اکثر بامحاورہ اور سلیس ہے، پڑھنے والے کے ذہن پر

ترجمہ کا بار محسوس نہین ہوتا ہے، مگر کہین کہین یہ کمی رہ گئی ہے کہ مترجم نے انگریزی محاورن کا بعینہ اُردو ترجمہ کر دیا ہے، مثلاً متعدد مقامات پر آپ یہ پڑھینگے "وہ آرام کرسی مین بیٹھ گیا"، اردو مین کرسی پر بیٹھنا بولتے ہین، اسی قسم کی اور بھی ایک دو باتین آپکو ملین گی، تاہم عام طور سے ترجمہ صاف اور دلنشین ہے، صفحات ۳۰۲، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، قیمت عہ، پتہ مسرز کیز اینڈ کو علی گڈھ،

خونابۂ عشق یہ بھی اوسی مشہور فسانہ نویس کی تصنیف اسکارلیٹ اسٹین کا ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ بھی پروفیسر ممدوح ہی کے قلم کا ممنون احسان ہے، اسمین شرلاک ہومز کے ایک کیقدر طویل کارنامہ کو قید تحریر مین لایا گیا ہے، حسب معمول نہایت دلچسپ اور بدیع الاسلوب ہے، ترجمہ کی خوبی قابل تعریف ہے، مگر زبان کے متعلق کہین کہین ہمکو شکایت ہے، انگریزی خوان اصحاب کا عربی املا ذرا غلط ہوتا ہے، اسی کتاب مین (صفحہ ۲۳) "منزہ" کو "منزا" لکھا گیا ہے، "شبابہ" کو "شبابہ" (۵۰) "سھر اللیالی" کو "سحر اللیالی" (۷۹) منطق کی اصطلاح استدلال "اِنّی" کو "عِنّی" لکھا گیا ہے، اردو مین "تار" مذکر ہے مگر مترجم نے "تار دی" مونث استعمال کیا ہے، یہ چند فروگذاشتین کتاب کی دلچسپی اور ترجمہ کی خوبی مین ہارج نہین، جو لوگ بدیع الاسلوب فسانون کی قدر کرتے ہین اونکو یہ ضرور پڑھنا چاہیے، صفحات ۱۶۸، قیمت عہ، لکھائی چھپائی متوسط، کاغذ معمولی، پتہ دار الاشاعت پنجاب ۱۹۵ ریلوے روڈ۔ لاہور،

محمد علی، محترم محمد علی صاحب کے جسقدر مجموعہ ہاے حالات اُردو مین شائع ہوئے ہین یہ مجموعہ اون سب مین سب سے زیادہ مبسوط اور جامع ہے، اسمین جناب شوکت علی صاحب علیگ نے محمد علی صاحب کے بچپن، تعلیم، سفر ولائیت، نوکری، اخبارات کا اجرا، تعلیمی و سیاسی خدمات، سفر وفد خلافت، اور یورپ مین اونکے کارنامے اور آخر کراچی جیل تک کے تمام واقعات

تفصیل سے لکھے ہین، تقطیع چھوٹی، صفحات ۱۱۵، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، قیمت ۱۲ر پتہ مقبول دارالاشاعہ لاہور،

دہلی کی جانکنی، ۵۷ء کے غدر دہلی کے واقعات اور افسانے جو ہمیشہ اہل درد کے لیے عبرت و بصیرت کے اسباق ہین، ضرورت تھی کہ ان اسباق کو کسی کتاب کی صورت مین جمع کردیاجائے جناب خواجہ حسن نظامی نے اس کتاب مین غدر کی انگریزی تاریخون اور دلی کی معتبر زبانی روایات سے انکو فراہم کیاہے، کتاب کا ہر صفحہ اپنے ناظرین سے آنسوؤن کے چند قطرون کا طالب ہے لکھائی چھپائی بہتر، کاغذ متوسط، قیمت عہ، خواجہ بک ڈپو، دہلی،

اسلام کی برکتین، یہ مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار کا ایک مضمون ہے جو رسالہ کی صورت مین شائع ہوا ہے مصنف نے اسمین اسلام کی علمی برکات گنائے ہین، مگر بیان مین تاریخیت سے زیادہ ادبیت نمایان ہے، قیمت ۳ر، پتہ مشرقی کتب خانہ لاہور،

سبعہ سیارہ، حافظ محمد یعقوب صاحب آوج گیاوی کی سات مذہبی نظمون کا مجموعہ ہے، اور آج کل کے احساسات و مذاق کے مطابق ہے، مگر شاید صحیح لفظ "سبع سیارہ" ہو، قیمت ۳ر پتہ ممتاز بکڈپو حلقہ، نمبر۲۱، لاہور،

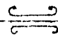
آئینۂ جمہوریت، اٹلی کے مشہور محب وطن جوزف میزینی، سیاسی ہونے کے ساتھ ایک ممتاز اہل قلم بھی تھا، اوسنے اپنے قلمی خیالات سے اٹلی کو متحرک کردیا تھا، اور اوسکے متفرق اجزا کو یکجا کرکے اونمین جمہوریت کی روح پیدا کی، آج جب ہندوستان اسی دور سے گذر رہا ہے، جناب احمد منصور صاحب سلیم کی یہ کوشش شکریہ کی مستحق ہے کہ اونھون نے میزینی کی ایک تحریر کا اردو مین ترجمہ کرکے شائع کیاہے، اس تحریر مین میزینی نے، جمہوریت، حقوق، تعلیم، مقصد زندگی وغیرہ اہم اصلاحی مسائل پر باختصار اپنے خیالات ظاہر کیے ہین، قیمت ۴ر پتہ مشرقی کتبخانہ لاہور،

عدد دوم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۲ء	مجلد دہم

مضامین

شذرات

ورم اور تازگی و فربہی مین کیا فرق ہے؟ یہ ہے کہ ورم جسم کے کسی ایک عضو مین مادی اضافہ کا نام ہے، اور تازگی و فربہی جسم کے تمام اعضا مین ایک تناسب کے ساتھ ترقی کو کہتے ہین، پہلی شے مرض اور بیماری ہے تو دوسری سرتاپا صحت اور کمالِ جسمانی! اسی طرح اگر کسی قوم کے جسم کے تمام اعضا یعنی اوسکے تمام ضروری شعبے ایک تناسب خاص کے ساتھ باہم ترقی کر رہے ہین تو وہ قوم صحیح اور تندرست ہے، لیکن اگر اوسکا یہ حال ہے کہ ایک عضو تو بڑھ اور پھول رہا ہے مگر دوسرے اعضا ضعیف اور کمزور ہو رہے ہین تو اوسکو صحیح و تندرست کون کہے گا،



صحت کے اس معیار پر اگر مسلمانون کے قومی جسم کا امتحان کیا جائے تو وہ پھولن اور ورم ثابت ہوگا یا تازگی و فربہی! ہمارا یہ حال ہے کہ اگر ہم ایک عضو کے غور و پرداخت پر توجہ کرتے ہین تو دوسرے اعضا کی پرورش سے کامل بے توجہی برتتے ہین، جب ہماری ایجوکیشنل کانفرنس کی بہار تھی تو ہمارے سیاسی خیالات پر خزان چھائی تھی، اور اب جب ہماری سیاسی مجلسین ہمارے قہقہون اور چہچہون سے پرشور ہین تو ہماری علمی اور تعلیمی محفلین سونی ہین، گذشتہ سالون کے عین سیاسی بحران کے دنون مین ہندی پرچارنی سبھا کے جلسے بھی ہوتے رہے، بھنڈارکر کی مشرقی بزم بھی نور افروز رہی، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس بھی منعقد ہوئی، مگر ہماری کانفرنسون اور انجمنون نے کیا کیا؟ یا ہم نے اونھین کیا کرنے دیا؟



ذرا ٹھہر جائیے! اور ایک لمحہ غور کیجیے! یہ غلط روی سرِ منزل نہین، بلکہ سرِ راہ واقع ہوئی، فتنۂ غدر کے بعد جب ہم نے آنکھین کھولین تو ایک ایسے رہنما کو اپنے قافلہ کا رہبر پایا جو مذہب تعلیم اور سیاست تینون راستون کی قافلہ سالاری کے فرائض خود تنہا انجام دے رہا تھا، منزل ترقی کے یہ تینون راستے مختلف الجہات تھے، اس لیے ایسے قافلہ سالار کے لیے تصادمِ مصالح ناگزیر تھا، چنانچہ اسی کی وجہ سے گذشتہ چالیس برس مین جو کچھ پیش آیا اور آج بھی پیش آ رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے، جب قوم نے سیاسی قدم بڑھایا تو تعلیمی مصالح کے نگران کارون نے اونکو پیچھے گھسیٹا، اس تصادم سے دوسری قومون کی تعلیم گاہین پاک ہین، اونکو نفیاً یا اثباتاً سیاسی الجھنون سے کوئی تعلق نہین، مگر ہماری تعلیم گاہ کو اگر اثباتاً نہین تو نفیاً ان الجھنون سے فطری لگاؤ ہے بلکہ انہین پر اوسکی بنیاد ہے، ایسی حالت مین قوم درحقیقت تنہا گنہگار نہین ہے، وہ مجبور ہے کہ یا تعلیمی رہبرون کی پیروی مین پیچھے رہے اور یا ترقی طلب مقتضیات زمانہ کا ساتھ دے، کیا اب بھی ہمارے رہنما اپنے الگ الگ راستے بنا کر قوم کو تصادم اور تزاحم سے بچائینگے؟

کہتے ہین کہ مسلمانون کے کسی زمانہ کا نام "قرونِ اولیٰ" تھا، اور وہ اونکی تاریخ کا عہد زرین ہے، صحابہ کا عہد تو عبد اللہؓ بن عباس، عبد اللہؓ بن عمر، عبد اللہؓ بن مسعود، ابو ہریرہؓ، انسؓ بن مالک، یہ اوس عہد کے ائمہ درس تھے، مگر صفوف جنگ اور ایوان مشورت ملکی مین اونکو تلاش نہ کرو، خالدؓ بن ولید، عبیدہؓ بن جراح، زبیرؓ بن عوام، عمروؓ بن العاص، سعدؓ بن وقاص فوجون کے جنرل اور ملکون کے فاتح تھے، لیکن جامع مسجدون مین انکا حلقۂ درس نہ تھا، ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ رسالت پناہ ﷺ کے مشیران باتدبیر اور جماعت مسلمین کے شیرازہ بند تھے، مگر وہ فوجون کے سرعسکر اور دائرہ تدریس کے محور نہ تھے، کیا ہم اس سے تقسیم کار کا اصول سیکھ سکتے ہین؟ یقیناً بعض ایسی

مقدس ہستیان بھی تھین جو جامع اوصاف تھین، مگرسنن فطرت مین اونکا درجہ خوارق عادت کا ہے

یورپ کے دوسرے ملکون کی طرح جرمنی مین بھی ایک مشرقی انجمن قائم ہے، جسکا مقصد ایشیا اور مشرق کے علوم و فنون، تمدن و معاشرت، اور اجتماعیات و اقتصادیات کا مطالعہ ہے، امسال یہ کانفرنس ۴-۵-۶-اکتوبر کو خاص برلن مین منعقد ہوگی، آیندہ جلسون کے انعقاد کے لیے بڑے اہتمام سے تیاریان ہورہی ہین، گذشتہ سال یہ انجمن لیپزگ مین منعقد ہوئی تھی، یہ شہر نادر عربی مطبوعات کی اشاعت کا مرکز ہے، اب تک اس انجمن کے قیام پر ۷۵ سال گذر چکے ہین، جرمنی کے مشہور علماے مشرقیات اس کے نگران کار و مہتمم ہین، مثلاً مشہور عربی دان پروفیسر سخاؤ، ایشیاے وسطیٰ کے محقق دان لے کاک، سنسکرت کے عالم لوڈرس، یونانی کے ماہر میئیر، عالم انسانیات دان لوشان، برلن یونیورسٹی کے پروفیسر رکٹر نرنسٹ، وغیرہ اس کے موجودہ صدر ڈاکٹر بیکر ہین، جو اسوقت جرمنی کے معتمد تعلیمات ہین،

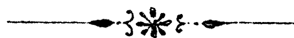
گذشتہ ہولناک ایام جنگ مین مرکز جنگ سے ہزارون میل دور جو ممالک تھے وہ بھی مالی صدمون سے محفوظ نہین رہے اور جرمنی کا اقتصادی حیثیت سے جو حال ہوا ہے وہ تو سب کے سامنے ہے، جرمن سکہ (مارک) کی قیمت بازار مین کوڑیون کے مول ہوگئی تاہم آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ جرمن مشرقی کانفرنس، کی دولت اور تمول کا یہ حال ہے کہ اگر اب سے اوسکو کوئی نیا چندہ نہ بھی ملے تو وہ کئی نسلون تک فراغ خاطر کے ساتھ اپنے فرائض علمی، انجام دے سکتی ہے، کیا ہماری قوم کے علمی و تعلیمی قدر دان اصحاب اس خبر کو سن رہے ہین؟

تاہم کارکنانِ انجمن نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ وہ نہ صرف جرمنی بلکہ دنیا کے تمام علمی قدردانون کے سامنے اپنی مالی اعانت کی عرضداشت پیش کرین، اور طے کیا ہے کہ جو شخص یکمشت چارسو مارک، یعنی تین انگریزی پونڈ چندہ دیگا وہ انجمن کا رکن دائمی قرار دیا جائیگا، اس سلسلہ مین ہمارے ایک ہموطن بینی کمار سرکار مقیم جرمنی نے ہندوستان کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے، لیکن سوچ لینا چاہیے، کہ علم پرستی کی یہ نمایش، ادائے قرض کے لیے زرکشی کا کوئی علمی جال تو نہین ہے؟



مولٰنا حبیب الرحمان خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ مین سودا کے دیوان کا ایک نادر نسخہ بہم پہنچا ہے، علاوہ خوشخطی، اور دیگر اوصاف ندرت کے ایک خاص بات اسمین یہ ہے کہ یہ نسخہ عین اوسوقت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا تھا جب نادر شاہ اپنی قہار فوجین لیے ہوئے دلی کے دروازہ پر کھڑا تھا، کاتب نے کتاب کے آخر مین لکھا ہے کہ یہ سطرین جسوقت لکھی جارہی ہین نادرشاہ کی فوجین شہر مین داخل ہو رہی ہین، کیا یہ علمی یکسوئی کی عجیب و غریب مثال نہین ہے کہ جب شہر اضطراب اور بے چینی کی کروٹین لے رہا تھا ایک سودا زدۂ علم، دیوانِ سودا کی کتابت مین مصروف تھا، یہ ذوقِ فن ہر بوالہوس کو کہان نصیب!

افسردہ را نصیب نباشد دلِ کباب
آن یا بد این نوالہ کہ مہمانِ آتش است



ریاست حیدرآباد کے تمام علمی کارنامون مین سب سے بڑا کارنامہ یقیناً اُردو جامعۂ عثمانیہ کا قیام ہے، ہمکو معلوم ہوا ہے کہ علوم و فنون کی اُردو مین تعلیم کی تجویز خاطر خواہ بارآور

ہو رہی ہے اور مادری زبان مین تعلیم کے طریقہ کی کامیابی کا بالعیان مشاہدہ ہو رہا ہے، اسوقت جامعہ کے صرف ایف اے کلاس مین ڈیڑھ سو طالب العلم ہین، جامعہ کے ایک کامیاب طالب العلم کے ذاتی امتحان لینے کے بعد انگلستان کی شیفیلڈ یونیورسٹی نے جامعۂ عثمانیہ کو مبارکباد دی ہے، اور اوس کی سندون کو اپنے ہان کے لیے باقاعدہ تسلیم کرلیا ہے، اس کامیابی پر ارکان جامعہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہین، اگر آج سے چالیس سال پہلے اس تجویز پر عمل ہوا ہوتا تو آج ہندوستان کی تعلیمی سطح کتنی بلند ہوتی ہے، افسوس کہ آج سرسید ہین اور نہ حالی کہ وہ دیکھتے کہ شبلی کے خیال کی صداقت ردّ و قدح اور اعتراض و جواب سے بری ہوکر روزِ روشن کی طرح نمایان ہے، (مولانا شبلی مرحوم، نے اپنے مضمون "گذشتہ تعلیم" مین مادری زبان کی تعلیم پر زور دیا تھا، اسپر سرسید بہت چراغ پا ہوئے تھے، اور مولانا حالی نے حیات جاوید مین مولانا کی تردید لکھی)



ابوتمام عرب کا وہ شاعر ہے جس کی سخن سنجی سے زیادہ اوسکی سخن فہمی ایک ہزار برس گذرنے کے بعد بھی دنیا سے اپنے حسن انتخاب کی داد طلب ہے، آج کل جو قومیت پرستی کی نئی نئی ہوائین ملک عرب مین چل رہی ہین، اوس سے وہان کا علمی طبقہ بھی مستثنیٰ نہین، چنانچہ ابھی پچھلے مہینہ شام کے ادبا اور شعرا نے ابوتمام کی قبر پر جمع ہوکر اوس کی تربت پر پھول چڑھائے شعرا نے اوس کی یادگار مین قصائد پڑھے اور اوسکی لوح تربت پر چند شعر لکھ کر کندہ کئے، اے ابوتمام کے ماتم گسارو! ابوتمام کی بزرگی اور عظمت کی یادگار تمھارے اجتماعات، تمھارے قصائد اور تمھارے نقش لوح سے نہین ہے، اوسکی عظمت کی زندگی کا راز اوسکا کام ہے، کہ دنیاے ادب مین جب تک حماسہ کا وجود باقی ہے ابوتمام کی عظمت کا آفتاب غروب نہین ہوسکتا!



لوگ کہتے ہین کہ جدید تمدن، مذہب اور اداے ارکان مذہبی کا دشمن نہین ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس طرح قومین ہندو، مسلمان، مشرک، مومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتی ہین، اسی طرح تمدن بھی، ہندو، مسلمان، مشرک، مومن، ملحد، عیسائی، یہودی، پارسی ہوتا ہے، دنیا کا غالب تمدن وہی ہوتا ہے جو اوس زمانہ کی غالب قوم کا ہوتا ہے، غالب قوم اپنے لیے تمدن کا جو قالب تیار کرتی ہے وہ وہی ہوتا ہے، جس مین خاص اوسکی زندگی کے تمام ضروری اجزا، مناسب طور سے اپنی اپنی جگہ پر لگ جاتے ہین، جب اوس کے تمدن کو دوسری قومین اختیار کرتی ہین تو بلا تغیر و تبدل، زیادت و نقص، ترمیم و اصلاح وہ وسکو اوڑھ لیتی ہین، یہ خلعت اونکی ضروریاتِ زندگی کے جسم پر راست نہین آتا، مگر با این ہمہ، وہ اوس مین کسیطرح تغیر نہین کرنا چاہتین کہ اس سے قوم غالب کی مماثلت کی عزت باقی نہین رہے گی، اس لیے لاچار وہ خود اپنی ضروریات و طرائق زندگی مین تغیر و تبدل کرنے پر مجبور ہوتی ہین، اسطرح اونکو اپنے تمام مذہبی و ملکی و قومی رسوم و عادات اور طریقے بدل ڈالنا پڑتے ہین،



ہمہ وقت پتلون کے استعمال کے ساتھ طہارت شرعی مشکل ہے، نکٹائی، کالر، کف، پاتابہ بوٹ کے ساتھ وضو مین سستی اور کاہلی راہ پاتی ہے، تمدن جدید کے مطابق کوٹھی شہر سے اتنے فاصلہ پر ہونا چاہیے کہ عام باشندون کی سانس کی ہوا وہان نہ پہونچ سکے، اس لیے مساجد مین شرکت بھی نہین ہو سکتی، گھر کا کمرہ کمرہ، میز و کرسی و الماری وغیرہ فرنیچر سے اس طرح آراستہ ہو کہ کہین برآمدہ کے گوشون کے علاوہ نمازی کو کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی جگہ نہ ملے، مکان کی تمام دیوارین تصاویر سے اس طرح لیسی ہون کہ قبلہ کی طرف رخ کرنا مشکل ہو، غور کرو ان حالات کے ساتھ ایک اسلامی زندگی کا قائم رکھنا کسقدر مشکل اور عملاً محال ہے،

ہم جہان ترکون کی اور بہت سی عمدہ خوبیون کے معترف ہین اون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ اونھون نے یورپ کے عیسائی تمدن کو مسلمان بنالیا ہے (اس سے وہ چند نوجوان "یورپ زدہ ترک" مستثنیٰ ہین جو یورپین ہونا ہی اپنا سب سے بڑا شرف جانتے ہین) عام ترکون نے یورپ کے تمدن معاشرت، لباس سب کو اختیار کرلیا ہے مگر پہلے اوسکو اپنے قومی و ملکی و مذہبی ضروریات کے مطابق کرلیا، پارک بنائے تو ایک گوشہ مین مسجد، وضوخانہ، طہارت خانہ بھی بنادیا، پتلون کو کسیقدر ڈھیلا پہنا، بوٹ مین نیچے کے تلے مین کھٹکا لگا دیا کہ بروقت ذرا سے جھٹکے مین نکل جائے، ریلین جاری کین تو اون مین نماز و وضو کا بندوبست کیا، اسٹیشنون کا رخ قبلہ رکھا، عورتونکو گھر سے باہر نکالا تو برقع کرا دیا!

ابھی ہمنے ایک رسالہ مین پڑھا کہ اناطولیہ مین امریکہ کے کارخانہ دارون نے جو ٹھیکے لیے ہین، وہ اپنے ترک مزدورون اور کاریگرون کے لیے اقامتگاہ اور بارکین بنوا رہے ہین، حکومت انگورہ نے اونکے پاس مکانات اور بارکون کا نقشہ خود بھیجا ہے کہ اسطرح کے مکان زنانے اور مردانے یون الگ ہون، ہر چند مکانات کے بیچ مین ایسے طہارت خانے ہون، ہر سو پچاس مکانون کے بعد ایک مسجد ہو، اوسمین وضوخانہ ہو، غرض ایک عیسائی یا لامذہب تمدن کو وہ اختیار کرتے ہین تو اوس کو مسلمان بناکر، ہمارے ہندی نژاد "کوٹھی باش، سوٹ پوش" مسلمان کیا اس نکتہ پر کان دھر سکتے ہین؟

مادری زبان کی تعلیم کے مسئلہ مین ہمارے صوبہ کی کونسل تو صرف شور و شر کرکے رہ گئی، لیکن بنگال کے سپوتون نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے، یعنی کلکتہ یونیورسٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تعلیم کی زبان بنگالی کردی جائے، جو صوبہ کی مادری زبان ہے، اسپر بعض بنگالی مسلمان تعلیم یافتہ چراغ پا ہین کہ اردو ہونی چاہیے، اگر "فضل حق" اسے یہ فیصلہ ہوجائے تو کیا کہنا، ورنہ اس کوشش سے تو

ہرگز ہاتھ نہ اُٹھانا چاہیے، کہ صوبہ کی مخصوص زبان کے ساتھ ساتھ ملک کی عام زبان "اُردو" یا ہُندوستانی" کی تعلیم بھی لازمی قرار دیجائے ورنہ یاد رہے کہ اگر اسی طرح ہر صوبہ صرف اپنے صوبہ کی مخصوص زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دے لے اور ملک کی کسی عمومی زبان کا خیال نہ رکھا جائے تو حالات آج سے بدتر ہو جائینگے، آج ایک انگریزی زبان تعلیم یافتہ اصحاب کی مشترک زبان کا کام دے رہی ہے، اب اگر یہ "بدیسی زبان" چھین لی جائے اور صرف صوبہ وار زبانین رہ جائین تو مشترک اور باہمی افہام و تفہیم، بول چال، جلسے، مجالس، اخبارات اور تصنیفات کے لیے کوئی مشترک سطح باقی نہین رہے گی، اور اس طرح ہندوستان کی قومیت متحدہ کا خواب، پریشان تر ہو جائیگا،

بورڈ آف ایجوکیشن لندن کے ایک جلسہ مین ایک ممبر کی درخواست پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ لندن یونیورسٹی کے یونیورسٹی کالج مین برٹش امپایر کے تمام مشرقی ممالک کی زبانون کی تعلیم دیجاتی ہے، ان مین سے ہندوستان کی سیکڑون زبانون مین سے صرف دو زبانون کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس رنگا رنگ کے نصاب السنہ مین داخل ہون، ایک اُردو اور دوسری بنگالی، اس واقعہ سے جہان ہم اور نتائج نکال سکتے ہین ایک نتیجہ یہ بھی نکال سکتے ہین، کہ بنگال کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبون مین انگریزون کو اُردو جان لینے کے بعد، آپکی مشکلات پیش نہین آتے ہین، اور دوسرے صوبون مین کام چلانے کے لیے محض اردو کافی ہے، ہماری بعض ہندوستانی یونیورسٹیون کے لیے ایک تاسف انگیز نتیجہ اس خبر سے یہ نکلتا ہے کہ لندن یونیورسٹی مین تو اُردو کو یہ اہمیت حاصل ہو مگر اس یوسف کو خود اپنے وطن کنعان مین کوئی پوچھتا بھی نہین،

آج کل کلکتہ یونیورسٹی کی کثرت مصارف اور قلتِ آمدنی کے ضمن مین بنگال کے فضلائے

ارباب کمال کے درمیان ایک گرما گرم مناظرہ برپا ہے، جدو ناتھ سرکار مشہور مورخ اور اساتذۂ یونیورسٹی مین قلمی معرکہ آرائی ہے، کلکتہ ریویو اساتذۂ یونیورسٹی کا مظہر خیال ہے اور ماڈرن ریویو مین سرکار کے مضامین نکلتے ہین، اسی سلسلہ مین معاملہ نے یہان تک طول کھینچا ہے کہ رسائل مین ایک دوسرے کے علمی خدمات کی دھجیان بکھیری جا رہی ہین، اور چن چن کر غلطیان منظر عام پر لائی جا رہی ہین، کیا ہماری قدیم درسگاہون کا طرز مناظرہ، بڑے دعوون کے جدید کالجون مین بھی داخل ہوگیا، فضلائے بنگال! ذرا کان لگا کر سننا کوئی یہ شعر تو نہین پڑھ رہا ہے!

بیا بمیکدہ و چہرۂ ارغوانی کن

مرو "بمدرسہ" کانجا گناہ گارانند

ابھی لندن مین وہان کے صنعتی مدارس کے استادون کی ایک کانفرنس تھی مسٹر جے پاے یورک اسکے صدر تھے مسٹر موصوف نے اپنی صدارتی تقریر کے ضمن مین "عمدہ تعلیم" کے اثرات پر بھی گوہرافشانی فرمائی ہے، اونھون نے کہا،

"اب زمانہ آگیا ہے کہ اس سوال کا کہ عمدہ تعلیم کے اثرات کیا ہین، نہایت احتیاط سے جواب دیا جائے، "عمدہ تعلیم" سے میرا مقصود یہ ہے کہ ایسی تعلیم اور ایسی لیاقت ہو جو لڑکے کے دماغ کو ترقی دے، اور اوسمین مطالعہ کا ذوق، اور استدلال، تجسس اور اوس شے کے فہم کی قابلیت پیدا کرے جسکا فہم مین آنا ممکن ہو اور تربیت ایسی ہو جو اوسکی جسمانی قوت کو ترقی دے اور جسمانی و دماغی دونون قوتون کو باہم ایک ساتھ زیادہ مضبوطی کے ساتھ متحد کرسکے، اور جو اوسکے تخیل، ہمت، اور اوس نادر عطیۂ الٰہی کو ترقی دے سکے جو فطرت کے عجائبات سے دلچسپی اور زندگی کے محاسن سے لطف اندوزی کے قابل بناتا ہے"

یہ تعلیم کا کامل مغربی نقطۂ نگاہ ہے، مشرق کے نزدیک علم یہ ہے کہ ہم "ممکن" سے "واجب" کو سمجھین، اپنی "قوت" کا حقیقی اندازہ کرین "استدلال و تجسس" کی راہ چھوڑ کر کشف و ذوق کی صراط مستقیم پر چلین "فطرت کے عجائبات" سے "عبرت پذیری" و "زندگی" کی اصلی محاسن کی حقیقت شناسی حاصل کرین،

اجازت دی اور انھون نے اس جزیرہ کو فتح کرلیا۔ مگر باوجود اس کامیابی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون نے اسوقت تک فن جہازرانی مین زیادہ ترقی نہین کی تھی،

فتح مصر کے بعد جون جون مسلمان افریقہ کی طرف بڑھتے گئے۔ اسی طرح ان کے لیے بحری معاملات کی طرف توجہ ضروری ہوتی گئی حضرت عقبہ بن نافع نے افریقہ کے علاقے پر مستقل قبضہ کرلیا اور اسکے کچھ عرصہ بعد موسیٰ بن نصیر نے افریقہ اور مغرب کے تمام ساحلی مقامات کو مسلمانون کے زیر تصرف کردیا نہ صرف یہ بلکہ انھون نے اندلس پر قبضہ کرکے بحیرۂ روم کے تمام جنوبی سواحل پر مسلمانون کا سیاسی اقتدار مستقلاً قائم کردیا، مگر ان مقامات پر بالاستقلال قابض رہنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک مسلمانون مین اتنی طاقت نہ ہو کہ یورپ کی بحری قوتون کا مقابلہ بخوبی کرسکین عربون مین اچھے جہازران مفقود تھے۔ اس کے برخلاف افریقہ کے باشندے اس فن سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ مسلمانون نے ان ہی لوگون کی مدد حاصل کی اور جہازون کا ایک بیڑا تیار کرلیا، آخر رفتہ رفتہ وہ خود اس کام مین اسقدر مشاق ہوگئے کہ افریقہ کے باشندون کی مدد سے بالکل مستغنی ہوکر انھون نے یہ کام مکمل طور پر اپنے ہاتھ مین لے لیا، موسیٰ ابن نصیر کے زمانہ مین تونس افریقہ کا بحری مرکز قرار پایا اور یہین پر انھون نے اپنا "دارالصناعۃ" قائم کیا، موسیٰ ابن نصیر کے زمانہ مین مسلمانون نے بحری معاملات مین اسقدر جرأت و استقلال کا اظہار کیا کہ کہنہ مشق ملاح حیران رہ گئے

افریقہ مین بحری طاقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی سلطنت مین بحری محکمہ بالکل ایک الگ حیثیت رکھتا تھا، اور اس کا افسر اعلےٰ "قائد الاساطیل" کہلاتا تھا،

اب ۹۲ھ کے بعد صورت حالات یہ تھی کہ مسلمان شام سے لے کر سبتہ تک تمام سواحل سمندر پر قابض تھے، اندلس پر قابض ہوجانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بحر اوقیانوس کی

ناکہ بندی ہوگئی تھی، دوسری طرف روڈس اور سائپرس پر قبضہ ہوجانے سے بحیرۂ روم کا مغربی ساحل بالکل محفوظ تھا، اندلس اور افریقہ کے اسلامی بیڑے بحیرۂ روم مین منڈلاتے پھرتے تھے۔ اور یہ سمندر بہیئت مجموعی عربون کی ملکیت مین آگیا تھا، مگر قسطنطنیہ کی رومی سلطنت اب تک اس قدر ہیچ اور ناکارہ نہین ہوئی تھی کہ مسلمانون کی بڑھتی ہوئی بحری طاقت کو دیکھتی اور اپنی حفاظت اور مسلمانون کی بیخ کنی کی کوشش نہ کرتی، تمام بحیرۂ روم مین جزیرۂ صقلیہ ہی اب ایک ایسا مقام تھا جو مسلمانون سے کسی حد تک محفوظ تھا، اور اس پر قبضہ رکھنا رومیون کے لیے ازبس ضروری تھا، لیکن دوسری طرف اگر مسلمان بحیرۂ روم مین اپنی بحری طاقت محفوظ رکھنا اور جنوبی یورپ اور بالخصوص اٹلی مین اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتے تھے تو ان کے لیے بھی اس جزیرہ پر قابض ہونا اسیقدر ضروری تھا، چنانچہ یہی جزیرہ آخر ان دو بحری طاقتون کی زور آزمائی کا میدان قرار پایا،

سیاسی اور تجارتی اغراض کے لیے صقلیہ ایک سرسبز وشاداب جزیرہ ہونے کے علاوہ بحیرۂ روم کے بالکل وسط مین واقع ہے۔ اور اس لیے کوئی ایسی سلطنت جو بحیرۂ روم مین اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہے اس جزیرہ کو نظرانداز نہین کرسکتی تھی، مزید بران افریقہ کی سلطنت کے لیے اس پر قبضہ کرنے کے یہ معنی تھے کہ اٹلی اور گرد و نواح کے ممالک کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا تھا، مسلمان صقلیہ کی اس اہمیت سے پوری طرح واقف تھے۔ چنانچہ ۳۳ھ ہی سے مسلمانون نے اس پر حملہ کرنے شروع کردیے تھے۔ مگر یہ تمام حملے محض چھاپے ہی چھاپے تھے، اور مسلمانون نے اس پر مستقل قبضہ کرنے کی جد و جہد اسوقت تک نہین کی تھی، ۱۳۵ھ اور بقول بعض ۱۳۰ھ مین عبدالرحمن ابن حبیب والئی افریقہ نے صقلیہ پر فوج کشی کی اور کچھ فتوحات بھی حاصل کین، مگر اس کے بعد ہی

والیان افریقہ خود اپنے ملک کے فتنہ و فساد مین اس طرح منہمک ہوگئے کہ اُس طرف بالکل توجہ نہ کرسکے۔ اور اس التوا سے فائدہ اٹھاکر رومیون نے اپنی طاقت کو مجتمع و مستحکم کرلیا، سنہ ۱۹۰ھ مین ابراہیم ابن الاغلب والئی افریقہ نے دس سال کے لیے رومیون سے صلح کرلی، اور اسکے بعد ہی خاندان ادریس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ صقلیہ کے برخلاف مسلمانون کا اجتماع ناممکن ہے سنہ ۱۹۸ھ مین ابوالعباس بن ابراہیم نے پھر حاکم صقلیہ سے دس سال کے لیے ایک نیا معاہدہ کیا جس مین تاجرون کی حفاظت کا خاص خیال رکھا گیا تھا، اس معاہدہ کی مدت ختم ہوجانے کے بعد بنو اغلب کو صقلیہ کی فتح کا مستقل خیال پیدا ہوا، اور خود جزیرہ کے لوگون نے مسلمانون کو حملہ کرنے کی دعوت دی،

واقعہ یہ تھا کہ سنہ ۲۱۱ھ مین یوفیموس نے جس کو عرب فیمی لکھتے ہین صقلیہ مین بغاوت کی، اس سے قبل وہ غالباً بحری جنگ و جدال مین نام پیدا کرچکا تھا، اور اس وقت صقلیہ مین ایک ممتاز عہدہ پر مامور تھا، یہین اس نے ایک راہبہ کو اپنے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا اور جب اس کے بھائیون نے دربار مین شکایت کی تو وہان سے حکم ہوا کہ فیمی کو گرفتار کرکے اس کی ناک کاٹ لی جائے، جب یہ حکم صقلیہ پہنچا تو اس وقت فیمی ایک بیڑا لے کر افریقہ کے ساحل پر چھاپہ مارنے کے لیے روانہ ہوچکا تھا، واپس آنے کے بعد اُسے اطلاع ہوئی کہ اسکی گرفتاری کا حکم نافذ ہوچکا ہے، یہ سن کر اسنے بغاوت کی اور چند روز مین صقلیہ کا مالک بنگیا، مگر اب خود اسکا ایک دوست اسکا مخالف ہوگیا، اور آخر فیمی کو صقلیہ چھوڑ کر بنو اغلب کے کے دربار مین پناہ لینی پڑی، وہ زیادۃ اللہ سے مدد کا طلبگار ہوا، اور وعدہ کیا کہ صقلیہ پر قابض ہوجانے کی صورت مین وہ بنو اغلب کا باج گذار ہوجائیگا، پھر وان کی مجلس شوریٰ مین فقہا و اکابر سلطنت کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا اور مختلف مشورے دیے گئے،

سحنون ابن قادم نے سخت مخالفت کی اور کہا صقلیہ قسطنطنیہ سے اس قدر قریب اور افریقہ سے اس قدر دور ہے کہ اگر مین پرندہ بھی ہوتا تب بھی اس پر سے نہ اڑتا، مگر قاضی اسد ابن فرات کے زور دینے پر جنگ کا فیصلہ کیا گیا۔ اور فیمی کو حکم ہوا کہ سوسہ مین جاکر مقیم ہوا ور وہین بیڑے اور فوج کا انتظام کرے۔ زیادۃ اللہ نے فوج اور بیڑہ تیار کیا اور قاضی اسد ابن فرات ہی کو اس پر حاکم مقرر کر دیا،

ابو عبد اللہ اسد بن فرات بن سنان مولی بنو سلیم فاتح صقلیہ ابو العرب کے بیان کے مطابق خراسان کے رہنے والے تھے، ابو سلیمان کہتے ہین کہ وہ ۱۴۲ھ مین حران کے مقام پر پیدا ہوئے اور جب ۱۴۴ھ مین خلیفہ منصور عباسی نے محمد ابن الاشعث کو فرقۂ صفریہ کی سرکوبی کے لیے افریقہ روانہ کیا تو فرات ابن سنان بھی اسکے لشکر مین شامل تھے، اور اس طرح دو برس کی عمر مین اسد قیروان پہونچے اور پانچ برس تک وہان رہے، سات برس کی عمر مین آپ تونس گئے، اور نو برس تک وہان رہے، اٹھارہ برس کی عمر مین قرآن شریف حفظ کیا، خود انھون نے بیان کیا ہے کہ جوانی کے زمانہ مین ایک مرتبہ انھون نے خواب دیکھا کہ میری پیٹھ پر گھاس اُگ آئی ہے اور مویشی اس کو چر رہے ہین، تعبیر بتانے والے نے اس خواب کی یہ تعبیر کی کہ اس لڑکے کو اس قدر علم وفضل حاصل ہوگا کہ دوسرے اس سے مستفید ہونگے، غالبًا تونس کے نہ سالہ قیام کے بعد جب وہ قیروان واپس آئے تو انھون نے اس مقام پر علی بن زیاد سے موطا سنی، اس کے بعد انھون نے تحصیل علم کے شوق مین مشرق کا سفر کیا، اور امام مالکؒ سے ملے، عراق مین امام اعظمؒ کے شاگردون یعنی قاضی ابو یوسفؒ، اسد ابن عمر اور محمد بن حسن کی صحبت سے مستفید ہوئے، یہین عراق مین حدیث لکھی اور فقہ حاصل کی، ۱۷۹ھ مین امام مالکؒ کی وفات کے بعد آپ مصر چلے گئے، اور وہان

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے وہ مشہور و معروف کتاب حاصل کی جو بعد مین ان کے نام پر اسدیہ مشہور ہوگئی،

اب اسد ابن فرات تحصیل علم سے بالکل فارغ ہو چکے تھے، اور اس قابل تھے کہ جو کچھ انھون نے حاصل کیا ہے دوسرون کو اس سے مستفید کرین۔ چنانچہ آپ قیروان واپس آئے اور درس و تدریس مین مشغول ہو گئے، بہت سے علمار نے ان سے موطا اور دوسری کتابین حاصل کین، اور ان کی شہرت تمام گرد و نواح کے علاقے مین پھیل گئی، آخر کار ۲۰۳ھ مین زیادۃ اللہ ابن الاغلب نے انکو افریقہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا، اور صقلیہ پر فوج کشی تک آپ برابر اس عہدہ پر فائز رہے، کہتے ہین کہ جب زیادۃ اللہ نے انکو امیر عساکر بنانے کی تجویز کی تو آپ نے کہا کہ خدا امیر کا بھلا کرے آپ مجھ کو قضار کے کام یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے معزول کرکے امیر بنانا چاہتے ہین، زیادۃ اللہ نے جواب دیا کہ نہین مین تم کو قضار سے معزول نہین کرتا بلکہ قاضی کے علاوہ امیر بھی بناتا ہون، اسطرح تم قاضی بھی رہوگے اور امیر بھی، مورخون کا بیان ہے کہ ان سے پہلے افریقہ مین قضار اور امارت کبھی ایک شخص کے ہاتھ مین جمع نہین ہوئی تھی،

بہرحال نصف ربیع الاول ۲۱۲ھ کو ہفتہ کے دن قاضی اسد ابن فرات کے زیر قیادۃ افریقہ کے بیڑے نے سوسہ کی بندرگاہ سے لنگر اٹھایا۔ اس بیڑے مین فیمی کے جہازات کے علاوہ تقریبًا سو جہازات تھے، منگل کے دن یہ بیڑا آخر صقلیہ کے بندرگاہ مازر پر جا نکلا۔ اور اسد ابن فرات نے اپنی فوج کو جس مین سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے خشکی پر اتارا۔ اور وہین ساحل پر قیام کیا۔ تین دن تک سوائے ایک چھوٹی سی فوج کے اور کوئی ان کے مقابلہ کے لیے نہ آیا، آخر یہ دیکھ کر اسد نے اپنی فوج کو یلغار کا حکم دیا اور بلاطہ

کی تلاش مین نکلے، یہ بلاطہ وہی شخص تھا جو پہلے فیمی کا دوست تھا اور آخر اس سے منحرف ہوکر صقلیہ پر قابض ہو بیٹھا تھا، مسلمانون کی فوج نے اُسے ایک مرغزار مین جا لیا، مسلمان جنگ کے لیے مستعد ہوے، مگر فیمی اور اس کے ہمدرد الگ ہوگئے اور مسلمانون کی مدد نہ کی مگر پھر بھی بلاطہ کو شکست ہوئی، اس کے بے انتہا آدمی مارے گئے، اور مسلمان اس کی تمام فوج اور اسباب پر قابض ہوگئے، بلاطہ بھاگ کر قصیریانہ مین پناہ گزین ہوا، مگر ایک ہی شکست سے وہ مسلمانون سے ایسا مرعوب ہوگیا تھا کہ اس قلعہ مین بھی اس نے اپنے آپ کو محفوظ متصور نہ کیا۔ اور سرزمین قلوریہ مین چلا گیا، اور وہین قتل ہوا،

اس کا فیصلہ کرنے کے بعد قاضی اسد ابن فرات ایک کنیسہ کی طرف روانہ ہوے جو ساحل سمندر پر واقع اور رافیمیہ کے نام سے مشہور تھا۔ اسکو فتح کرکے وہ کنیسہ مسلقین گئے، یہان انکو سرقوسہ کے بطارقہ کی ایک جماعت ملی۔ یہ لوگ مکر وفریب کے لیے وہان کے طالب ہوگئے جب سرقوسہ کے لوگ بالکل تنگ آگئے تو فیمی کی حمیت قومی نے جوش کیا، اور اس نے انکے پاس پیغام بھیجا کہ ثابت قدم رہین اور مستعدی اور تندہی سے جنگ کرین، قاضی اسد ابن فرات نے چند دن تو انتظار کیا، مگر آخر انپر ظاہر ہوگیا کہ ان لوگون نے مکر کیا ہے اور انکی نرمی سے فائدہ اٹھاکر انھون نے قلعہ کی مرمت کرلی ہے اور حوالئی قلعہ کا تمام مال و زر اور غلہ قلعہ مین داخل کرلیا ہے، یہ سمجھ کر وہ آگے بڑھے اور جنگ کی تیاریان شروع کین اطراف وجوانب مین فوجین روانہ کین۔ جنھون نے قتل وغارت کا بازار گرم کیا اور بہت سے قیدی لے کر واپس آئین۔ اُدھر افریقہ اور اندلس سے بھی ان کے پاس کمک پہنچ گئی، اور اس کی مدد سے انھون نے شہر سرقوسہ کا نہایت سختی سے محاصرہ کردیا، آخر محصورین امان کے طالب ہوئے۔ قاضی اسد صلح کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانون نے نہ مانا اور جنگ جاری رکھی،

اسی محاصرہ کے دوران مین مسلمانون کی فوج مین وبا پھیل گئی۔ اور اسی بیماری مین مبتلا ہوکر شعبان (اور بقول ابن ابی الدینار ربیع الآخر) ۲۱۳ھ مین قاضی اسد ابن فرات کا انتقال ہو گیا،

گو سپہ سالار فوج قاضی اسد نے اثنار جنگ مین وفات پائی، مگر اسلامی فوج کی ہمت و استقلال مین کسی قسم کی کمی واقع نہوئی، اور جس کام کی ابتدا ان کی طرف سے ہو چکی تھی وہ برابر جاری رہا، چنانچہ فوج نے محمد ابن ابی الجواری کو اپنا حاکم بنا لیا اور سرقوسہ کا محاصرہ بدستور جاری رکھا، فتوحات کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اور آخر ۲۱۶ھ مین بنو اغلب اس قابل ہو گئے کہ صقلیہ کا ایک الگ والی مقرر کر دین، یہ فتح کچھ ایسی مبارک اور مستقل تھی کہ ۴۴۴ھ تک مسلمان برابر اس جزیرہ پر مسلط رہے، اور جب نکلے تو رومی سلطنت کے نکالے نہ نکلے بلکہ ایک نئی قوم یعنے نارمنون کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے ان کو بے دخل کیا،[۱]

[۱] قاضی اسد ابن فرات کی سوانح عمری کا حصہ ریاض النفوس فی طبقات علما رقیروان و افریقیہ سے ماخوذ ہے، جس کا ملخص اماری نے اپنی کتاب "ببلیوٹیکا اربو سکیو کا" مین درج کیا ہے، (۱۸۵۸ء)

حیات امام مالک

ازمولنا سید سلیمان صاحب ندوی

فرنچ مستشرق دی تاسی
کا
تذکرۂ شعرائے اُردو

از

مولوی محمد محفوظ الحق بی۔ اے

مشہور فرانسیسی اُردو دان گارسن دی تاسی سے کم لوگ نا واقف ہونگے اُردو ادب و تاریخ کا یہ مشہور ماہر عرصہ تک ہندوستان کی گلگشت کرتا رہا اور جب فرانس واپس گیا تو اُسکا دامن یہان کے پھولون سے بھرا تھا۔ گارسن نے نہ صرف یہان کی زبانون مین مہارت حاصل کی بلکہ ہندی و اُردو مین جتنی قلمی کتابین مل سکین اُنکو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ ملک نے اُسکی کوششونکی قدر کی اور اپنی قومی یونیورسٹی مین ہندوستانی علوم و ادب کی چیر اُسکو عطا کی۔ وہان گارسن ہر سال اُردو علم و ادب کی ترقی پر لکچر بھی دیا کرتا تھا، جو چھپ کر شائع ہوگیا ہے اور بیحد دلچسپ اور پر از معلومات ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ تاسی کو ہندی و اُردو علم ادب کی تاریخ مین تبحر کا درجہ حاصل تھا، اور سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ یہان کی زبانون سے عموماً اور اُردو سے خصوصاً اُسکو عشق تھا اور غالباً یہ عشق اُسکی زمین کا خمیر ہے۔ وہ اُردو، کا بہت بڑا موید تھا، اور ہر جگہ اسکی خوبیون کو سراہتا تھا۔ ہندوستانیون سے عموماً وہ اِسی زبان مین خط و کتابت کرتا چنانچہ معلوم ہوا کہ ببلیاتھک نیشنل (پیرس) مین اُسکے بہت سے خطوط اب بھی محفوظ ہین،

تاسی کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست طویل ہے۔ صرف ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) مین اُسکی لکھی ہوئی حسب ذیل کتابین فرنچ زبان مین موجود ہین، جن کے دیکھنے اور پڑھنے

سے اُسکے شوق علم اور تبحر کا پتہ چلتا ہے،

۱- انتخابات از "گل بکاؤلی" مع ترجمہ (مطبوعہ پیرس ۱۸۳۵ء)

۲- سبق آموز قصے، نظمین اور گیت مترجمہ از عربی، فارسی، اُردو و ترکی (پیرس ۱۸۷۶ء)

۳- ایک ہندوستانی ڈراما کا انتخاب (پیرس ۱۸۵۰ء)

۴- ہندوستانی (اُردو) زبان کا ابتدائی رسالہ (پیرس ۱۸۳۲ء)

۵- ہندوستان کے مقبول گیت (پیرس ۱۸۵۴ء)

۶- منسوخ آیاتِ قرآن (پیرس ۱۸۴۲ء)

۷- انتخابات از ہندی و اُردو (پیرس ۱۸۴۹ء)

۸- مسٹر وُلرس کی "فارسی، سنسکرت اور زند کی کمپریٹو اسٹڈی" نامی کتاب مختصر اڈیشن (پیرس ۱۸۵۱ء)

۹- ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۹ء کے درمیان اُردو ادب کی ترقی پر تبصرہ مع ضمیمہ اُردو کورس (پیرس ۱۸۷۴ء)

۱۰- ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۷ء کے درمیان اُردو ادب کی ترقی پر تبصرہ (پیرس ۱۸۷۱ء تا ۱۸۷۸ء)

۱۱- مسلمانوں کی مذہبی اور فلسفیانہ شاعری ماخوذ از "منطق الطیر" عطار۔ (پیرس ۱۸۵۷ء)

۱۲- مسلمانوں کا علم بلاغت۔ ماخوذ از "حدیقۃ البلاغت"، (پیرس ۱۸۴۴ء)

۱۳- انتخاب از بوستانِ شیخ سعدی معہ خلاصہ۔ (پیرس ۱۸۵۹ء)

۱۴- فسانۂ سکنتلا ماخوذ از مہابھارت (پیرس ۱۸۵۲ء)

۱۵- اُردو مولفین و مصنفین کے حالات اور اُنکی تالیفات تصنیفات کا ذکر۔ مرتبہ از تذکرہ جات (پیرس ۱۸۶۸ء)

۱۶- اسمار والقاب اہل اسلام (پیرس ۱۸۵۴ء)

۱۷- ذکر تذکرہ جات مشتمل بر حالاتِ شعرا و مصنفین ہندی و اُردو (پیرس ۱۸۳۸ء)

۱۸- نظر بر "انوار سہیلی" مولفہ ملا حسین واعظ کاشفی۔ (پیرس ۱۸۳۷ء)

۱۹- ذکر کتبہ جات عربی و فارسی و اُردو، (پیرس ۱۸۳۸ء)

۲۰- ہندوؤن کے اُن کھانون کا حال جنکا پتہ اُردو کتابون سے ملتا ہے (پیرس ۱۸۳۴ء)

۲۱- مسلمانانِ شرق کا علمِ عروض (خصوصاً عربی، فارسی، ترکی و اُردو عروض) (پیرس ۱۸۴۸ء)

۲۲- مسلمانانِ شرق کا علمِ عروض و بلاغت (پیرس ۱۸۴۷ء

۲۳- ہندی کا ابتدائی رسالہ (پیرس ۱۸۴۸ء)

۲۴- سعدی (دکھنی) ہندوستان کا ایک مشہور شاعر (پیرس ۱۸۴۳ء)

۲۵- فلسفہ مذہب۔ اسلام قرآن اور عقائد و اعمال پر بحث (پیرس ۱۸۷۴ء)

۲۶- عباس خان لکھور شروانی احمدی کی "تاریخ شیر شاہی" کے ایک باب کا ترجمہ مشتمل برحالات مسلمانان درعہدِ شیر شاہ (پیرس ۱۸۶۵ء)

۲۷- (سر) سید احمد خان کی "آثار الصنادید" کا ترجمہ (پیرس ۱۸۵۲ء)

۲۸- فلسفہ حیدری۔ اور مسکین کی نظمونکا ترجمہ (پیرس ۱۸۴۵ء)

۲۹- ترجمہ و انتخاب "اخوان الصفا" (از اُردو ترجمہ کتاب ہذا) (پیرس ۱۸۶۴ء)

۳۰- مذہب اسلام کے عقائد ماخوذ از قرآن (پیرس ۱۸۲۶ء)

۳۱- انتخاب کلام میر تقی میر مع ترجمہ (پیرس ۱۸۲۶ء)

۳۲- ترجمہ "تشریح قوانین اہل اسلام"، مولفہ محمد بن پیر علی البرکادی در ترکی (پیرس ۱۸۲۲ء)

۳۳- عزیز الدین المقدسی کے پند آموز قصون کا ترجمہ مع نوٹ وغیرہ (پیرس ۱۸۲۱ء)

۳۴- ترجمہ "قصہ کامروپ" مولفہ تحسین الدین (پیرس ۱۸۳۴ء)

۳۵- "عہد آہنی" کی مدت۔ وشنو داس کی ایک ہندی کتاب کا ترجمہ (پیرس ۱۸۵۲ء)

۳۶- انتخاب کلام ولی (دکھنی) مع ترجمہ (پیرس ۱۸۳۶ء)

حسب ذیل دو کتابین جو اس فہرست مین درج نہین امپیریل لائبریری (کلکتہ) مین ہین،

۳۷ - ہندی و اُردو کورس برائے امپیریل اسکول، مع انتخابات از زبانہائے مشرقیہ،

۳۸ - خصوصیات اہل اسلام در ہند۔ ماخوذ از کتب اُردو،

مندرجہ بالا کتابین تو ہندوستان کے صرف دو کتب خانون مین ہین، لیکن اگر برٹش میوزیم (لندن)، یا بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) کی فہرست اُٹھا کر دیکھی جائے تو میرا خیال ہے کہ اس فہرست مین اور بھی اضافہ ہوسکتا ہے، ناظرین اس امر کو پیش نظر رکھین کہ اس طویل فہرست مین وہ بے شمار مضامین درج نہین ہین جنکو وقتاً فوقتاً گارسن نے یورپ کے مختلف علمی رسائل مین شائع کیے لیکن اگر اُنکی فہرست بھی شامل کردی جاتی تو میرا خیال ہے کہ یہ فہرست اور چند صفحے بڑھ جاتی۔ بہرکیف! اس بیان سے قطع نظر کرکے مین اب اُسکی بہترین تالیف "تاریخ زبان ہندی و اُردو" کی طرف متوجہ ہوتا ہون، جس سے بہتر جامع مفصل اور مکمل کتاب، ہندی و اُردو شعراء و مصنفین کے حالات مین کسی زبان مین نہین لکھی گئی۔ یہ تاریخ جو دراصل تذکرہ ہے پہلے دو ضخیم جلدون مین پیرس سے ۱۸۳۹ء مین شائع ہوئی تھی۔ اُسکے بعد مولف نے اسپر نظر ثانی کی اور بہت سے شعراء و مصنفین کے حالات جو اُسوقت دستیاب نہوئے تھے اسمین بڑھائے اور ۱۸۷۰ء مین اسکا دوسرا ایڈیشن تین ضخیم جلدون مین شائع کیا؛ اس کے شروع مین ایک دلچسپ اور طویل مقدمہ ہے جسمین اُردو و ہندی کی تاریخ، لٹریچر اور اصناف سخن وغیرہ پر ایک قابل قدر بحث ہے اُسکے بعد اصل تذکرہ شروع ہوتا ہے، اور (بقول مولف) کوئی تین ہزار اُردو و ہندی شعرا و مصنفین کے حالات پر ختم ہوتا ہے۔ اس طویل فہرست مین صرف ۲۵۰ ہندی کے اور بقیہ ۲۷۵۰ اُردو کے شعرا و مصنفین ہین، اور اِس آخر الذکر فہرست مین بھی ۲۲۰۰ مسلمان ہین،

افسوس ہے کہ اس قابل قدر (تاریخ، تذکرہ) کا جو اپنی جامعیت، ضخامت اور صحت

کے اعتبار سے لاجواب ہے، اب تک کوئی انگریزی یا اُردو ترجمہ شائع نہین ہوا۔ صرف انجمن ترقی اُردو (حیدرآباد) کی فہرست تراجم مین چندسال سے اس کتاب کا بھی نام آتا ہے کہ اس کا ترجمہ ہورہا ہے لیکن خبر نہین کہ اسوقت تک کتنے صفحات کا ترجمہ تیار ہے، اور کب تک اسکے شائع ہونے کی اُمید ہے۔ بہرکیف! دعا ہے کہ یہ صحیفۂ علمی جلد سے جلد شائع ہو۔

راقم کا عرصہ سے خیال تھا کہ اس تذکرہ کا ترجمہ کرے لیکن ع زبان یارمن ترکی ومن ترکی نمی دانم کی مثل صادق آتی تھی اس لیے مجبوری تھی۔ حُسن اتفاق سے ۱۹۱۷ء مین محترمی نواب سیّد نصیر حسین خان صاحب خیالؔ نے راقم کو اس تذکرہ کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ دکھایا جو قلمی اور مسودہ کی صورت مین تھا، اور ایک حدتک مکمل تھا۔ یہ ترجمہ نواب صاحب کو اس تقریب سے دستیاب ہوا کہ جن دنون وہ فرنچ زبان سیکھ رہے تھے تو گارسن کا تذکرہ بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ اتفاق سے اُنکے مرحوم فرنچ اُستاد کو کسی لیڈی نے لکھا کہ پانڈیچری مین ایک ریٹائرڈ کپتان رہتا ہے اُس کے پاس اس تذکرہ کا قلمی انگریزی ترجمہ موجود ہے۔ نواب صاحب موصوف کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو اُنھون نے فوراً اُسکو خط لکھا اور ترجمہ دیکھنے کے لیے مانگ بھیجا۔ اُس فرنچ کی شرافت دیکھیے کہ نہ صرف ترجمہ بھیجدیا بلکہ لکھا کہ "اب میری بینائی جاتی رہی، اس لیے نہ تو اس سے زیادہ ترجمہ ہونے کا قرینہ ہے اور نہ اسکے شائع ہونے کی اُمید۔ اس لیے مین اپنا سارا مسودہ آپکے پاس بھیج رہا ہون۔ آپ جو مناسب سمجھین کرین"۔ یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ نواب صاحب نے اسکے ترجمہ کی خدمت راقم کے سپرد فرمائی اور مین نے یہ کام شروع کر دیا، اور ایک اچھے حصّہ کا ترجمہ بھی ختم کر دیا۔ لیکن بعض موانع ایسے پیش آئے کہ ترجمہ تو کیا ۱۹۱۸ء کے بعد سے اُن اوراق کے دیکھنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ اب اپنی غفلت پر ندامت اور افسوس دونون ہے۔ بہرکیف! مین کفارہ دینے کے لیے حاضر ہون اور اگر "دارالمصنفین"، "انجمن ترقی اُردو" یا کوئی دوسری

مجلس آمادہ ہو تو بالفعل مین اُسکا قابل قدر مقدمہ (جو بجائے خود مستقل کتاب ہے) شائع کرنے کے لیے تیار ہون، اور اگر کوئی انجمن یا پریس واقعی مستعد ہو تو پورے تذکرہ کو بھی شائع کرسکتا ہون صرف جلد دوم کے لیے ہمین ایک فرنچ اُستاد کی ضرورت ہوگی، جلد سوم مین زیادہ تر انتخابات ہین اسلیے اُنکے ترجمہ کی چندان ضرورت نظر نہین آتی،

تذکرۂ تاسی کی جامعیت کا اندازہ آیندہ سطور سے ہوگا، جس مین مولف نے اُن تذکرون اور گلدستون کا حال یا نام لکھا ہے جو اُسکی تالیف کا ماخذ ہین۔ حق تو یہ ہے کہ تلاش وجستجو کی یہ ایک قابل تقلید مثال ہے، اور اِس سے ہم لوگون کو بہت کچھ سبق مل سکتا ہے،

اِن سطور کے شائع کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ "اُردو تذکرون" کی ایک طویل فہرست تیار ہوجائے، اور شائقین تالیف وتصنیف کو اُردو تذکرون، کی تلاش مین مدد ملے اور جو تذکرے اِس فہرست مین موجود نہین ہین، یا جو موجود ہین لیکن اب نایاب ہین اُنکی تلاش وتفتیش کی جائے یہ فہرست گو مکمل نہین لیکن قابل قدر ضرور ہے، مولف نے بعض تذکرون (مثلاً سرو آزاد وغیرہ) کے متعلق غلطی کی ہے، لیکن مین نے عمداً اُسکی اصلاح نہین کی ہے، اور اسی طرح شائع کردیا ہے اُمید ہے کہ ناظرین اُسکو بطور خود دیکھ لینگے:

آیندہ نمبر مین تاسی کے مقدمہ کی تلخیص ہدیۂ ناظرین ہوگی،



سلہ معارف:۔ چونکہ انجمن ترقی اُردو اسکے ترجمہ کا اعلان کرچکی ہے، اسلیے وہ زیادہ مستحق ہے لیکن اگر کسی سبب سے وہ تیار نہو تو دار المصنفین اسکے لیے حاضر ہے،

بابَر یا بابُر

از مولوی سید نجیب اشرف ندوی

بعض اوقات ہم معمولی چیزون کے متعلق ایسی شدید غلطی کرتے ہین کہ وہ صدیون تک قائم رہتی ہے اور پھر اوسکی تصحیح کے لیے ہمکو دلائل اور شواہد کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ ہمارے اکثر مغل اور ترک سلاطین کے نام ولقب ترکی ہوتے تھے اور عام سرکاری زبان فارسی تھی، اسیلیے اکثر ترکی نام فارسی لب ولہجہ مین آکر بدل جاتے تھے، اور ہم اونکو صحیح اور اصل سمجھتے ہین، اسی قسم کی غلطی ہم آجتک ہندوستان کے مشہور نامور شہنشاہ، بانی سلطنت مغلیہ ظہیر الدین بابر کے متعلق کرتے آئے ہین، ہم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اس شہنشاہ اعظم کے نام کا آخری لفظ بابَر (بفتح بائے ثانیہ) ہے، لیکن تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ بابَر نہین بلکہ بابُر ہے، (بضم بائے ثانیہ) اس دعوی کے ثبوت مین یہ دلائل پیش کیے جاسکتے ہین،

چونکہ بابَر اور بابُر اردو اور فارسی مین ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے، اسیلیے تاریخ کی عام کتابون سے اس لفظ کی صحت مشکل ہے، ہمارے فارسی لغت نویسون نے بھی اس لفظ کی صحت سے اعتنا نہین کیا ہے، اس بنا پر اس مشکل کے حل کرنے کے لیے ہمارے پاس دو ذریعہ ہین اول تو یہ کہ ہم کسی ایسی نظم کو تلاش کرین جسمین لفظ بابر قافیہ واقع ہوا ہو- یا پھر ایسی زبان کے مصنفین کی طرف رجوع ہون جنکا خط عربی ہو، حسن اتفاق سے ایک ایسی نظم مل گئی ہے، جس مین لفظ بابر قافیہ واقع ہوا ہے

سلاطینے کہ کشور میکشائند	زخوان گوے دولت میربایند
نباشد از خلاف ظلم کیشان	بیک منوال دائم حال ایشان
بیک نہضت گہے ملکے ستانند	گہے درکار خود حیران بمانند

ثمر نوشند گاہے در سمرقند | زمانے نے ثمر یابند نے گند
چنین باشد درا دل حالِ ایشان | بود رافت وخیز اقبال ایشان
دلے یابند آخر سرفرازی | چون سلطان جہان خاقان غازی
ظہیر الدین محمد پادشاہے | کہ مانندش نبودہ دین پناہے
خدیو کامران پرتوِ دُر | ملاذ ملک ملت شاہ بابُر[۱]

بعض حضرات اسپر یہ اعتراض کرسکتے ہین کہ فارسی شاعری مین اس قسم کے قافیہ جائز ہین اور اسکے ثبوت مین خود بابر کا یہ شعر پیش کرسکتے ہین کہ:-

تا بزلف سیہش دل بستم | از پریشانیِٔ عالم رُستم

ہان یہ صحیح ہے، لیکن اگر صرف یہی ایک ثبوت ہوتا تو البتہ یہ مسئلہ متنازع فیہ تھا، لیکن اسکے متعلق اسقدر متعدد ثبوت ہین کہ یہ نظم بھی ہمارے ثبوت مین ایک اضافہ ہی ہے،

اب ہمکو انگریزی، فرنچ، جرمنی زبان کے مستشرقین کی طرف متوجہ ہوکر دیکھنا چاہیے کہ اونھون نے اپنی اپنی زبانون مین اس لفظ کا کیا تلفظ کیاہے، بریزن (Brezine) المنسکی (Ilminskii) اور ٹیوفل (Teufal) جیسے مورخ و مستشرق اسے بابُر (Babur) لکھتے ہین،

بخارا و کاشغر کے ترکی بولنے والے لوگون سے بھی دریافت کیا گیا وہ صاف بابُر کہتے ہین سنہ ۱۹۱۰ء مین ڈاکٹر ای، ڈی، راس، سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ نے بھی اس لفظ کے صحیح تلفظ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی، اور اس غرض سے مختلف ممالک کے مستشرقین کو خطوط لکھے۔ اونکے جوابات کے اقتباسات ذیل مین درج ہین،

[۱] (جلد سوم صفحہ ۲۹۱) Bombay Lithograph part 3 page 291

مسٹر اِلس (Mr Ellis) اسسٹنٹ لائبریرین انڈیا آفس لکھتے ہین،

وائنا کے کتب خانہ کی عربی وفارسی کتب کی جو فہرست فلوگل (Flugal) نے بنائی ہے، اوسکی جلد دوم صفحہ ۵۱۱ پر ایک پادشاہ نامہ کا تذکرہ ہے، جسکے آخری سادہ صفحہ پر بابر کے چند اشعار لکھے ہوئے ہین، فلوگل اون اشعار کے مصنف کا نام (Babur Padscha) دیتا ہے اور اسکے معنے یہ ہین کہ اس نسخہ مین بابور لکھا ہوا ہے۔

مسٹر اِلس کو اسپر شک ہوا اور انھون نے پروفیسر گیبر (Prucupa) سے تصدیق چاہی، نسخہ کو بذات خود دیکھ کر اونھون نے اسکی صحت کی گواہی دی،

آگے چلکر مسٹر اِلس لکھتے ہین، کہ خود میرے قبضہ مین رکن بن شرف الدین الحسینی العاملی کی ایک کتاب پنجاہ باب سلطانی ہے، یہ کتاب اصطرلاب کے متعلق ہے، یہ رسالہ مغیث السلطنت والدنیا والدین ابوالقاسم بابُر بہادر خان کے نام سے معنون ہے،

بادشاہ کا نام صاف طور سے مضموم (بابُر) ہے؛ مصنف نے یہ کتاب ہرات مین ۸۶۲ھ مین لکھی ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ نسخہ اُس سے بہت بعد کا نہین۔

مسٹر ایچ بورِج (Mr H Beveridge) نے جواب دیتے ہوے المنسکی کے نسخہ کا حوالہ دیا ہے جسمین بابُر کی ایک کتاب موسوم بہ مبیّن کا حوالہ دیا ہے، یہ نسخہ ۱۸۵۷ء مین قاآن مین شائع ہوا تھا، اسمین صفحہ ۲۲۹ کا چھٹا شعر وہ ہے، جسمین خود بابر نے بابُر کو "دور" کا ہم قافیہ منظوم لکھا ہے،

اوشبو لار کیم بارین دیدی بابُر ۔۔۔ بیانا سین کیم مفصل ایما ندور

مسٹر موصوف نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو (Asiatic quarterly Review) جنوری ۱۹۰۶ء مین ایک مضمون "حبیب السیر و بابر" کے عنوان سے لکھا ہے اسمین لکھتے ہین

ڈاکٹر ریو (DR. Rieu) کا خیال ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ بابُر (Babur) ہے،

مشہور مستشرق مسٹر سٹینلی لین پول جنھون نے ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ کے علاوہ بابر اور اورنگ زیب کے حال مین مستقل کتابین لکھی ہین اور اپنی کتاب کا نام بابُر (Babar) رکھا ہے، لکھتے ہین،

ڈاکٹر ریو کے قول کے مطابق خود شہنشاہ موصوف کے شعر کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اسکے نام کا صحیح تلفظ بابُر (BABUR) ہے"

اس مضمون مین ہندوستان کے صرف ایک بادشاہ کے نام کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے، لیکن ہمارے سلاطین اور حکمرانون مین اور بہت سے اشخاص ہین جن کے نام بھی ترکی ہین، مثلاً ایبک، التمش، تغلق، بلبن وغیرہ سب کے سب ترکی ہین اور ہندوستانیون کو نہین معلوم کہ موجودہ تلفظ بھی صحیح ہے یا نہین، اگر ان نامون کی تصحیح ہوجائے تو وہ بہت سے لغو قصے جو ان سلاطین کے نامون کے وجہ تسمیہ کے متعلق ہمارے مورخین لکھتے ہین اونکی بھی تنقید ہوجائے گی، اس فرض کو وہ حضرات جنکو ترکی زبان اور تاریخ ہند سے واقفیت ہو بکمال خوبی انجام دے سکتے ہین، امید ہے کہ ایسے اصحاب ادھر توجہ کرینگے،

اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہمارے دوستون کو معلوم ہوگا کہ فارسی تاریخون مین اکثر اسلحہ اور عہدون کے نام، عدالتی و فوجی اصطلاحات، اور سامان تمدن کے بھی الفاظ ترکی ہین، اور اونمین سے اکثر وراثتہً ہماری اُردو زبان مین بھی مستعمل ہین، انکی لغوی تحقیق اور انکی اصلیت کا سراغ لگانا اُردو لغت کی بھی ایک خدمت ہے،

منتخبات

جرمنی کے صنعتی مدارس اور یونیورسٹیان

تونس کے علمی رسالہ الفجر نے رجب سنہ ۴۰ھ کے پرچہ مین، جرمنی کی تعلیمی کوششون کا ایک مختصر نقشہ کھینچا ہے، ایک مشکلات سے لبریز لیکن زندہ قوم کی کہانی ہمارے لیے کیا سودمند ہوگی؟

جرمنی طلبہ کی تعداد حیرت انگیز طریقہ سے بڑھ رہی ہے، اون طلبار کی تعداد جنکا تعلق کسی خاص مدرسۂ صنعت یا یونیورسٹی سے ہے سنہ ۱۹۲۱ء کے گرما مین ۱۱۰۷۵۴ تک پہونچ گئی ہے حالانکہ اوس سے چھ ماہ قبل سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے سرما مین ۱۰۹۳۳۰ سے زائد نہ تھی،

اِن مین صنعتی ہائی اسکول مین تعلیم پانے والے طلبار کی تعداد ۲۲۳۲۴ ہے اور اون طلبار کی جو کسی یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہین ۸۷۵۳۰، یہ لڑکون کے متعلق تھا، لڑکیونکی تعداد بھی اسی طرح نمایان طور سے بڑھ رہی ہے، سنہ ۲۱-۲۰ء کے جاڑون مین اونکی تعداد ۸۴۵۹ تھی لیکن گرمیون مین ۸۶۳۶ تک ترقی کر گئی ہے،

ہماری حیرت و استعجاب کی اوسوقت کوئی حد باقی نہین رہتی جب ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگون نے تعلیم ختم کرکے یا کسی اور وجہ سے اِن مدارس کو ترک کر دیا ہے اونکی تعداد کہین زیادہ ہے، اس کے ساتھ اون لوگون کے نامون کا بھی اضافہ کیجیے جو لڑائی کے زمانہ مین اپنے مدارس چھوڑ کر گئے اور آجتک لوٹ کر نہین آئے، ایسے لوگون کی تعداد کچھ کم نہین ہے اونکا اوسط بھی ۲۵ فیصدی ہے، پس ہم دیکھتے ہین کہ اس کمی کے باوجود بھی اونکی تعداد بڑہتی ہی جاتی ہے اور کوئی چیز اس سے

زیادہ عجیب نہین ہے، اور یہ صاف طور سے بتاتی ہے کہ یہ قوم کسقدر شائق وطالب علم ہے لیکن جو شے کہ ہمکو سب سے زیادہ تعجب مین ڈالتی ہے، وہ یہ کہ یہ طلبہ شوق علم مین جسمانی صعوبتین برداشت کرتے، روپیہ خرچ کرتے اور شائد سخت تکلیف سے زندگی بسر کرتے ہین اور اس طرح اپنے کو علم و وطن کی خدمت کے لائق بناتے ہین،

البتہ جو اشخاص کہ صرف لکچر سنتے تھے اونکی تعداد مین سنہ ۱۹۲۰ء کے جاڑے سے سنہ ۲۱ء گرمی مین کمی ہوگئی ہے یونیورسٹیون اور کالجون دونون کا ایک ہی حال ہے؟

لیکن یہ جرمنی کی معمولی حالت ہے جنگ سے پہلے بھی داخلہ کی تعداد گرمیون سے جاڑے دن مین زیادہ ہوتی تھی،

مجموعی حیثیت سے بھی اونکی تعداد قبل از جنگ کی تعداد سے دوچند ہوگئی ہے، اور اس سال بھی اوسمین اضافہ ہوا ہے، پہلے صرف کالجون مین اونکی تعداد ۲۵۶۶ تھی اور اب ۴۲۶۰ ہے،

اب ہم جرمنی کی مجموعی ترقی کو جو اوسنے سنہ ۱۳ء سے سنہ ۲۱ء تک کی ہے ذیل کے نقشہ کے ذریعہ دکھاتے ہین،

مہینے	طلبہ کی تعداد		شرکائے خطبات علمیہ کی تعداد	
	لڑکے	لڑکیان	لڑکے	لڑکیان
گرما سنہ ۱۹۱۳ء	۵۶۶۹۳	۳۳۶۸	۶۵۶۸	۱۰۸۰
سرما سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء	۵۵۶۱۴	۳۶۴۹	۷۸۴۸	۱۵۱۰
گرما سنہ ۱۹۱۴ء	۵۶۶۹۱	۴۰۵۷	۷۰۷۶	۱۰۱۰
سرما سنہ ۱۵-۱۹۱۴ء	۴۸۵۷۲	۳۹۰۱	۲۵۵۶	۸۷۶
گرما سنہ ۱۹۱۵ء	۴۹۲۲۱	۴۵۶۸	۲۱۳۸	۴۸۷
سرما سنہ ۱۹-۱۵-۱۶ء	۴۹۸۱۸	۴۶۵۰	۲۹۸۰	۱۵۰۵

مہینے	طلبہ کی تعداد		شرکاے خطبات علمیہ کی تعداد	
	لڑکے	لڑکیان	لڑکے	لڑکیان
گرما سنہ۱۹۱۶ء	۵۱۰۰۸	۵۴۳۵	۲۰۸۴	۱۱۴۵
سرما سنہ۱۹۱۶-۱۷ء	۵۵۲۱۹	۵۷۰۱	۳۱۷۸	۱۶۶۰
گرما سنہ۱۹۱۷ء	۵۸۷۷۴	۶۲۰۴	۲۷۴۹	۱۰۴۲
سرما سنہ۱۹۱۷-۱۸ء	۶۲۰۹۸	۶۵۶۳	۳۴۹۵	۱۸۱۲
گرما سنہ۱۹۱۸ء	۶۴۳۹۱	۷۱۸۸	۳۸۱۲	۱۴۷۷
سرما سنہ۱۹۱۹ء	۶۹۵۱۰	۷۳۳۹	۵۹۳۰	۱۹۷۷
گرما سنہ۱۹۱۹ء	۰۱۱۱۲	۸۲۱۶	۹۷۶۵	۳۵۰۱
سرما سنہ۱۹۱۹-۲۰ء	۸۱۱۰۲	۸۲۴۴	۱۲۸۵۷	۵۳۲۸
گرما سنہ۱۹۲۰ء	۷۸۳۹۵	۸۱۸۶	۱۱۴۵۷	۲۹۲۸
سرما سنہ۱۹۲۰-۲۱ء	۷۸۱۹۴	۸۱۷۳	۱۶۲۹۰	۵۱۱۹
گرما سنہ۱۹۲۱ء	۷۹۱۳۵	۸۲۹۵	۱۳۹۳۳	۲۹۲۹

اب یہ جاننا چاہیے کہ یہ طلبہ کن کن فنون کو حاصل کرتے ہین، ذیل کے نقشہ سے ہکو یہ بوضاحت معلوم ہو جائیگا اور اسکے ساتھ ہی ساتھ سنہ۱۴ء اور سنہ۲۱ء کی تعداد سے موازنہ ہو جائیگا،

نقشہ اول، یونیورسٹی کے طلبہ

علوم (موضوع)	طلبہ	سنہ۱۴ء	سنہ۲۱ء
تعلیم انجیل	لڑکے	۴۲۱۶	۳۲۸۱
	لڑکیان	۱۸	۷۲

علوم (موضوع)	طلبہ	سنہ ۱۴ء	سنہ ۲۱ء
کیتھولک مذہب کی تعلیم	لڑکے	۲۰۵۵	۲۱۴۹
	لڑکیاں		
قانون	لڑکے	۹۶۱۷	۱۹۳۹۸
	لڑکیاں	۵۷	۶۱۸
اقتصاد سیاسی	لڑکے	۲۳۶۰	۹۹۴۵
	لڑکیاں	۱۲۸	۸۶۵
طب	لڑکے	۱۵۴۶۱	۱۴۷۱۲
	لڑکیاں	۹۷۹	۲۰۲۵
تشریح الانسان	لڑکے	۹۳۲	۴۶۷۵
	لڑکیاں	۳۸	۳۰۴
ادبیات (لٹریچر)	لڑکے	۱۰۸۳۲	۹۵۵۰
	لڑکیاں	۱۸۷۷	۲۷۲۵
ریاضیات وتاریخ طبعی	لڑکے	۶۱۴۸	۶۲۰۳
	لڑکیاں	۷۳۳	۹۳۲
کیمسٹری	لڑکے	۸۸۵	۲۸۵۲
	لڑکیاں	۲۹	۱۹۵
دواسازی	لڑکے	۱۰۷۶	۸۴۸
	لڑکیاں	۱۰	۱۴۵

علوم (موضوع)	طلبہ	سنہ۱۴ء	سنہ۲۱ء
زراعت	لڑکے	۱۳۵۳	۳۱۱۸
	لڑکیان	۷	۴۹
مختلف علوم	لڑکے	۱۰۶۶	۲۵۲۴
	لڑکیان	۱۸۱	۳۶۵
میزان	لڑکے	۵۶۶۹۱	۷۹۲۳۵
	لڑکیان	۴۰۵۷	۲۹۵
	میزان کل	۶۰۷۴۸	۷۹۵۳۰

اِن اعداد کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اِن ۸ سالون مین ۲۷۷۴۲ طلبہ کا یونیورسٹیون مین اضافہ ہوا ہے، اب ہم صنعتی کالجون کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین ذیل کے نقشہ سے اونکی ترقی ظاہر ہے

فنون	طلبہ	سنہ۱۴ء	سنہ۲۱ء
ہندسہ (انجنیرنگ)	لڑکے	۲۱۸۲	۱۸۴۸
	لڑکیان	۱۹	۴۱
آلات سازی	لڑکے	۲۷۶۵	۳۱۴۷
	لڑکیان	۱	۲
میکانک	لڑکے	۳۵۱۱	۸۵۵۹
	لڑکیان	۲	۱۳
برقیات	لڑکے	۸۷۴	۲۹۷۰
	لڑکیان	۱	۳

کیمائیات علمی	لڑکے	۱۸۶۰	۳۶۱۹
	لڑکیان	۱۱	۱۱۳
مختلف علوم	لڑکے	۷۹۷	۱۸۵۴
	لڑکیان	۷	۳۹
فنون عامّہ	لڑکے	۳۹۱	۹۷۶
	لڑکیان	۳۷	۱۳۰
میزان	لڑکے	۱۲۳۸۰	۲۲۸۷۳
	لڑکیان	۷۸	۳۴۱
	میزان کل	۱۲۴۵۸	۲۳۲۱۴

اس ترقی سے پتہ چلتا ہے کہ صنعتی مدارس کے طلبہ ۸ سال کے عرصہ مین تقریبًا دونے ہوگئے ہین، المختصر تمام بڑی یونیورسٹیون اور صنعتی کالجون کے طلبہ کی تعداد ۱۹۱۲ء مین ۷۳۲۰۶ تھی اور ۱۹۲۱ء مین ۱۱۰۷۵۴ ہوگئی یعنے ۳۷۵۴۸ طلبہ کا اضافہ ہوا (اور یہ وہ اعداد و شمار ہین جو ہمنے صرف بڑی یونیورسٹیون اور مشہور کالجون کے لیے ہین)

یہ اس قوم کی تعلیمی ترقی کی داستان ہے جو شش سالہ جنگ سے چورچور ہوگئی تھی جسکا ہر گھر ماتم سرا ہے، جسکے سکہ کی قیمت دنیا کے بازار مین خرمہرہ سے زیادہ نہین تاہم اُنکی ہمت بلند کے سامنے یہ سب نشیب و فراز برابر ہین،

نجیب اشرف ندوی

تلخیص و تبصرہ

حکیم اجمل خان

جون ۱۹۲۲ء کے ماڈرن ریویو مین، مسٹر اینڈریوز نے حکیم اجمل خان پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، جسمین پہلے اونکے خاندانی حالات، پھر خود اونکی زندگی کے واقعات اور اسکے بعد اونکے قومی و ملکی خدمات گنائے ہین، اکثر واقعات مسٹر موصوف نے اپنے عینی دیکھے بیان کیے ہین، اور دکھایا ہے کہ وہ ہندوستان مین "ہندو مسلم اتحاد کا زندہ مجسمہ" ہین،

حکیم صاحب کا خاندان کاشغر سے جو اب چینی ترکستان مین واقع ہے، ہندوستان آیا تھا، اس خاندان کے مورث اعلیٰ بابر کی فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے ہندوستان وارد ہوے تھے، اسکے بعد اس خاندان مین خواجہ ہاشم اور خواجہ قاسم دو بھائی پیدا ہوے، یہ دونون حیدرآباد سندھ مین رہتے تھے، اور وہان بڑے کامل بزرگ مانے جاتے تھے، ملا علی قاری جو ہندوستان کے مشہور محدث اور عالم اور مصنف تھے اور جنھون نے مکہ معظمہ مین اقامت اختیار کرلی تھی، وہ بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہین،

طب اور علاج و معالجہ کا شغل اس خاندان مین حکیم فاضل خان کے وقت سے شروع ہوا جو ملا علی قاری کے پوتے تھے، اسکے بعد اس خاندان مین طب کا غیر منقطع سلسلہ شروع ہوگیا جو ابتک بحمداللہ قائم ہے، اس خاندان نے نہ صرف ہندوستان مین فن طب کو قائم و باقی رکھا بلکہ اونھین کی ذات سے تمام ایشیا مین اوسنے قیام و بقا حاصل کی، اونکا کاشانہ مریضون کے لیے دارالشفاء تھا تو طالب العلمون کے لیے دارالعلم،

اس خاندان کی طبی شہرت حکیم شریف خان کے زمانہ مین اوج کمال کو پہنچ گئی، اونکی طبی تصنیفات نے قبول عام حاصل کیا، انکا زمانہ محمد شاہ کا تھا، شاہی طبیب کی حیثیت سے اس خاندان کو تیموری دربار سے تین دفعہ جاگیرین عطا ہوئین، جن مین اخیر جاگیر ۵۷ء کے غدر مین ضبط ہوگئی،

حکیم شریف خان نے اچھی خاصی عمر پائی، اونکے بعد حکیم محمود خان نے شہرت حاصل کی، اور اونھون نے بھی ۷۴ برس کی عمر پائی، دہلی اور دہلی سے تمام ہندوستان مین عموماً اور شمالی ہندوستان مین خصوصاً انکی طرف رجوع عام تھا، اس خاندان کی طبی درسگاہ نے مزید شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور نہ صرف ہندوستان مین بلکہ مشرق وسطی (ترکستان وروس) بلکہ مشرق قریب (ترکی) تک سے طلبہ اس درسگاہ مین طب کی تحصیل کے لیے آنے لگے بلکہ ایک طرف قاہرہ اور قسطنطنیہ سے اور دوسری طرف بخارا تک سے طلبہ یہان آتے تھے،

محمود خان کے جانشین حکیم عبد المجید خان نے بھی اپنے خاندانی خصوصیات کو برقرار رکھا، مدرسہ طبیہ کو ترقی دی اور ایک باقاعدہ طبی درسگاہ کے قالب مین اوسکو ڈھالا، حکومت برطانیہ کی طرف سے اونکو حاذق الملک کا خطاب ملا، حکیم عبد المجید خان نے ۴۳ سال کی عمر مین وفات پائی، اور اون کی جانشینی کا فرض اونکے چھوٹے بھائی حکیم واصل خان مرحوم کے سر آیا، مرحوم نے مدرسہ طبیہ کی بڑی خدمت کی اور اونکی طبی خدمات نے پنجاب اور صوبہ متحدہ مین بڑی ناموری حاصل کی، اون کی وفات پر تمام دلّی نے ماتم کیا،

اسکے بعد حکیم اجمل خان صاحب نے اس فرض کو اپنے کندھون پر اُٹھایا علاج و معالجہ کی کامیابیان، مدرسہ طبیہ کی ترقی، اور طبیہ کالج کے رتبہ تک اوسکا پہنچنا، اور قدیم اسلامی طب کو جدید فن طب کی نئی تحقیقات سے مستفید کرنا، طبی کانفرنس کی بنیاد ڈالکر اطبا مین روشنخیالی پیدا کرنا حکیم صاحب کے روشن کارنامے ہین، حکیم صاحب کی پیدائش ۱۷ شوال ۱۲۸۴ھ کو ہوئی، یعنی اسوقت حکیم صاحب

کی عمر تقریباً ستاؤن سال کی ہے، حفظ قرآن اور فارسی کے بعد عربی کی کامل تعلیم حاصل کی ادب، منطق، فلسفہ، ریاضیات، دینیات کے ساتھ طب کی تعلیم پائی، ادبیات سے حکیم صاحب کو خاص دلچسپی ہے وہ بے تکلف عربی لکھتے اور بولتے ہین، انگریزی گو اونھون نے باقاعدہ پڑھی نہین، مگر عام طور سے وہ انگریزی سمجھ لیتے ہین اور کسیقدر بول بھی لیتے ہین، اونکو اکثر موقعون پر اردو ہی مین باتین کرتے ہوئے دیکھکر بڑی مسرت ہوتی ہے،

حکیم صاحب نے طب کی تعلیم صغرسنی مین گو اپنے والد سے پائی تھی مگر خاص تعلیم اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید خان سے حاصل کی مسٹر انڈریوز کہتے ہین کہ اور سچ یہ ہے کہ اونکی طبی شہرت اونکے بزرگون سے کسی حیثیت سے کم نہین ہے، اور مدرسہ طبیہ کو جو ناموری اور ترقی انکے عہد مین ہوئی وہ کبھی نہین ہوئی تھی؛

مسٹر انڈریوز لکھتے ہین کہ "حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات دلی مین ہوئی، اونکے مدرسہ طبیہ مین نہ صرف ہندوستانی طلبہ مین نے دیکھے، بلکہ اسقدر دور دراز ملکون کے طلبہ اونکے حلقۂ تعلیم مین پائے، جیسے ترکستان اور مقدونیہ، مجھے خاص طور سے یاد ہے کہ وہان مین نے ایک طالب علم کو دیکھا جسکا رنگ و روغن اور خط و خال یورپین معلوم ہوتا تھا، جب مین نے اوسکا وطن دریافت کیا تو البانیا بتایا گیا،

حکیم صاحب سے میری پہلی ملاقات عجیب یادگار تھی، مین ایک مشنری پادری کے ساتھ اونکے مطب مین حاضر ہوا، دیکھا کہ زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، امیر غریب، ہندو مسلمان سب تھے بلکہ غریب ہندوؤن کی تعداد زیادہ تھی۔ اسوقت تک حکیم صاحب برآمد نہین ہوے تھے جب وہ آئے تو اونھون نے بلاتفریق دولت و جاہ اور قومیت و رنگ ایک طرف سے سب کو دیکھنا شروع کیا"،

۱۹۰۴ء مین جب مین انگلینڈ سے لوٹا تو حکیم صاحب کو سنا کہ وہ عراق تشریف لے گئے ہین چنانچہ تین مہینے عراق کے اہم مقامات کی سیر کی حکیم صاحب کو قدیم قلمی کتابون کا بہت زیادہ شوق ہے۔ چنانچہ

عراق میں بھی اونھون نے قدیم کتب خانون کو دیکھا بھالا، ۱۹۱۱ء میں اونھون نے یورپ کا سفر کیا، انگلینڈ، فرانس، جرمنی کے علاوہ قسطنطنیہ بھی گئے اور یہان اونھون نے نسبتہً زیادہ قیام کیا، اُن مین سے ہر جگہ جدید طبی درسگاہون اور عام مشرقی کتبخانون کو بنظر غور دیکھا اور اسی کا نتیجہ طبیہ کالج کی صورت مین ظاہر ہوا

اسکے بعد مسٹر اینڈریوز نے حکیم صاحب کے دیگر قومی اور ملکی خدمات گنائے ہین؛ جو زیادہ تر ہمارے دائرہ سے باہر کی باتین ہین، حکیم صاحب کی متعدد طبی تصنیفات بھی ہین جن مین سے بعض نہایت اہم اور حکماے قدیم و جدید مین مختلف الآراء ہین،

انسانیت پر اسلام کے احسانات

مسٹر آر-لسن (MR. R. LISSAN) نے دی ریویو آف ریلیجنز مین ایک مضمون "انسانیت پر اسلام کے احسانات،، کے عنوان سے لکھا ہے اسمین فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ اسلام تحریک انسانیت کا سب سے بڑا رہنما ہے، اسنے نہ صرف توحید کا غلغلہ بلند کیا بلکہ کسی قوم کو بھی مسکرات اور غلامی کے بدنما دھبون سے اپنے دامن داغدار کرنے کی اجازت نہین دی، بلکہ اسکے برخلاف اوسنے مردہ قومون کو زندہ کرکے اونمین اپنی تازگی و جان ڈالدی، غلامی پر بحث کرتے ہوے لکھتا ہے کہ "بعض عیسائی مصنفین نے پیغمبر اسلامؐ پر الزام لگایا ہے کہ اونھون نے رسم غلامی کو ایک مذہبی حیثیت دیدی ہے، (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ) اونھون نے اسکو بہت کم کر دیا ہے ایک مالک کا فرض ہے کہ وہ اپنے غلام سے بُرا برتاؤ نہ کرے، جو شخص اپنے غلام کو مارے اوسکو چاہیے کہ اوسے آزاد کردے، جو غلام اسلام قبول کرتا ہے، آزاد ہو جاتا ہے، مالک کا کام ہے کہ اوسکے لیے کھانا اور کپڑا مہیا کرے مغربی افریقہ کے باشندون نے اسلام قبول کرکے اور ایک برادری مین داخل ہوکر کافرون کے حملہ سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کرلی اسلام مین غلامون کی

حالت عیسائیت سے کہین زیادہ بہتر ہے، اوسے اچھی طرح رکھا جاتا ہے، اوسے تعلیم دیجاتی ہے اور رکن خاندان کی طرح اوس سے سلوک کیا جاتا ہے، اسطرح اوسکو ذلیل حالت سے اوٹھا کر بلند سطح پر لایا جاتا ہے،

کثرت ازدواج کے متعلق اظہار خیالات کرتے ہوے لکھا ہے کہ "اگر اسکے معنی ایک عورت سے زیادہ تعلق رکھنے کے ہین تو یہ نہایت مدلل طریقہ سے دکھایا جاسکتا ہے کہ اہل مغرب مسلمانون سے کہین زیادہ کثیر الازدواج ہین، حالانکہ اہل مشرق بیشتر ایک ہی عورت پر قناعت کرتے ہین"

"عالم اسلامی مین دوسری بیوی نہایت اچھی طرح رکھی جاتی ہے اور نہ وہ اور نہ اوسکے بچے کوئی معاشرتی نقصان اوٹھاتے ہین،" "لیکن مغرب مین ان بیچاریون کو سخت ایذائین دیجاتی ہین، اونکے بچے قانوناً اولاد تسلیم نہین کیے جاتے،" "اس لیے اسلام کا یہ عمل ایک لازمی ضرورت پر مبنی ہے اور اہل مغرب اوسکے ذریعہ سے اخلاقی و معاشرتی عیوب کا ایک سلسلہ قائم کرتے ہین،

مسٹر لسن کا دعویٰ ہے کہ تمام اعلےٰ خیالات اور لطیف جذبات جن پر اسوقت یورپ کو ناز ہے مشرق ہی سے آئے ہین،

"آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اور مشرق ہی مین تمام مصلحان عالم پیدا ہوے ہین، یورپ اسکی ایک بھی مثال پیش نہین کرسکتا،

تمام اعلےٰ تحریکین اور انسانی خیالات مشرق ہی سے آئے۔ یہ اسلام ہی کے اصول ہین جنہین صلیبی مجاہد اپنے ساتھ یورپ لائے تھے اور جو آجکل یہان رائج ہین، فرانس نے جب پاپاے روم کی عدالت انگلستان کو منتقل کردی تو تمام کام سست پڑگئے، لیکن جب مجاہدین صلیب اسلامی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوکر آئے تو پھر فرانس اور فرانس کے دوسرے شہر علم و حکمت کی روشنی سے جگمگا اوٹھے، ہسپانیہ کے سوارون اور مسلمان عربون کی حقیقی بہادری نے یورپ کی معاشرت مین اور چار چاند لگا دیے"

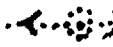
اخبار علمیۃ

عمر خیام کے انگریزی ایڈیشن متعدد موجود ہین، حال مین ایک جدید ایڈیشن ایک ہندی مسلمان کے قلم سے نکل کر شائع ہوا ہے۔ اس مین خیام کے سوانح حیات و فلسفہ پر تبصرہ کیا گیا ہے اور تعداد کثیر مین اُسکی اصل رباعیان مع انگریزی ترجمہ کے درج کی گئی ہین، شائع کرنے والی کمپنی کا نام اور پتہ کیگن پال (Kegan Paul) کمپنی پبلشرز، لندن ہے، کتاب کی ضخامت کچھ او پر تین سو صفحون کی ہے، اور قیمت ساڑھے دس شلنگ ہے، اسکے مولف جناب مولوی مسعود علی صاحب وارثی، مددگار مشیر تعلیمات، بھوپال ہین، جنکے انگریزی مضامین اکثر رسالہ اسلامک ریویو مین شائع ہوتے رہتے ہین،

ماہ مئی مین آکسفرڈ یونین مین موضوع بحث یہ رکھا گیا کہ "یونیورسٹیون کے معاملات مین یہ یونین، حکومت کی مداخلت کے بالکل مخالف ہے" ایک مقرر نے دوران تقریر مین برمنگھم یونیورسٹی کی مثال پیش کی، کہ زمانۂ جنگ مین سرکار نے اسکی اعانت جاری رکھنے کو صرف اس شرط پر منظور کیا، کہ وہ ایک خاص پروفیسر کو اپنے ہان سے علٰحدہ کر دے، اور اس قسم کی مداخلت کو ناقابل تحمل بتایا، مباحثہ کے بعد، ۹ رائین تجویز کی موافقت مین اور ۱۵ مخالفت مین آئین۔ (کلکتہ ریویو)

آئرلینڈ مین جسوقت سے آزاد حکومت قائم ہوئی ہے، انگریزی فوجین برابر وہان سے ہٹ رہی ہین، اور انکے ہٹنے سے بارکین خالی ہوتی چلی جاتی ہین۔ یہ خالی بارکین سررشتہ تعلیم کے قبضہ مین

آتی جاتی ہین، اور ان مین مدارس قائم کیے جارہے ہین، تغیر حکومت کے بعد سے ملک کے نظام تعلیمی مین ایک اہم تغیر یہ واقع ہوا ہے، کہ زبان تدریس بجاے انگریزی کے گیلک کردی گئی ہے جو آیرلینڈ والون کی مادری زبان ہے، اس غرض کے لیے تمام ملک کے مدارس مین بہ استثناء مدارس ڈبلن و کارک، جون، جولائی و اگست، تین ماہ کے لیے تعطیل دیدی گئی ہے، تاکہ تمام اساتذہ جنکی عمرین ۴۵ سال کے اندر ہین، اس سہ ماہی مین اس زبان کی تعلیم حاصل کرلین، اور اسکی تعلیم کا بھی حکومت نے خاص اہتمام کیا ہے۔ ابتدائی و ثانوی تعلیم کے مدارس کے نصاب مین اس زبان کی تحصیل کو نمایان جگہ دی گئی ہے۔ ماہ جولائی مین ڈبلن مین اس زبان کی ترقی، ترویج کی تدابیر پر غور و عمل کرنے کے لیے ایک کانفرنس بھی بڑے پیمانہ پر ہونیوالی تھی، (کلکتہ ریویو)



جو لوگ ہندوستانی یونیورسٹیون کے معاملات سے دلچسپی رکھتے ہین، انکے لیے یہ جاننا یقیناً دلچسپ ہوگا، کہ برطانیہ کی جدید یونیورسٹیون مین کن کن مضامین کی تعلیم ہوتی رہتی ہے ذیل مین برطانیہ کی تین اہم و جدید یونیورسٹیون کے متعلق یہ معلومات درج کیے جاتے ہین، برسٹل یونیورسٹی مین، جو آج سے ۱۳۔ سال قبل ۱۹۰۹ء مین عالم وجود مین آئی ہے، مضامین ذیل کی تعلیم ہوتی ہے (۱) زراعت، (۲) علم تشریح، (۳) عربی و آرامی زبانین۔ (۴) فنون لطیفہ (۵) کیمیا و اجسام حیوانی (۶) فن نباتات، (۷) کیمیائیات، طبعی، زرعی، طبّی وغیرہ (۸) السنہ قدیمہ یونانی ولاطینی، (۹) فن دندان سازی، (۱۰) معاشیات (۱۱) تعلیات (۱۲) انجینیری، (۱۳) انگریزی (۱۴) فرنچ (۱۵) جرمن (۱۶) اطالوی (۱۷) عبرانی۔ (۱۸) تاریخ (۱۹) قانون (۲۰) لوکل گورنمنٹ (اصول حکومت مقامی) (۲۱) جغرافیہ۔ (۲۲) ارضیات (۲۳) ریاضیات (۲۴) طبّیات (۲۵) طبعیات (۲۶) عضویات (۲۷) اصول حفظان صحت (۲۸) حیوانیات۔ (۲۹) معدنیات (۳۰) علم تجربیات ارضیہ (۳۱) فلسفہ (۳۲)

مذہبیات۔ (۳۳) صنعت وحرفت (۳۴) حربیات۔ (کلکتہ ریویو)

برمنگھم یونیورسٹی جسے عالم وجود مین آئے ہوئے (۱۹۰۰ء) آج پورے ۲۲ سال ہوے ہین، مضامین ذیل کی تعلیم کی ذمہ دار ہے،

(۱) انگریزی (۲) فرنچ (۳) جرمن (۴) روسی (۵) اطالوی (۶) اسپینی (۷) السنہ قدیمہ (لاطینی ویونانی) (۸) حساب کتاب (۹) تجارت، (۱۰) فلسفہ (۱۱) تعلیمات (۱۲) معدنیات ومتعلقات معدنیات (۱۳) زراعت (۱۴) فن نباتات (۱۵) تشریح انسانی (۱۶) حیوانیات (۱۷) عضویات (۱۸) طبیات (۱۹) موسیقی (۲۰) دندان سازی (۲۱) تاریخ (۲۲) معاشیات (۲۳) فلزیات (۲۴) شراب سازی (۲۵) انجنیری (۲۶) قانون (۲۷) کیمیائیات (۲۸) طبعیات، (۲۹) ریاضیات (۳۰) ارضیات ومعدنیات، (ایضاً)

لیڈس یونیورسٹی، جسے قائم ہوئے اٹھارہ سال ہوے ہین، مضامین ذیل کی کفیل ہے،

(۱) انگریزی زبان وادب (۲) فرنچ (۳) جرمن زبان وادب (۴) روسی زبان وادب (۵) روسی تاریخ وموسیقی (۶) اسپینی زبان وادب۔ (۷) عبرانی (۸) السنہ قدیمہ (یونانی ولاطینی) (۹) جغرافیہ، (۱۰) تاریخ (۱۱) قانون (۱۲) تعلیمات (۱۳) فلسفہ (۱۴) معاشیات (۱۵) زراعت (۱۶) تشریح (۱۷) طبیات (۱۸) حیوانیات (۱۹) نباتیات (۲۰) دندان سازی (۲۱) کیمیائیات (۲۲) کیمیا اجسام حیوانی (۲۳) انجنیری (۲۴) ریاضیات (۲۵) طبعیات، (۲۶) فلزیات (۲۷) حفظ صحت حیوانات، (۲۸) عضویات (۲۹) صنائع، (۳۰) جنگلات (۳۱) علم نشو حیوانات، (ایضاً)

یہ اُن برطانوی یونیورسٹیون کا ذکر تھا، جو ابھی بیسوین صدی مین وجود مین آئی ہین،

مانچسٹر کی مشہور یونیورسٹی، جو نسبۃً قدیم یعنے ۱۸۵۱ء کی قائم شدہ ہے، اُسکے نصاب درس مین مضامین ذیل کی تعلیم شامل ہے،

(۱) انگریزی زبان و ادب، (۲) فرینچ زبان و ادب۔ (۳) جرمن و لسانیات جرمن (۴) روسی (۵) اطالوی (۶) اسپینی (۷) عبرانی (۸) عربی (۹) سامیطیقی السنہ و ادبیات (۱۰) حساب کتاب (۱۱) معاملات بینک و ساہوکاری (۱۲) تعلیمات (۱۳) معاشیات (۱۴) فلسفہ (۱۵) نفسیات (۱۶) فلسفۂ سیاست (۱۷) زراعت (۱۸) اثریات (۱۹) تعمیرات (۲۰) تشریح۔ (۲۱) عضویات (۲۲) طبیات۔ (۲۳) حفظان صحت (۲۴) فن بیطاری، (۲۵) مذہبیات (۲۶) چینی زبان (۲۷) مصریات (۲۸) نباتیات (۲۹) حیوانیات (۳۰) طبیعیات (۳۱) کیمیائیات (۳۲) تاریخ (۳۳) قانون (۳۴) السنہ قدیمہ (لاطینی و یونانی) (۳۵) ریاضیات (۳۶) لسانیات (۳۷) ارضیات (۳۸) جغرافیہ (۳۹) صنائع (۴۰) موسیقی (۴۱) علم نشو حیوانات (۴۲) دندان سازی (۴۳) بلورسازی (۴۴) انجینیری (۴۵) علم حجریات ارضیہ (۴۶) ریلوے (۴۷) صنائع برقی (۴۸) معدنیات (۴۹) تجارت۔ (۵۰) فلزیات، (کلکتہ ریویو)



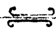
مصر کے ایک قدیم غار مین ایک محنّط نعش برآمد ہوئی ہے، جس کی بابت علماءِ فن کا خیال ہے کہ وہ اُس فرعون (شہنشاہ مصر) کی نعش ہے، جسکا ذکر توراۃ کی کتاب خروج مین آیا ہے، اور جس پر چیچک وغیرہ کی صورتون مین سات بار عذاب الٰہی نازل ہوا تھا، اس لاش کے سارے جسم پر چیچک کے داغ ہین، جن سے توراۃ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ داغون کے علاوہ اس کے جسم پر وہ مُردہ کیڑے بھی ملے ہین، جو چیچک کے باعث ہوتے ہین، اسکا زمانہ چار ہزار سال قبل کا ہولہے (پاپولر سائنس)

دنیا کا بہترین لاسلکی اسٹیشن بورڈو کے قریب فرانس مین واقع ہے۔ یہ اتنی قوی لاسلکی

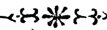
موجین ارسال کر سکتا ہے جن کا طول ۲۳۰۰۰ میٹر یا ۱۴ میل تک ہوتا ہے - اس اسٹیشن کی تعمیر امریکہ کے محکمۂ بحری نے کی تھی، مگر پھر اسے فرانس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا، یہ اسٹیشن ایک طرف چار ہزار میل کے فاصلہ پر واشنگٹن تک پیام بھیجتا رہتا ہے، اور دوسری طرف فرنچ انڈو چاینا تک جو چھ ہزار میل کے فاصلہ پر واقع ہے ابتک اس اسٹیشن کی افضلیت مسلم تھی۔ لیکن حال مین جزیرۂ لانگ واقع امریکہ کے ایک تجارتی اسٹیشن نے بھی اپنے تئین اسکے مقابلہ مین پیش کیا ہے، جو ۱۹۰۰۰ میٹر یا ۱۲ میل کی طویل موجین ارسال کر سکتا ہے، (پاپولر سائنس)



اہل سائنس نے لاسلکی کے ایک جدید مصرف کی یہ تجویز پیش کی ہے، کہ اسکے ذریعہ سے ہوابازونکو فضا مین سطح زمین سے انکی بلندی کی اطلاع دی جا سکے، (ایضاً)



مچھرون کی بابت جدید معلومات یہ حاصل ہوئی ہو کہ انسان کے لیے خاص طور پر موذی اسکی مادہ ہوتی ہے نہ کہ نر۔ نر مچھر عموماً کاہل و آرام طلب ہوتا ہے، اور اپنی اشتہا کی تشفی پانی، شراب وغیرہ سے کر لیتا ہے۔ بہ خلاف اسکے مادہ انسان کے کاٹنے اور ستانے مین مصروف رہتی ہے، (ایضاً)



ڈاکٹر پیرس کی راے ہے کہ نمک کی زیادہ مقدار استعمال کرنے سے قلب و گردہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہین، چنانچہ پچھلے بیس سال کے عرصہ مین ان امراض کی جو زیادتی ہوئی ہے اس کا باعث بھی نمک کا زیادہ استعمال ہے، ڈاکٹر صاحب کی راے مین، اوسطاً نمک کی جس مقدار کی ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے، اس سے وہ دس گُنے سے لیکر بیس گنے تک زائد کھاتا رہتا ہے، نمک کی زیادتی سے، خون سے پانی الگ ہو جاتا ہے، بدہضمی پیدا ہو جاتی ہے، مفاصل و عروق شعریہ مین انجماد پیدا ہو جاتا ہے،

عضلات قلب مین ضعف آنے لگتا ہے، اور پیرانہ سالی قبل از وقت آجاتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے نزدیک پانی کی مقدار کثیر نمک کی مصلح ہے، (پاپولر سائنس)

ایک فرنچ ڈاکٹر کا بیان ہے، کہ ہر قسم کا کاغذ، ننھے خوردبینی کیڑون کا گھر ہوتا ہے، جو سخت سی سخت حرارت پہنچنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہین، (ایضاً)

جنوبی افریقہ کے عجائب خانہ مین ایک کچھوا ابھی مرا ہے، جو ۱۸۳۴ء مین پکڑکر لایا گیا تھا، یہ بہت جسیم و تنومند تھا، اور جسوقت پکڑا گیا ہے، اُسوقت پوری طرح بالغ ہو چکا تھا۔ یہ کچھوا نر نہ تھا بلکہ کچھوے کی مادہ تھی، خیال کیا جاتا ہے کہ کچھوے کی عمر طبعی انسان کی عمر طبعی کے مساوی ہوتی ہے (ایضاً)

سیلون مین ایک قسم کا مکڑا پایا گیا ہے، جسکے جالے کا قطر ۵ فٹ کا ہے، اور جس کے تار کے خطوط طول مین دس فٹ سے بھی زائد ہوتے ہین، اور اتنے مضبوط ہوتے ہین، کہ پرندون اور مچھلیون کے لیے دام کا کام دے سکتے ہین (ایضاً)

ڈاکٹر میکس شلیپ نے اپنا یہ مستقل خیال ظاہر کیا ہے، کہ جرائم کی بنیا د مادّی و جسمانی ہوتی ہے، یعنی انسان جب جرائم کا ارتکاب کرتا رہتا ہے، تو اس بنا پر کہ اُسکے غدد جسمانی کے نظام عمل مین کوئی نقص واقع ہو گیا ہے۔ اسلیے اکثر صورتون مین، اگر انسداد جرائم مقصود ہے، تو اسکی تدبیر بجاے تعزیر و تعذیب کے یہ بہتر ہوگی کہ مجرم کا علاج کیا جائے۔ بعض مجرم بیشک ایسے بھی نکلینگے، جنکے قواے اخلاقی مین فساد واقع ہو چکا ہے، سزا کو صرف انکے لیے مخصوص رکھنا چاہیے، (ایضاً)

ادبیات

نسیانِ درسِ ازل

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا

از جناب شبیر حسن خان صاحب جوش

صبح کے پرتو مین ہے جلوہ ترا　　　رات کو تارون مین ہے تیری ضیا
پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

دیدنی ہے مقبرون کی خوابگاہ　　　ایک ہی بستر پہ ہین شاہ و گدا
پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

غنچۂ شاداب صحنِ باغ مین　　　مسکراتے ہی پریشان ہوگیا
پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

بیٹھتے دیکھے حباب آسا جہاز　　　ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا
پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

زندگی نے سیکڑون سامان کیے　　　موت نے آکر پشیمان کر دیا
پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

ذرہ ذرہ سے عیان ہے انقلاب　　　لمحے لمحے پر بدلتی ہے ہوا،
پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

چاند کے ٹکڑے جنہین کہتے تھے لوگ　　　خاک کے پیوند ہین وہ مہ لقا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

جاگنا سیکھا تھا جسنے روح نے	سو رہے ہین قبر مین وہ دلربا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

انکو رکھا ہے اندھیری قبر مین	جن سے وابستہ تھا جینے کا مزا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

خودبخود اُٹھتی ہے دلمین ہوک سی	صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

اس طلسمِ حیرت و نیرنگ کی	جانتا ہون ابتدا و انتہا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

مٹتے دیکھین آرزوئین باربار	ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

جل اُٹھی شمع تمنائے یزید	گُل ہوا فانوسِ بزمِ کربلا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

اب بھی چونک اے جوشؔ گہری نیند سے	شب کے سناٹے مین آتی ہے صدا

پھر بھی مین تجھکو نہین پہچانتا

سرِ حقیقت

مولنا راغب جیلانی (بدایونی)

ادراک مین کب رازِ نمود اپنا ہے	بیگانۂ خیال سے شہود اپنا ہے

ہر لحظہ ہے وہم اعتباری کا ہجوم	مجموعۂ اوہام، وجود اپنا ہے

باب التقریظ والانتقاد

اُسوۂ صحابہؓ

مولفہ

مولوی عبدالسلام ندوی

از جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے

اُسوۂ صحابہ، اُسوۂ رسولؐ کا لازمی ضمیمہ ہے، سیرت رسولؐ کے تکملہ کی سعادت شبلی کے جانشین کے نصیب مین آچکی تھی، سیرالصحابہ کی تحریر کا شرف اسی خرمن کمال کے ایک دوسرے خوشہ چین کے حصہ مین آیا۔ مبارک تھا وہ استاد جسے ایسے تلامذہ ملے۔ مبارک ہین یہ تلامذہ جنھین ایسا استاد نصیب ہوا تھا،

مولوی عبدالسلام صاحب کے قلم سے دائرۂ معارف کا کوئی شخص نامانوس نہین ہوسکتا، اسوۂ صحابؓ انھین کے تازہ ترین افادات سے ہے،

صحابہ کی تعداد، تنگ سے تنگ تخمینہ کے مطابق بھی ہزارون کی ہے۔ سب کے مفصل حالات نہ کہین قلمبند ہین، نہ ہو سکتے ہین۔ صرف چند اکابر و مشاہیر کی تفصیلی زندگی کا دنیا کو علم ہے۔ لیکن اس سلسلۃ الذہب سے عام اخلاقی درس حاصل کرنے کا جو مقصد ہے، وہ کسی ایک صحابی یا چند صحابیون کے اوراق حیات کے مطالعہ سے پورا نہین ہوسکتا، اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ سارے سلسلہ پر یکجائی و اجمالی نظر ڈالی جائے، اور اس مرقع ہدایت و موعظت مین اس جمعیت عالیہ کے ایک ایک خط و خال کو اخلاقی شیشہ کی مدد سے معائنہ کیا جائے،

لہ صفحات ۴۴۴، تقطیع ۲۰+۲۶، قیمت ہے، ملنے کا پتہ منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ،

مولانا عبد السلام کی یہ تالیف اسی ضرورت کا حل ہے،

دریا اپنے منبع سے نکل کر جون جون آگے بڑھتا جاتا ہے، اسکی وسعت و پہنائی مین اضافہ ہوتا جاتا ہے، شاداب باغ و پُرفضا چمن اسکے کنارہ تیار ہوتے رہتے ہین، سبزہ زارون اور لہلہاتے ہوئے کھیتون کے درمیان وہ اپنا راستہ بناتا رہتا ہے، آباد و پُر رونق شہر جنکے اندر ہوکر وہ گزرتا ہے، اسکی دلکشی بڑہاتے رہتے ہین. طرح طرح کے گھاٹ اور پُل اسکی دلفریبی مین اضافہ کرتے رہتے ہین۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے، لیکن جسقدر صاف، شفاف، بے آمیز و روان پانی دریا کے نکلنے کے مقام پر ہوتا ہے، وہ بات آگے بڑھکر کہان قائم رہ سکتی ہے، اور اہل نظر کو جو لطف و سرور اس پتھریلی، کوہستانی اور ناہموار زمین کے نظارہ مین آتا ہے اسکا عشر عشیر بھی تمدنی تکلفات اور مصنوعی نفاستون کے مناظر مین نہین آسکتا۔ یہی حال اسلام کا ہے، تیرہ سو برس کے عرصہ مین جو گلکاریان و نقش آرائیان ہوئین، انکی نظر فریبی مین کلام نہین تاہم جو نفوس محض روے جانان کے حُسن غیر متکلف کے دلدادہ ہین، انکی تشفی تو صرف اسی گلیم پوش حجازیؐ اور اس کے رفقاء طریقت ہی (جن کے سر دن پر چتر وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ سایہ کیے ہوئے ہے) کی زیارت جمال سے ہوسکتی ہے

زیر نظر تالیف اس معنے مین ایک نگار خانۂ حُسن ہے۔ جس مین مُصوّر نے محبوب کے عشاق کی ایک ایک ادا کو پیرہنِ کاغذی پہنا کر مجسم کر دیا ہے،

یہ اصحاب کس کے تھے؟ ایک اُمی کے، جو علوم ظاہری کا ابجد شناس تک نہ تھا۔ اسلیے قدرۃً ان مین سے کوئی شخص بھی جدید مفہوم کے لحاظ سے تعلیم یافتہ نہ تھا۔ نہ انکے پاس کتبخانہ تھے، نہ انہین نوادر کُتب کی فراہمی کا شوق رہتا تھا، اور نہ خود انکے الواح دل پر "علوم و فنون" "حکم و معارف" کے نقوش کی سیاہی تھی۔ انکے کان تشکک و اشراق کے مصطلحات سے نامانوس تھے، اور انکے دماغ قیاس و استقراء کے مباحث سے ناآشنا۔ انکے "جان و دل" کا رُخ "دلدار" کی جانب متعین ہوچکا تھا، اور "صد کتاب و صد ورق" حوالۂ نار ہوچکے تھے، انکے قلوب کو نور ایمان سے منور کرنے کے لیے نہ کسی استدلال کی ضرورت تھی، نہ کسی علم

کلام کی تدوین کی۔ انکے لیے سب سے بڑا معجزہ "روے دآواز پیمبر" کا تھا۔ چنانچہ

بعض صحابہ نے صرف آپکی شکل وصورت ہی دیکھکر آپکی نبوت کا اعتراف کرلیا، حضرت ابو رافع رضؓ آپکی خدمت مین قریش کیطرف سے قاصد بنکر آئے تھے۔ لیکن چہرۂ مبارک کے دیکھنے کے ساتھ ہی شیدائے اسلام ہوگئے، اور عمر بھر آپکی شرف خدمت کو اپنا فخر سمجھتے رہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ آپکا چہرہ دیکھتے ہی پکار اُٹھے، لیس ھذا بوجہ الکاذب (جھوٹے آدمی کا چہرہ ایسا نہین ہوسکتا) (صحابہؓ)

بعض خوش نصیبون کے لیے شرف زیارت کی بھی ضرورت نہ تھی، انکے لیے بجاے دیدار کے گفتار ہی مین کافی قوت تھی، انکے جذبۂ ایمان کو قوت سے فعل مین لانے کے لیے،

"صرف اسقدر سُن لینا کافی تھا کہ ایک پیغمبر نیک کامون کی ہدایت کرتا ہے۔ یہی لوگ ہین جو صرف آپ کی نبوت کا غلغلہ سنکر حاضر خدمت ہوے اور اسلام قبول کرلیا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت طفیلؓ، حضرت ابوذرؓ اسی قسم کے بزرگ ہین" (صـ۲۲)

ایک جماعت کثیر ایسی تھی، جسکے قلوب کا زنگ کلام باری کے دو فقرون سے دور ہوگیا۔ عمر فاروق رضؓ عثمان بن مظعونؓ، جبیر بن مطعمؓ، طفیل بن عمروؓ، خالد العدوانیؓ، حلقۂ اسلام مین اسی طرح داخل ہوے تھے۔ افراد سے قطع نظر کرکے بعض مرتبہ جماعت کی جماعت کلام مجید ہی کے معجزانہ اثر سے ایمان لائی ہے،

"انصار اول اول قرآن مجید ہی کے اثر سے ایمان لائے، حبش مین رسول اللہ صلعم کی بعثت کا چرچا ہوا تو بیس آدمی آپکی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے اُنکے سامنے قرآن مجید کی آیتین پڑھین، اُنکی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، اور اُسی وقت اسلام قبول کرلیا، حضرت ابوعبیدہؓ حضرت ابوسلمہؓ حضرت ارقم بن ارقمؓ آپکی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ نے عرض اسلام کیا، اور قرآن کی تلاوت فرمائی، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب مسلمان ہوگئے" (صـ۱۹)

یہ بزرگوار جس شمع کے پروانہ، جس گل کے بلبل، جس یوسف کے پرستارون مین تھے، وہ سراپا خوبی

درعنائی، محبوبی وزیبائی تھا، اسلیے لازمی طور پر انکے دلون مین اسکا عشق صادق جاگزین تھا، اُسکی زیارت جمال انکے ہر درد کا درمان تھی، اسکی ہر نگاہ التفات انکے لیے باعث فلاح دارین تھی، اسکا ایک تبسم ان کی نظر مین عالم ومافی العالم کی قیمت کے معاوضہ مین ارزان تھا، اور اسکے ہر اشارۂ چشم پر یہ اپنا نقد جان قربان کردینے کو ہر وقت کمربستہ رہتے تھے، اس پیکر محبوبی کے نقش قدم جس سرزمین پر نظر آتے، اسکی خاک ان وارفتگان عشق کے لیے سرمۂ چشم کا کام دیتی تھی،

"آپ نے جہان جہان نماز پڑھی تھی، جہان جہان سفر مین قیام فرمایا تھا، مسجد مین جہان معتکف ہوے تھے، صحابۂ کرامؓ نے ان تمام مقامات کو یاد رکھا تھا، اور لوگون کو اسکی زیارت کرواتے تھے حضرت نافعؓ کا بیان ہے کہ مجھکو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے مسجد مین وہ جگہ دکھائی، جہان آپ معتکف ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے جس درخت کے نیچے بیعت لی تھی، اور جسکا نام شجرۃ الرضوان تھا، وہ ایک مدت تک قائم رہا، صحابہ کرامؓ اسکو اسقدر متبرک سمجھتے تھے کہ اُسکے نیچے نماز پڑھتے تھے" ص ۱۴۸-۱۴۹

یہان تک آگئے ہین، تو دربار رسالت کی بھی ایک سرسری زیارت کرلینا چاہیے،

"صحابۂ کرام ... (جب) آپکی خدمت مین حاضر ہوتے تو دربار نبوت کے ادب وعظمت کے لحاظ سے خاص طور پر کپڑے زیب تن کرلیتے، ایک صحابیہ فرماتی ہین، کہ مین نے تمام کپڑے پہن لیے اور آپ کی خدمت مین حاضر ہوئی، بغیر طہارت کے آپکی خدمت مین حاضر ہونا اور آپ سے مصافحہ کرنا گوارا نہ کرتے ... آپکے سامنے بیٹھتے تو فرط ادب سے تصویر بن جاتے۔ احادیث مین اسی حالت کا نقشہ ان الفاظ مین کھینچا گیا ہے کانما علی رؤسھم الطیر یعنی صحابہ آپکے سامنے اسطرح بیٹھتے تھے گویا انکے سرون پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ نہایت مقرب بارگاہ تھے، تاہم آپکے سامنے گفتگو کرتے تھے تو آواز اسقدر پست ہوجاتی تھی، کہ سنائی نہین دیتی تھی ... فرط ادب سے کسی بات مین آپ پر تقدم یا مسابقت گوارا نہ کرتے۔ آپ غزوۂ تبوک سے واپس ہوئے تو

راہ مین نماز کا وقت ہوگیا، اور صحابہ نے آپکے آنے سے پیشتر ہی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی امامت مین نماز شروع کردی، آپ پہنچے تو ایک رکعت نماز ہو چکی تھی، اسلیے آپ دوسری رکعت مین شریک ہوے۔ نماز ہو چکی تو تمام صحابہ نے اسکو بے ادبی بلکہ گناہ خیال کیا، اور سبکے سب ربہ طور استغفار کے) سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے" (ص ۱۴۹-۱۵۰)

ایک بار حضرت ابو بکرؓ کاشانۂ نبوت مین آئے، تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ آواز بلند بول رہی ہین فوراً طمانچہ اُٹھایا اور کہا کہ اب کبھی آپکے سامنے آواز بلند نہ ہونے پائے۔ (ص ۱۵۳)

یہ ایک مختصر نمونہ تھا۔ اگر ان سرفروشون کی جان نثاریون، اور ان کشتگان محبت کی بیتابیون کی مُتعین، مفصل مثالین دیکھنا ہون، تو کتاب کے صفحہ ص ۱۴۳ سے لیکر ص ۲۰۳ تک تجلیل الرسول کا پورا باب مطالعہ کرنا چاہیے جسکی متعدد فصول مین سے چند کے عنوانات یہ ہین:- ادبِ رسول، خدمتِ رسول، محبتِ رسول، شوقِ زیارت رسول، شوقِ محبت رسول، ادبِ حرم رسول وقیس علیٰ ہذا، ادب واحترام، خلوص وعقیدت، عشق ومحبت، فریفتگی وفنائیت کے بھی مناظر تھے، جنھین صلح حدیبیہ کے وقت سفیر قریش، عروہ دیکھکر دنگ رہ گیا، اور جب اپنے ہان واپس گیا، تو سب کے سامنے بیان کیا کہ۔

"مین نے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہین، لیکن محمدؐ کے اصحاب جس طرح محمدؐ کی تعظیم کرتے ہین، مین نے کسی بادشاہ کے رفقا مین وہ بات نہین پائی۔ اگر وہ تھوکتے ہین، تو اُن لوگون کے ہاتھ مین انکا تھوک گرتا ہے، اور وہ اپنے جسم وچہرہ پر اُسکو مل لیتے ہین۔ اگر وہ کوئی حکم دیتے ہین تو ہر شخص مسابقت کرنا چاہتا ہے، اگر وہ وضو کرتے ہین تو وہ لوگ بچے کھچے پانی کے لیے باہم لڑ پڑتے ہین، اگر وہ بولتے ہین تو اُنکی آوازین پست ہو جاتی ہین۔ ادب سے ان کی طرف آنکھ بھر کر نہین دیکھتے"

بیچارہ عروہؔ! وہ حاکمانہ رعب واقتدار اور خسروانہ سطوت وجبروت سمجھ سکتا تھا، لیکن ذوق وشوق، سوز وجوش، جذب وفنا کے یہ مناظر اس نے اپنی عمر مین کبھی کیون دیکھے تھے، یہ جس عالم کے واقعات تھے، وہان تک اس بدنصیب کا طائر وہم بھی نہین پہنچ سکتا تھا،

یہ نفوس قدسیہ جن مین سے ہر ایک اقلیم سعادت وفضیلت کا تاجدار تھا، جس شہنشاہ دوعالم کی غلامی اپنے لیے مایۂ ناز سمجھتے تھے، اسکی ساری تعلیم کا خلاصہ اشاعت توحید وتبلیغ عبدیت تھی۔ وہ اس لیے دنیا مین مبعوث ہوا تھا، کہ خود بینی ونفس پرستی کے صنم اعظم کو جو عملی شرک کی سب سے نمایان مثال ہے، توڑے، اور آنا خیرٌ منہ کی ابلیسیت سے دنیا کو پاک کرے۔ اور اسی لیے ہر ایسا فعل جو انسان کے جذبۂ انانیت وخودی کو مشتعل کرنے والا ہے، اس کی شریعت مین حرام قرار پایا۔ خود اِس شہنشاہ کائنات نے دنیوی ثروت، وجاہت وحکومت کے باوجود، جس فقر وفاقہ، زہد ومسکنت کی زندگی کا اپنے لیے انتخاب کر رکھا تھا، اسکا اندازہ مورخ سیر الصحابہ کے الفاظ ذیل سے کرو،

"آپ عموماً فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ صحابہ کرام کے سامنے آپکی خانگی زندگی کا یہ منظر آجاتا تو فرط محبت سے آبدیدہ ہو جاتے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کاشانۂ نبوت مین تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہین۔ جسم مبارک پر تہ بند کے سوا کچھ نہین تمام بدن پر بدھیان پڑ گئی ہین۔ توشہ خانہ مین مٹھی بھر جو کے سوا اور کچھ نہین۔ آنکھون سے بیساختہ آنسو نکل آئے۔ ارشاد ہوا کہ عمر کیون روتے ہو۔ بولے کیون نہ روؤن آپ کی یہ حالت ہے، اور قیصر وکسریٰ دنیا کے مزہ اُڑا رہے ہین۔ فرمایا کیا تمھین یہ پسند نہین کہ ہمارے لیے آخرت اور انکے لیے دنیا ہو" (ص ۱۶۹)

جس آقا نے یہ نظام زندگی اپنے لیے اختیار فرما رکھا تھا، اسکے عقیدت آئین، خلوص مجسم و وفا سرشت حلقہ بگوشون سے یہ کیونکر ممکن تھا، کہ وہ اپنی طرز معاشرت اس سے مختلف رکھین۔ انھون نے

اپنی معیشت و معاشرت کو بھی ٹھیک اسی معیار کے مطابق ڈھال لیا تھا، اور جہان تک ممکن تھا اس باب مین ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے رہتے تھے،

آج جبکہ شرافت و عزت کا معیار تمامتر دولت و ثروت کو قرار دے لیا گیا ہے، اور اخلاق تمدن نے افلاس و ناداری کو ہر قسم کی توہین و تحقیر کا مستوجب سمجھ لیا ہے، واقعات ذیل کے علم مین آجانے کے بعد خدا معلوم اصحاب نبیؐ کی عزت و مرتبت کے متعلق کیا راے قائم کی جائے گی،

صحابہ کرام نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک صحابی نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی، تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا، "کچھ مہر کے لیے بھی ہے"؟ بولے "صرف یہ تہبند ہے" آپ نے فرمایا "یہ تہبند اگر تم نے دیدیا تو پردہ پوشی کیونکر ہوگی، کچھ اور تلاش کرو"۔ واپس آئے تو کہا "کچھ نہین ملا" فرمایا کچھ نہین ملتا، تو لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کہین سے لاؤ، بولے وہ بھی نہین ملتی۔ یہ سب کچھ تو نہ تھا، لیکن روحانیت کا خزانہ ساتھ تھا۔ آپ نے قرآن کی چند سورتون پر نکاح پڑھا دیا (صفحہ ۳۲) ....

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح ہوا، تو ایک زرہ کے سوا مہر کے لیے کچھ نہ تھا، اسلیے اُسی کو مہر مین دیدیا (صفحہ ۳۲۱)

حضرت علیؓ سرور کونینؐ کے داماد تھے۔ لیکن فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ ایک بار گھر مین آئے تو دیکھا حضرت حسینؑ اور حضرت حسنؑ علیہما السلام رو رہے ہین۔ حضرت فاطمہؓ سے پوچھا یہ کیون رو رہے ہین۔ بولین بھوک سے بیتاب ہین۔ گھر سے نکلے تو بازار مین ایک پڑا ہوا دینار پایا اُسکا آٹا اور گوشت خریدا۔ (صفحہ ۳۲۲)،

اصحاب صُفّہ کے تمام فضائل و مناقب مین سب سے زیادہ نمایان فضیلت اُنکا فقر و فاقہ ہے، اُن کی یہ حالت تھی کہ جب آپکے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو ضعف سے گر پڑتے تھے

ہم دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ پاگل ہین، فقر و فاقہ کا آخری درجہ یہ ہے کہ انسان حرام کھانے پر مجبور ہو جائے، اور بعض صحابہ اس درجہ پر بھی پہنچ گئے تھے،" (ص ۳۲۲)

غذا، لباس، مکان، غرض ہر شعبۂ معاشرت اسی زہد و تقشف، فقر و مسکنت، کی تصویر تھا، بعض صحابہ گھر تک بنانا ناپسند کرتے تھے، حضرت سلمان فارسیؓ جس مرتبہ کے صحابی تھے، سب کو معلوم ہے۔ وجاہت دنیوی و ثروت کا یہ عالم تھا کہ مدائن کے گورنر تھے،" اور پانچ ہزار دینار وظیفہ پاتے تھے۔ ان بزرگ نے اپنے لیے گھر تک نہین بنایا تھا، درختون اور دیوارون کے سایہ مین پڑے رہتے تھے، لوگون نے گھر بنانے پر اصرار کیا، پہلے تو راضی نہ تھے، بالآخر آمادہ ہوے بھی، تو اسقدر تنگ و پست گھر بنایا، کہ کھڑے ہوتے تو سر چھت سے لگ جاتا، اور لیٹتے تو انگلیان دیوار سے! میز، کرسی، فرش، قالین تکیہ و بستر کا تو نام و نشان تک نہ تھا، ضروری ظروف مین بھی صرف ایک پیالہ اور ایک لوٹا، اور اسے بھی وہ زہد و قناعت کے منافی سمجھتے تھے! چنانچہ نزع کے وقت اِن چیزون کو دیکھکر رو پڑے، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم سبھون کو وصیت فرمائی تھی، کہ دنیا سے صرف اسی قدر لینا، جتنا ایک مسافر زادِ راہ کے لیے لیتا ہے،

یہ چند واقعات جو اوپر درج کیے گئے، ساری کتاب اسی قسم کے معلومات سے لبریز ہے، یہ معلومات منتشر طور پر عربی کی بیسیون کتابون مین ملینگے، لیکن کسی ایک کتاب مین مُرتب و مُسلسل شکل مین شاید ہی مل سکین، اور اردو مین تو قطعاً اس جامعیت کی کوئی چیز اب تک موجود نہ تھی، اردو کے خزانہ مین اس گوہر نایاب کے داخلہ پر جناب مولف، اور انجمن دار المصنفین، دونون اُردو خوان پبلک کی جانب سے شکریہ کی مستحق ہین،

صحابہ کے اوصافِ صحابیت سے قطع نظر کرکے اُنکے عام اخلاق، مثلاً مسکین نوازی، صبر و ثبات، جرأت و شجاعت، ایثار، فیاضی، عیب پوشی، حلم، صداقت، دیانت، استغنار، مہمان نوازی

غزوہ در گزر وغیرہ سے متعلق صحیح، مستند و مفصل معلومات اِن اوراق مین یکجا نظر آئینگے،

صادق العقیدہ کلمہ گویان اسلام ایسی کتاب کا مطالعہ ہر زمانہ مین اپنے لیے موجب سعادت سمجھتے، لیکن آج جبکہ اسلام کو عقلیت، روشن خیالی و ترقی پسندی کا مُرادِف قرار دے لیا گیا ہے، جبکہ "زوال" اسلام کا باعث دنیوی حکومت و امارت، جاہ و حشمت، دولت ثروت کا فقدان تشخیص کیا گیا ہے اور جبکہ دعوت اسلام کو تمامتر عناصر تمدن، اِسراف، تعلیم، قوت اختراع، خوش پوشی، خوش خوری، خوش باشی، نفاست، نزاکت، امارت، تن آسانی وغیرہ کا کفیل سمجھا جانے لگا ہے، اِس قسم کی تالیفات کی اشاعت ازبس ضروری ہوگئی ہے،

افسوسناک امر صرف اتنا ہے، کہ فاضل مولف نے جو سعی و اہتمام، کدو کاوش، تحقیق و احتیاط مواد کی فراہمی اور اخذ معلومات مین مدنظر رکھی ہے، اسکا التزام طرز انشا مین نہ رکھ سکے۔ وہ اگرچہ ایک کہنہ مشق مضمون نگار و مصنف ہین، تاہم بہتر ہوگا، اگر طبع ثانی کے وقت امور ذیل کا لحاظ رکھ لیا جائے

(۱) زبان و لہجہ کی متانت، موضوع تصنیف کے متناسب رہنا چاہیے۔ سرور کائنات کے تذکرۂ مبارک مین اس قسم کے فقرہ کہ آپ نے انتقال فرمایا" (دیباچہ ص۲) آپکی وفات کے بعد (ص۱) جو عموماً ہر شخص کے لیے موقع تعظیم پر استعمال ہوتے ہین، اسوۂ صحابہ جیسی خالص مذہبی تالیف مین بہت ہلکے معلوم ہوتے ہین،

(۲) بعض محاورات اور بعض الفاظ کے محل استعمال پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ص۶ پر ہے وجوہ صحابہ مصر مین نازل ہوئے تھے،" نازل ہونا ایسے موقع پر اُردو مین ذم کا پہلو رکھتا ہے، ص۲۳ پر صحابہ کرام کے متعلق ہے، کہ وہ "مدتون مدینہ مین نعل در آتش رہے،" نعل در آتش رہنا بھی پہلوے ذم سے خالی نہین ص۱۵۲ و ص۱۵۵ پر "سوء ادبی" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اسکے بجائے "بے ادبی" یا "سوء ادب" غالباً بہتر ہوگا،

(۳) مسودہ پر نظر ثانی غالباً بہت عجلت کے ساتھ ہوئی ہے، اسلیئے کلمات ربط مثلاً اگرچہ، چنانچہ، اس واسطے، اس لیے، تاہم، لیکن، وغیرہ کے استعمال پر ایک بارپھر نظر کر لینے کی ضرورت ہے،

ساڑھے تین سو صفحات کی ضخامت، اور اپنے محاسن ظاہری و معنوی کے ساتھ یہ ہین کتاب گویا مفت مل رہی ہے،

نغمۂ سعادت

فن موسیقی پر یہ جناب صاحبزادہ سعادت علیخان بہادر ہوم سکریٹری ریاست رامپور کی تصنیف ہے کبھی یہ فن شریف اسقدر شریف تھا کہ ہمارے فلسفہ کے معلم ثانی فارابی کی درگاہ مین فارسی شاعری کا آدم رودکی اس "فردوسِ گوش" کا باغبان تھا، ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر خسرو اسی کی کرامات سے نظام المشائخ کی روح پاک مین وجد و حال پیدا کرتا تھا، مگر اب اسکی پستی کا یہ عالم ہے کہ یہ نور اب صرف شہر کی تیرہ و تار گلیون مین نظر آتا ہے، سبب یہ ہے کہ اب اسکو صرف خاص گنہگار طبقہ تک محدود کر دیا گیا ہے، صاحبزادہ صاحب کی یہ کوشش کہ اب اسکو پھر شرفا اور بلند طبقون تک پہنچایا جائے اور اسکی علمی اصول کی تشریح کی جائے، تعریف کی مستحق ہے، وہ اس فن کے ایک باکمال استاد ہین، اسکو خاص طور سے اصول کے ساتھ اونھون نے سیکھا ہے، اونکا سلسلۂ تعلیم میان تان سین گوالیاری تک پہنچتا ہے، ہمکو خود چونکہ اس فن سے مس نہین اسلیئے نفس تصنیف کے متعلق ہماری لب کشائی کی جرأت ایک بے سرا لاگ لاپنا ہوگا تاہم سرسری طور سے یہ کہہ سکتے ہین کہ اس فن پر نہایت استیعاب کے ساتھ بحث کیگئی ہے، تمام قانون، سر دن اور سر نیو کو بیان کیا ہے، ایک ایک کی تشریح کی ہے، اور قدیم اصول کو جدید طریق پر لکھکر بتایا ہے، زیادہ تر ہندی موسیقی کو سامنے رکھا گیا ہے، اور اوسی کے اصطلاحات استعمال کیئے گئے ہین، بیان و طرز ادا سلجھا ہوا اور صاف ہے، تقطیع بڑی، صفحات ۰۰۱، غالباً مصنف کے پتہ سے ملیگی قیمت درج نہین

مطبوعات جدیدہ

نگارستانِ فارس، شمس العلماء محمد حسین آزاد مرحوم کی غیر شائع شدہ تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ اونکے پوتے آغا طاہر صاحب نے شروع کیا ہے، اسی سلسلہ مین آزاد مرحوم کی یہ کتاب بھی شائع کی ہے یہ فارسی شعراء کا مختصر تذکرہ ہے، رودکی سے لیکر ہندوستان کے شعرائے متاخرین حزین۔ آرزو اور واقف پر تمام کیا ہے، ہر شاعر کے حالات کے ساتھ اوسکے کچھ منتخبات بھی درج کیے ہین، اس نگارستان مین کل ۷۰ ۳ شعرا کے تذکرے آزاد نے سجائے ہین، مگر اسمین وہ آبحیات کا مزہ نہین، عبارت رنگین نہین صاف اور سیدھی زبان ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آزاد کی ابتدائی تصنیف ہے، تاہم آزاد کی تصنیف ہے، اور اردو کے تبرکات مین داخل ہے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، صفحات ۲۳۶ قیمت مجلد و مطلا عہ معمولی ہے، پتہ:- آزاد بک ڈپو، اکبری منڈی لاہور،

خیالستان، سید سجاد حیدر صاحب معروف بہ یلدرم کی لطیف ادبی فتوحات جدید طبقہ کے دوسرے قلمران ادیب سے کم نہین ہین، وہ ہماری زبان کے پہلے انشا پرداز ہین جنھون نے ترکی ادبیات سے ہمکو آشنا کیا، اور اردو مین اس سخت جان قوم کے "ادبِ لطیف" کو فروغ دیا، اور اوسکے طرز انشا کو اردو مین رواج بخشا، احساسات کی لطافت، ترکیب کی ندرت، جدید استعارات کی رنگین نوائی، اور پھر عبارت کی سادگی اور اثر انگیزی اس طرز کا خاصہ ہے، دار الاشاعہ پنجاب نے خیالستان کے نام سے یلدرم کے تمام مضامین کو جن مین زیادہ تر خیالی افسانے ہین، یکجا جمع کر دیا ہے، چھوٹی تقطیع کے ۲۰۸ صفحات پر یہ خیالستان آباد ہوا ہے، قیمت مجلد باتصویر للعہ قیمت بلا جلد عہ، پتہ:- دار الاشاعہ لاہور،

اردو شاعری، جناب منشی امیر احمد صاحب علوی بی۔اے جو کسی زمانہ مین ہماری زبان کے ایک انشا پرداز

تھے اور اب عدالت و مال کے ایوان مین کرسی نشین ہین، اونھون نے مدت ہوئی کہ اردو شاعری کے محاسن پر غالباً اردوے معلی کی پہلی ابتدائی جلدون مین ایک مسلسل مضمون لکھا تھا اور ثابت کیا تھا کہ اردو شاعری کی طرف جن معائب کی نسبت کی جاتی ہے اون سے انگریزی بھی معمور ہے، اور پھر مغربی ادبا شاعری کی جو تعریف کرتے ہین اوس معیار پر اردو شاعری بھی پوری اترتی ہے، اور اسی ضمن مین انگریزی اور اردو شاعری کا باہم موازنہ کیا تھا، یہ پورا سلسلہ نہایت پر معلومات اور دلچسپ تھا اور لوگون نے اوسوقت اوسکی بڑی داد دی تھی، اب انوار المطابع لکھنؤ نے اس کو رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، صفحات ۸۰ قیمت عہ، پتہ: انوار المطابع نمبر ۵۳ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

اولاد کی شادی، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کا اس باب مین کوئی حریف نہین ہو سکتا کہ اونکو اپنے مضامین اور تصنیفات کے لیے خوب خوب عنوانات سوجھتے ہین، اور پیش پا افتادہ باتون سے وہ اوسی طرح کام کی باتین پیدا کر لیتے ہین، جسطرح مٹی کے ڈھیر سے سونا اور روڑون سے موتی نکال لیتے ہین، "بیوی کی تعلیم" کا تیسرا حصہ ہے اسمین اولاد کی شادی مین کن کن باتون کا لحاظ اور کن کن پہلوؤن پر نظر ڈالنی چاہیے اس پر بحث کی ہے، یہ حصہ ہمکو اس سلسلہ کے دوسرے حصون سے زیادہ پر معلومات، زیادہ عالمانہ اور زیادہ مفید نظر آیا، شرعی، رسمی، دنیاوی، عقلی ہر پہلو سے اولاد کی شادی کے مسئلہ پر خیال آرائی کی گئی ہے اور والدین کو بہترین مشورے دیے گئے ہین، آخر مین ایک طویل افسانہ ہے جسپر کتاب ختم ہو جاتی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ، پتہ خواجہ بک ڈپو دہلی،

بانگ جرس، مولوی مسعود علی صاحب بریلوی نے اس نام سے چند قومی نظمون کا ایک مختصر سا مجموعہ شائع کیا ہے، ۱۹ صفحہ کا رسالہ ہے، قیمت ۲ر پتہ مشرقی کتبخانہ لاہور،

راہ و رسم منزلہا، مولوی ابو رشید عبد المجید خان صاحب سالک بٹالوی، زمیندار لاہور کے مجوس ایڈیٹر کی چند متفرق نظمون کا مجموعہ، سالک کی قومی شاعری بے مزہ نہین ہے اور قدر دانی کی مستحق ہے قیمت ۸ر پتہ دار الاشاعہ لاہور،

مجلد دہم	ماہ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۲ء	عدد سوم

مضامین

شذرات

موسیو لوی میسینا، فرانس کے ایک نامور مستشرق ہین، ان کو علوم اسلامیہ مین سب سے زیادہ تصوّف سے دلچسپی ہی، اور صوفیہ مین سب سے زیادہ حسین بن منصور حلّاج سے، اونھون نے حلاج کی ایک تصنیف کتاب الطواسین شائع کی ہی، اور عربی وفارسی مین حلاج کے جس قدر حالات مل سکے ہین، اون کو یکجا کرکے چھپوایا ہی، فرانس کے زمانۂ قیام مین موصوف سے کئی دفعہ ملاقاتین ہوئین، اب اونھون نے فرانسیسی زبان مین حلاج پر دو ضخیم جلدین لکھی ہین، جن مین حلاج کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے اون سب کو اپنی زبان مین منتقل کیا ہی، اور وحدۃ الوجود وغیرہ تمام مسائل کی اور حلاج کے اقوال کی ایک ایک باب مین تشریح کی ہی، موصوف نے یہ دونون جلدین ہدیۃً بھیجی ہین، لیکن افسوس کہ ان اسرار کو "فرانسیسی صوفی" کے سوا کوئی اور نہین سمجھ سکتا، تاہم جہان تک عنوانات پڑھ سکا اوس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مؤلف نے بحث کا استقصا اخیر حد تک کیا ہی، علماء یورپ جو شغف وذوق ہمارے علوم وفنون کے ساتھ رکھتے ہین، کاش کہ ہم خود اون کے ساتھ رکھ سکتے،

اس مہینہ کی ڈاک سے برلن سے ایک نیا فارسی رسالہ ایران شہر ہمارے پاس پہنچا ہے، اس کے اڈیٹر آقا حسین کاظم زادہ مقیم برلن ہین سمارہ کے بعد یہ دوسرا رسالہ برلن سے شائع ہوا ہی، بالفعل یہ چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحون پر نکلا ہی، مضامین تمامتر ادبی ہین، رسالہ نے اپنا مقصد، مشرق ومغرب کو باہم شناسا کرنا ظاہر کیا ہی، ٹائپ کی خوبصورتی اور طبع کی صفائی اس قدر دلنشین ہے کہ رشک ہوتا ہے کہ ہندوستان کیون اس جنس سے محروم ہے، ہندوستان مین اس کی قیمت ایک پونڈ سالانہ ہی

اور پتہ یہ ہی: ایرانشہر، برلن ڈبلو، ۳۰، مارٹن لیوتھر اسٹریٹ، ۵. Berlin W. 30, Martin Luther Street 5 بالفعل ماہوار ہے، آیندہ مہینہ مین دوبار ہو جائیگا، آقا کاظم زادہ نے ایک خط بھی بھیجا ہی جس مین لکھا ہی کہ قدر شناسان ہند اسکی حوصلہ افزائی کرین، فارسی اب تک ہمارے مدارس اور کالجون مین زندہ ہی، اکثر طلبہ اور بعض اساتذہ فارسی رسائل کا پتہ پوچھا کرتے ہین، ایران سے ڈاک کا سلسلہ منتظم نہین، اسلئے بہتر ہے کہ وہ اِس راستہ کی خریداری کرین،

جدید فارسی و عربی رسائل سے جہان اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہین، ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوتا ہی کہ جدید اصطلاحات اور یورپین محاورات کے لیئے بہت سے نئے الفاظ ہاتھ آتے ہین، "ماسٹر پیس" کے لیئے اردو مین کسی نے "ادب عالیہ" کا لفظ استعمال کیا، مہدی مرحوم اِس کا ترجمہ ہمیشہ "اختراع فائقہ" کیا کرتے تھے، اور اون کی پیروی مین اور لوگ بھی یہ لفظ بولنے لگے ہین، ایرانشہر نے اس کے لیئے "شاہکار" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ہمارے خیال مین دوسرے الفاظ سے زیادہ لطیف و نازک اور اردو کے مزاج کے مناسب ہے،

دولت آصفیہ دکن نادر عربی تصنیفات کے نشر و اشاعت کی جو خدمت دائرۃ المعارف کے ذریعہ سے انجام دے رہی ہے، اوس کا اعتراف نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام بلاد اسلامیہ مین کیا جارہا ہی، علوم حدیث اور خصوصاً اسمار الرجال کی جس قدر کتابین اس صیغہ سے شایع ہوتی ہین، وہ کہین دوسری جگہ نہین ہوئی ہین، اس وقت تک دائرہ نے مختلف علوم و فنون کی ۹۵ ضخیم کتابین شایع کی ہین جنمین علم کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، ادب، لغت، صرف و نحو، تاریخ، اسمار الرجال کی کتابین داخل ہین، ابھی حال مین وہان سے امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین جو علم حدیث کی ایک نادر الوجود تصنیف ہی،

چھپکر شائع ہوئی ہی، ابھی بالفعل پہلی جلد چھپکر تمام ہوئی ہی اور دوسری جلد زیر طبع ہی، امام یافعی کی مرآۃ الجنان تاریخ وفیات مین بہترین تصنیف ہی، اسی سال وہ دائرہ سے چار جلدون مین چھپکر شائع ہوئی ہی، اس سے پہلے سال علامۂ ذہبی کی مختصر تاریخ دول اسلام چھپکر نکلی تھی۔

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی ناظم آثار قدیمہ، سرکار عالی (حیدر آباد دکن) اپنے ایک نوازشنامہ مین مطلع فرماتے ہین کہ اون کے ذاتی کتبخانہ مین کچھ قلمی نوادر موجود ہین، منجملہ اون کے ایک "مصباح المتہجد" فقہ شیعہ مین ایک کتاب ہی، اوس کے مصنف علامہ شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی ہین، یہ مشہور قدیم مصنف ہین، اور بہت سی تصنیفات یادگار ہین، مثلاً تفسیر طوسی، مجمع البیان معلوم القرآن تہذیب الاحکام، استبصار، مبسوط، نہایہ، وغیرہ انکی سب سے مشہور تصنیف، فہرست کتب الشیعہ ہے، جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے چھپکر شائع ہوئی ہی،

*

مصباح المتہجد کا قلمی نسخہ درحقیقت متعدد حیثیات سے نادرۂ روزگار ہی، یہ نسخہ صفر ۵۰۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اور بجائے سیاہی کے شیرۂ خرما سے اس کی کتابت ہوئی ہی، خط خالص عرب ہی، آخری خلیفۂ بغداد المستعصم باللہ کے مشہور وزیر محمد بن علقمی کی فرمایش سے یہ نسخہ تیار ہوا تھا، اور خود ابن علقمی کے ہاتھ کے دستخط اوس پر ہین، علاوہ برین متعدد اکابر علمائے شیعہ کی نظرون سے یہ نسخہ گذر چکا ہی، چنانچہ شہید اول محمد بن مکی، شہید ثانی زین الدین اور ملا محمد باقر مجلسی کے حواشی اوس پر ثبت ہین، اس نسخہ مین خط کی بھی بعض خصوصیات ہین، مثلاً اضافت کے لیئے یہ (٫) علامت اور علامات جو اس طرح (۲۲) استعمال کئے گئے ہین، بعض مقامات پر لفظ الف فیہما، اس طرح لکھا ہوا ہی، جس مین کوفی خط کی شان ہی، کاف پر مرکز نہین بنایا گیا ہی، مثلاً ارکان، کل، برکات کو اس طرح لکھا گیا ہی، ارکان۔ کل۔ برکات،

جنگ عظیم سے قبل یورپ کی آبادی مین مرد و عورت کے درمیان ۱۰۰۰ اور ۱۰۳۰ کا تناسب تھا، اب یہ تناسب آبادی ۱۰۰۰ اور ۱۱۱۱ کا ہوگیا ہو، آخری اعداد کے بموجب یورپ مین مردون کی کل آبادی ۲۲۵۰۰۰۰۰۰ ہے اور عورتون کا مجموعی شمار ۲۵۰۰۰۰۰۰۰ ہو، گویا اناث کی تعداد بہ مقابلہ ذکور کے بقدر ۲½ کرور کے زاید ہو! جو عقلاء وقت، و حکماء عصر اسلام کے جواز تعدد ازدواج کو خلاف عقل و خلاف فطرت ارشاد فرماتے رہتے ہین، وہ براہ کرم ان ڈھائی کرور فاضل عورتون کے لئے موافق عقل و مطابق فطرت پارسایانہ زندگی کا کوئی طریقہ ایجاد فرمائینگے؟

اسی "موافق عقل" و "مطابق فطرت" طرز معاشرت کے نتائج کے سلسلہ مین یہ خبر بھی دلچسپی سے سنی جائیگی کہ الینوئیس (امریکہ) کی عدالت عالیہ، صیغۂ طلاق کے جج، مسٹر سیبتو کے سامنے دو سال کے عرصہ مین ازدواجی زندگی سے متعلق ۶۵۰۰ مقدمات پیش ہوئے، اور ان مقدمات کی نوعیت، نیز اون کی کثرت کا بار اون کے دماغ پر اسقدر پڑا، کہ بالآخر اونھین سستانے کے لیئے ایک طویل رخصت لے لینا پڑی ہی،

غفلت و بیحسی کی انتہا یہ ہو، کہ ہمارے ہموطن و ہم قوم اس قسم کے واقعات ہر روز سنتے اور دیکھتے رہتے ہین، پھر بھی حیرت نہین، اور جس لیلائے تہذیب کی یہ کرشمہ سازیان ہین، بدستور اوسی کے مجنون و مفتون بنے ہوئے ہین! لڑکون کے اخلاق اگر غارت ہوتے ہون، لیکن انگریزی کالج کی سند ضرور ہاتھ آجائے، لڑکیون کی عصمت و شرافت اگر خطرہ مین پڑتی ہو تو پڑے، لیکن اونکا انگریزی تلفظ بہرحال "میم صاحبون" کا سا ہونا چاہیئے، دولت، صحت و سکون قلب اگر گھرانون سے رخصت ہو رہا ہو، تو ہو، مگر اس ننگ کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہو کہ خاندان کا کوئی رکن، حکومت وقت کے کسی

مقالات

انسان اور اُسکی کمزوریان

از

مولوی عبدالرحمن نگرامی، ندوی صدر مدرس مدرسہ جامع مسجد کلکتہ

عجائب زار ہستی کی یہ عجیب ترین مخلوق انسان طرح طرح کی متضاد اور مخالف قوتون کا مجموعہ ہے، عالم کائنات مین اسکا سر جتنا ہی بلند ہے اُتنا ہی عالم تخلیق مین وہ پست ہے۔ وہ اپنے آپ کو جسقدر قوی، مضبوط، اور اونچا جانتا ہے اسیقدر وہ اپنی خلقی کمزوریونکے لحاظ سے ضعیف، ناتوان اور نیچا ہے، بے شبہہ اسکی عقلی، ذہنی، اور دماغی قوتون کا تفوق، سب سے بالاتر ہے لیکن اس کے اس تفوق کی عمارت کچھ ایسی بنیادون پر قائم ہے کہ ذراسی ٹھیس تمام عمارت کو تہ و بالا کر دے سکتی ہے، ایک انسان جو آج سوسائٹی مین اپنی اخلاقی فضیلتون کے باعث نامور اور قابل تعریف ہے کل وہ ایک معمولی سی غلطی پر سب کی آنکھون مین کھٹکنے لگتا ہے، اسکی طرف انگلیان اٹھنی شروع ہو جاتی ہین، وہ شرم و ندامت سے اپنی مجلس مین سر نہین اٹھا سکتا،

مذہبی طور پر اسکی ان کمزوریون کی اصلاح دو طریقون سے کی جاسکتی ہے یا تو بیشمار برائیون کے لئے بے شمار ممانعتین اور ہدایتین دی جائین، اور یا چند ایسی بنیادی برائیون پر انسان کو مطلع کر دیا جائے جنکی اصلاح سے سینکڑون مفاسد کا سد باب ہو جائے۔ ذیل مین چند ایسی چیزون کا ذکر کیا جاتا ہے جنکو قرآن کریم نے خاص طور پر انسانی طبیعت کی کمزوریون مین شمار کرایا ہے اور جنکے متعلق بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ ہماری معاشرتی کوتاہیون اور نہ صرف ہماری آپس کی کوتاہیان بلکہ ہمارے بہت سے وہ قصور جو متعلق بہ عبدیت

انھین کمزوریون سے پیدا ہوتے ہین اور اگر ہم اپنے مشغول اور سرتا پا تمنا و آرزو اوقات عمر عزیز مین سے چند لمحہ اپنی ان خلقی حالتون پر غور کر لیا کرین تو بڑی اُمید ہے کہ ہمارے نفوس کی بہت سی برائیون کا علاج ہوجائے اور اکثر ہمارے درمیان پیدا ہونیوالے جھگڑے، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی بے ادبیون کا خاتمہ ہوجائے۔

یہی انسان کی کمزوری ہے جو گناہون کا سرچشمہ، برائیون کی بنیاد، اور بدکاریون کی جڑ ہے، دوسری حثیت مین آکر انسان کے لئے پیغام رحمت، وسیلۂ عفو، اور آئیت تخفیف بنگئی یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ خدا چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے،

انسان اپنی اصلی حالت مین، انسان کو اگر تعلیم و تربیت سے علحدہ کردیا جائے تو وہ صرف ایک مستقیم القامت حیوان باقی رہجائیگا۔ اکبر نے گنگ محل بنا کر فطرت انسانی کا جو تجربہ کرنا چاہا اگر وہ تاریخی تحقیقات سے ثابت ہے تو اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے، اسیطرح محض علم و عقل پر اگر اسکی حیات اور معشیت کا مدار رہے تو اس کے الحاد اور سرکشی کا وہ عالم ہوگا جسکا نمونہ قریب قریب سارے یورپ مین نظر آرہا ہے، ہان وحی والہام کی آبیاری، فطرت کا فیض، بارگاہ قدس کی مہربانیان، اسکا ساتھ دین تو وہ تمام فضائل کا، خوبیون اور اخلاق کا مجسمہ بنجائے، اسکی اصل خلقت ہر قسم کے رنگ روپ، اور نقش و نگار سے عاری ہے، اسکو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوار و ذلیل مخلوق ہوجائے جو حال وقت اور زمانہ کا ہے کہ خود اس کے اندر کوئی خوبی نہین حالات اور کیفیتون کے اعتبار سے زمانہ کو البتہ اچھا اور برا کہا جاسکتا ہے بعینہٖ یہی حال انسانون کا ہے، کہ جب تک وہ وحی والہام کا دامن تھامے رہیگا بھلائی اس کے حصہ مین رہیگی وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ زمانہ شاہد ہے کہ انسان (اپنی خلقت کے اعتبار سے) نقصان نقص مین ہے، یہ سورۂ مبارک جسطرح تاریخی اور سیاسی عبرت ہے ٹھیک اسی طرح ایک اصولی اور اخلاقی تعلیم ہے۔

عجلت پسندی | **عجلت** انسان کے خمیر مین ہے، جوش، اشتعال، مسرت، اور غیظ و غضب کے بحران مین وہ کیا نہین کرگذرتا سکون ہوتے ہی ان مختلف جذبات کے نتیجہ مین اسے ندامت اور شرمندگی ہی ہاتھ آتی ہے ہماری موجودہ تحریک آزادی کتنی صعوبتون تکلیفون، اور قربانیون کی طلبگار ہے حصول مقصد کیلئے رفتار کار کے مطابق مدت بھی درکار ہے یہ سب کچھ ہے مگر کارکن نوجوان، غفلت شعار ہشیار کس قدر جلدی چاہتے ہین، اپنا تو یہ حال ہے ادھر فریق غالب طاقت کی بدمستی مین پکارتا ہے کہ اگر خداوندی طاقتین برحق ہین تو وہ جلد سے جلد کیون نہین ظاہر ہوتین اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ کیا وہ ہمارے عذاب کے بارے مین جلدی کرتے ہین بسا اوقات عالم یاس مین لوگ کسی مصیبت ناگہانی، اتفاقی موت، یا آسمانی حادثہ کی دعائین مانگنے لگجاتے ہین یہ اسکی پست ہمتی، بے صبری اور زود پسندی کا نتیجہ ہے وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهٗ بِالْخَیْرِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا انسان بھلائی کی طرح اپنی برائی کے لئے بھی دعا کرنے لگتا ہے کیونکہ انسان عجلت پسند ہے

اضطراب و اعراض | ہر طبقہ کے انسان اپنے اپنے مرتبہ و منصب کے مطابق مصائب مین مبتلا ہوتے ہین غربا کیلئے فکر و عیال، امرا کیلئے خوف مال حکومتون کو اندیشۂ زوال، ع جن کے رتبے ہین سوا ان کو سوا مشکل ہے، سب ہی اپنی اپنی مصیبتون مین خدا کو پکارتے ہین حد ہوگئی کہ الحاد زار یورپ مین بھی کبھی کبھی اسکی جھلک نظر آجاتی ہے۔ جرمنی کا خطرہ پیش آیا تو انگلستان کے گرجے، ہندوؤنکے مندر، اور مسلمانون کی مسجدین ہر ملت و مذہب کی عبادت گاہین سرکاری طور پر دعا کے لئے منتخب کی گئین مصیبت مین یہ عاجزی و انکسار اور دفع مصیبت کے بعد ہی یکقلم خداوندی حقوق کا انکار یا للعجب، اِذَا اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاءٍ عَرِیْضٍ - جب ہم انسان پر اپنی نعمتین نازل کرتے ہین وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو بچاتا ہے اور جب مبتلائے مصیبت ہوتا ہے تو لمبی چوڑی دعائین مانگنے لگتا ہے،

دو عجیب حالتین | عالم یاس کی دعا، اور حالت ثروت کا اعراض بھی کیسا عجیب ہے ایک وقت

تو انسان ناامید اور دوسرے وقت اُمید سے سرشار ہوتا ہے ایشیا مین بہت کم اور یورپ مین بہت زیادہ خودکشی کے جو واقعات روزمرہ پیش آتے رہتے ہین وہ اکثر پہلی حالت کا نتیجہ ہوتے ہین دوسری حالت کم وبیش دونون براعظمون مین اور خصوصیت کے ساتھ ہمارے ملک مین بیشتر پائی جاتی ہے، بہت عسرت وفلاکت کی زندگی بسر کرنے کے بعد دیکھا گیا ہے کہ حسن اتفاق، یا قوت بازو سے بہتون نے انفرادی طور پر دولت پیدا کرلی لیکن دولت کے حاصل ہوتے ہی، خدا، انسان، اقربا، قوم، مذہب سب کے حقوق بھول جاتے ہین۔ ان دو حالتون پر بڑی احتیاط سے نظر رکھنا چاہیے کہ بڑا حصہ دنیا کے گناہون کا انھین دو کیفیتون کے علحدہ علحدہ طور سے پائے جانے یا باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ - اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت دیتے ہین پھر اس سے نکال لیتے ہین تو پھر وہ ناامید اور ناشکرا بنجاتا ہے اور اگر تکلیف کے بعد اسے آرام نصیب ہوتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو میری سب تکلیفین رفع ہوگئین وہ خوشی سے پھولا نہین سماتا اور فخر سے بھر جاتا ہے،

الزام اسی طرح انسان نتائج کو اپنے اعمال کی سزا نہین سمجھتا بلکہ کشایش رزق اور تنگی وضیق کی حالت کو دو عجیب وغریب اثرات کی طرف منسوب کرتا ہے فراوانی رزق کو اپنی خوبی پر محمول کرتا ہے جس کے باعث پروردگار عالم اسکی تعظیم کرتا ہے تنگی رزق پر ناخوش اور خفا ہوتا ہے، فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ انسان کو جب اسکا پروردگار آزماتا ہے اس پر کرم کرتا ہے نعمتین دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تعظیم کی اور جب اُسے آزمایش مین ڈالتا ہے روزی تنگ کردیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری توہین کی،

خودی کا تماشہ | انسان اپنی بہتری کا اتنا خواہان ہے کہ کسی حال مین بھی بھلائی کی دعا اور نیکی کی طلب سے نہین تھکتا لیکن اگر کہین ذرہ برابر بھی اسکی خواہش کے خلاف کوئی امر واقع ہوا تو اس کی امیدون پر اوس پڑ جاتی ہے وہ اپنے مقام پر یاس و نا اُمیدی سے جم کر رہجاتا ہے گویا کہ عمل و فعل کی دنیا سے اسے کوئی لگاؤ ہی نہین - حالات کا رخ بدلا - زمانہ موافق ہوا، مصائب کا بادل چھٹا تو وہ اس کو بھول کر کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا میرے زور بازو اور قوت عمل سے ہوا لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ وَلَئِنْ اَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ - انسان کبھی بھلائی کی طلب سے نہین تھکتا مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے اور مصیبت کے بعد جب راحت آتی ہے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے وہ میرے سبب سے ہے

ناشکری | ان مختلف کیفیتون کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کے دل سے خداوند عالم کی نعمتون کا اعتراف اور اس کے انعامات بیکران کا اقرار محو ہو جاتا ہے اور وہ بندۂ ناشکر گذار بنجاتا ہے عموماً ناشکر گذاری نا اُمیدی کے بعد پیدا ہوتی ہے اِنَّهُ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ - وہ انسان مایوس اور ناشکر گذار ہو جاتا ہے، اور یا جب انسان مصائب کے دام سے آزاد ہو کر عارضی خوشحالی مین گھر جاتا ہے تو اسے خدا کی سب سے بڑی عبادت بھی ناشکر گذاری نظر آتی ہے - قران مجید مین بطریق مثال بیان کیا گیا ہے کہ لوگ دریائی سفر اختیار کرتے ہین، طوفان آتا ہے، کشتی گرداب فنا مین چکراتی ہے - اضطراب کی حالت مین دعا کے لئے ہاتھ اُٹھ جاتا ہے، لیکن فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا پھر جب ان کو خشکی کی طرف نجات دیدی تو اعراض کرنے لگے ہو کیونکہ انسان ناشکر گذار ہے،

اجتماعی کیفیت | انسان کی آرزوؤن اور تمناؤن کے نتایج مختلف اشکال، حرص و طمع، جزع

و فزع، منع و بخل، کی صورت مین پیدا ہوتے ہین ۔ تنگدستی کے وقت فلاح کے لئے لنبی لنبی دعائین منتون کا انبار، نذر و نیاز کا اپشتارہ ۔ خیرات کی فراوانی نظر آتی ہے مگر مقصود کے حاصل ہوتے ہی اندیشہ فردا، خیال مستقبل، بچون کا فکر آگھیرتا ہے ۔ اس وقت تکمیل منت تو درکنار معمولی سے معمولی ابواب صدقات بھی بند ہو جاتے ہین ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۔ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۔ انسان حریص پیدا کیا گیا ہے مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، دولت ملتی ہے تو صدقات سے رک جاتا ہے ،

بخل ۔ شاید انسان کی کمزوریون مین اس سے زیادہ عام اور اس سے زیادہ دقیق کمزوریان دو ہی ایک ہون بخل کی کتنی ہی شکلین ہین جو سخاوت، و اسراف، کی حالت مین بھی پوشیدہ رہتی ہین ۔ صلۂ رحمی، سلوک عام شخصی احسان، قومی چندے، الغرض سب شاخین انسان پوری کرتا ہے لیکن نفس اس خرچ پر اپنی تنگی ہی ظاہر کرتا رہتا ہے ۔ دل ایک قسم کے کرب اور بےچینی مین مبتلا رہتا ہے ان سب سے بالاتر فکر فردا، اسے اس بری طرح ستاتا ہے کہ وہ زر و سیم کے انبار رکھتا ہوا بھی افلاس و تنگدستی کو ڈرتا رہتا ہے اور باوجود ہر قسم کی کثرت و ثروت کے خرچ کرنے کے وقت مال کے ہاتھ سے نکلجانے کا کم سے کم ایک ہلکا سا رنج ضرور محسوس کرتا ہے ۔ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا کہدو کہ اگر تم لوگ خزائن رحمت پروردگار کے مالک بنا دئے جاؤ تو بھی خرچ ہو جانے کے ڈر سے بخل کرو گے انسان بڑا ہی بخیل اور کم خرچ ہے ،

بیباک نادانی ۔ عالم کی بنیاد موسیقیت پر قائم ہے، موسیقیت عالم محبت کی ایک شیرین ترین مخلوق ہے، موسیقیت کبھی خاموش ہے اور کبھی گویا انسان ان دونون حالتون کا مجموعہ ہے وہ فطرۃً سادہ اور بیباک ہے سادگی اسے ہر خوشنما اور دلفریب صورت کا شیفتہ بنا دیتی ہے

بیباکی اسے خطرات مین گھیر دیتی ہے۔ دنیا کا پہلا انسان پیچیدگیون اور دغاشعاریون سی آزاد تھا لیکن اس کی بیباکیون نے اسے زمین پر ٹپک دیا، اور سادگی نے عقل کے جال مین پھنسا دیا جس بار کو آسمان وزمین نے نہ اٹھایا، نادان انسان نے اسے خوشی کے ساتھ اٹھالیا،

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ اس کو انسان نے اٹھالیا وہ نادان اور بیباک تھا۔

بیباکی حد پر ٹھہری رہتی ہے تو وہ کرشمۂ محبت رہتی ہے اور حد سے بڑھجاتی ہے تو ناشکری اور سرکشی بنجاتی ہے، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ انسان بیباک اور ناشکر گذار ہے،

دوسری سرکشی | ایک سرکشی تو یہ ہے جس کی بنیاد نادانی وبیباکی ہے دوسری صورت سرکشی کی اس سے زیادہ سخت اور شدید ہے جو انفرادی صورتون مین بداعمال تعیش اور اتلاف حقوق کا موجب بنتی ہے اور اجتماعی حالات مین ایک ظالم حکومت اور جابر سلطنت کے جامہ مین ظاہر ہوتی ہے، دولت انسان کی آنکھون کو خیرہ کردیتی ہے، اور تھوڑی سی رزق کی کشادگی، اسے اپنے معبود اور معبود کے قانون سے بھی الگ کردیتی ہے،

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۔ انسان اپنے آپ کو غنی دیکھکر سرکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے

تین چیزین | با این ہمہ اظہار استغنا، انسانی طبیعت تمول کی خواہشمند اور دولت کی طلبگار ہے اور اس طلبگاری کے ساتھ ساتھ خدا کا ناشکر گذار اور اپنی ناشکر گذاری کا ناقابل جرح گواہ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝

انسان اپنے پروردگار کا ناشکر گذار اور خود اسپر گواہ اور مال کا سب سے زیادہ چاہنے والا ہے،

کشمکش | انسان جو اپنی خلقت کے لحاظ سے کمزور، پیدائش کے اعتبار سے نازک جسم و توانائی مین نحیف لیکن اس کی ہر آن ایک کشمکش عام کے لئے وقف ہے اسکی زندگی کا مدار حیثیت کا انحصار، اسی تصادم پر ہے تصادم جبتک قائم ہے زندگی کا سانس چلتا ہے تصادم ختم ہوگیا

اور موت کی گہری نیند طاری ہوگئی لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ - ہم نے انسان کو ایک مشقت مین ڈال کر پیدا کیا (دائم پابند مشقت ہے)

جدال و نزاع | کشاکش کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان، مقابلہ اور مجادلہ کے لئے تیار رہے، مقابلہ ہی ضد سے ہٹ دھرمی، اور عصبیت بیجا کے رذائل پیدا ہوتے ہین یہی باعث ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے کوئی بھلی اور نیک بات پیش کیگئی وہ نزاع کے لئے طیار ہوگیا وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْئٍ جَدَلاً - انسان سب چیزون سے زیادہ جدل پسند ہے۔

آغاز و انجام | کمزوریون کے ہوتے ہوئے بھی انسان کی فطرت اپنی ابتدا مین صالح اور نیک رکھی گئی ہے طرح طرح کی آلائشین، گرد و پیش کے واقعات، دنیا کی مصروفیتین اسکی نیکی کو دباتی ہین اور برائی کے پردۂ تاریک سے ڈھانپ دیتی ہین - ہان وحی و الہام کی اعانت - ایمان اور عمل ہی ایسی چیزین ہین جو انسان کی یاوری کرسکتی ہین، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ. ہم نے انسان کو اچھی حالت مین پیدا کیا پھر اس کو نہایت پست درجہ کی طرف لوٹا دیتے ہین مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہون نے عمل صالح کیا ان کے لئے لازوال اجر ہے!!

بقیہ شذرات صفحہ ۱۶۵

اعلیٰ عہدہ پر فائز نہین! جب ان دانشمندون سے سوال کیا جاتا ہی، کہ مغربی ڈگریون اور امتحانات، و مغربی تعلیم و تربیت، مغربی تہذیب و شایستگی کے ساتھ یہ شیفتگی کس بنا پر، اور کن اغراض کے حصول کے لیئے ہی، تو ان کے دلائل کا ترکش تیرون سے خالی نکلتا ہی، اور ان کے اس طرز عمل کی کوئی توجیہ بجز اسکے سمجھ مین نہین آتی، کہ موجودہ نسل سے قبل والی نسل کی آنکھین سحر سامری کی جگمگاہٹ سے جو خیرہ ہوگئی تھین، وہی مرعوبیت آج تک مسلط ہی، سانپ اگرچہ جاچکا ہی، لیکن دلون پر وحشت اسقدر غالب ہی، کہ اسکی کیچل کو بھی ہاتھ لگاتے ہوئے دل لرزتا ہی،

الکندی اور اس کا فلسفہ[1]

از

مولوی معتقد ولی الرحمٰن صاحب ایم۔ اے لاہور

فیلسوف العرب ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق الکندی عرب والدین سے کوفہ[2] مین تولد ہوا، وہ اپنا سلسلۂ نسب قدیم کندی رؤسا سے مین سے ملاتا تھا، اس کا باپ خلفا، مہدی و رشید کے زمانہ مین کوفہ کا والی تھا۔ اس کے آبا و اجداد سب کے سب کسی نہ کسی صوبے کے حاکم رہے چنانچہ اس کا دادا قبیلۂ کندہ پر حکمران تھا۔ اگرچہ بعد مین وہ حکومت سے دست بردار ہو کر آنحضرت صلعم کے صحابہ کے زمرہ مین شامل ہو گیا۔ اس کا پردادا، ابو حارث اصغر پر حاکم تھا۔ اس کے آبا و اجداد کی حکومت ایسا امر واقعی ہے کہ جسمین کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش نہین۔ تمام عرب مورخین اور مغربی مستشرقین اس باب مین متفق ہین (ملاحظہ ہو تاریخ الحکما، ابن القفطی جرمن ایڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۶۷۔ عیون الانبا، فی طبقات الاطبا۔ ابن ابی اصیبعہ۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۰۷۔ عربستان کی ادبی تاریخ مصنفہ مسٹر نکلسن صفحہ ۳۶۱) تعجب ہے کہ ڈی بوئر ایسا عالم متبحر اور فاضل مستشرق اس کو مانتے ہوئے ہچکچاتا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ فلسفۂ اسلامیہ مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۷) افسوس اس امر کا ہے کہ فاضل موصوف نے اپنے اس عقیدہ کے ثبوت مین کوئی دلیل پیش نہین کی۔ لہذا دیگر مورخین کے اتفاق آرا کے ہوتے ہوئے یہ ماننا ہی پڑیگا کہ وہ واقعی اس عزت کا حقدار ہے جسکو وہ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس نے اپنی تعلیم کچھ بصرہ

---

[1] یہ مضمون انگریزی زبان مین بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹیٹوٹ کے سہ ماہی رسالہ بابت جنوری سنہ ۱۹۲۱ء مین شائع ہو چکا ہے اب اسپر نظر ثانی اور کچھ اضافہ کرکے ہدیہ ناظرین معارف کیا جاتا ہے۔

[2] فان ڈایک نے بصرہ اسکا مولد قرار دیا ہے (اکتفار القنوع بما ہو المطبوع صفحہ ۱۰۱) مگر اور تمام تاریخ نگار کوفہ ہی کا نام لیتے ہین۔ اسمین شک نہین کہ اسکا وطن بصرہ تھا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہین نکالا جا سکتا کہ وہ وہین پیدا بھی ہوا۔ برخلاف اسکے کوفہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ جیسا ہمکو معلوم ہے اسکا باپ کوفہ کا والی تھا۔ لہذا فان ڈایک کا بیان صریحًا غلط معلوم ہوتا ہے۔

مین حاصل کی مگر تکمیل اسوقت تک نہ کر سکا جب تک کہ اس نے اس وقت کی تہذیب و تمدن کے مرکز یعنی بغداد کی زیارت نہ کر لی۔ بغداد کی آب و ہوا اور وہان کے علم و فن کا چرچا اس کو کچھ ایسا بھایا کہ یہین سکونت اختیار کر لی۔ یہان بہت جلد اس کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ خلیفہ معتصم تک اس کی تعریف پہونچی۔ چنانچہ اس نے فوراً اس کو یونانی کتب کو عربی مین ترجمہ کرنے کی خدمت پر بلا لیا۔ یہان ان یونانی تصانیف کو دیکھ کر اس کی آنکھین کھل گئین۔ وہ یونانیون کی تہذیب اور انکے علم و فن سے اسقدر مرعوب ہوا کہ ان کی مدح سرائی شروع کر دی۔ دوسری طرف عباسیونکے دربار کی شان و شکوہ نے اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ قدیم عربی تہذیب و تمدن کے مقابلے مین ایرانی تہذیب کو ترجیح دے ؛

افسوس ہے کہ اس کے اوائل عمر کے حالات سے ہم بالکل واقف نہین۔ اس لیے یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ معتصم کے دربار مین کب تک رہا۔ مگر ان مختصر کوائف سے جو عرب مورخین نے اتفاقاً محفوظ کر لیے ہین ہمکو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دربار مین صرف ترجمہ ہی کا کام اس کے ذمے نہ تھا۔ بلکہ اور تراجم کی نظرثانی اور ان کی اصلاح بھی اسی کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ شاہی منجم طبیب اور مالگزاری کے افسر کی خدمات بھی بجالاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قابل رشک رتبہ پر ہمیشہ نہ رہ سکا خلیفہ متوکل کے زمانے مین علماء دین کا زور ہوا۔ اور زنادقہ اور ملاحدہ کا استیصال شروع ہوا الکندی بھی چونکہ فلسفی مشہور تھا اس لیے اسکو بھی اسی الزام مین ماخوذ کیا گیا اور اس کا بیش بہا اور نادر کتب خانہ بحق سرکار ضبط ہوا۔ جو اس کی اپنی اور خلیفہ کی موت سے کچھ دنون قبل تک واپس نہ ملا۔

افسوس ہے کہ الکندی کی تاریخ وفات سے ہم واقف نہین، وجہ یہ ہے کہ عرب مؤرخین نے اس غریب کیطرف سے بہت بے اعتنائی برتی ہے۔ اور دوسری طرف شامت یہ ہے کہ اس کی تصانیف تقریباً سب ناپید ہین۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی موت کے وقت

وہ دربار کیطرف سے معتوب تھا۔ یا کم از کم اپنے قدیم عالی رتبہ پر متمکن نہ تھا۔ حیرت یہ ہے کہ مسعودی بھی جو اس کا اس قدر مداح تھا اس باب مین بالکل خاموش ہے۔ ڈی بوئر کا خیال ہے کہ وہ ۸۷۰ء کے بعد تک زندہ تھا (صفحہ ۹۹)

جنوبی عرب کا قبیلہ کندہ دیگر ہمعصر قبائل کی نسبت تہذیب و تمدن مین بہت کچھ آگے تھا۔ اس لحاظ سے ابو یوسف کا اس قبیلہ سے ہونا کچھ تعجب خیز نہین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اسکے وجود پر نازان تھے، چنانچہ اس کو دیگر عجمی فلاسفہ سے ممتاز کرنے کی غرض سے اس کو فیلسوف العرب کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ درشت خو اور جنگجو عرب مین یگانۂ عصر تھا اس لیے وہ لوگ اسپر جتنا بھی فخر کرتے کم تھا۔ چنانچہ بہت جلد اس کا تبحر علمی۔ اور فلسفی تربیت ضرب المثل ہوگئی۔ اسکو خود بھی فلسفہ سے اسقدر شغف تھا کہ اس زمانے مین سواے اس کے اور کوئی فلسفی کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا،

اس کے سحر آفرین قلم نے جس میدان مین بھی آب زریکی ہے وہان وہ وہ گل کھلائے کہ باید و شاید وہ نہایت حیرت انگیز اور غیر معمولی دماغ کا شخص تھا، ہر مضمون کو خواہ وہ کتنا ہی سنگلاخ ہو پانی کرکے بہا دیتا تھا، ہر موضوع پر نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرسکتا تھا۔ ابن ندیم نے اس کی تصنیفات مین سے ۲۴۰ کے نام درج کیے ہین۔ جن مین سے اکثر ارسطو کی تصانیف کی شرحین ہین۔ اس کی تصانیف کی تعداد بقید مضامین حسب ذیل ہے۔

کتب فلسفیہ	۲۲	احکامیات	۱۶
منطقیہ	۹	جدلیات	۱۷
حسابیات	۱۲	نفسیات	۵
کریات	۸	سیاسیات	۱۱

موسیقیات	۷	احداثیات	۱۴
نجومیات	۱۹	ایجادیات	۸
ہندسیات	۲۳	تقدمیات	۵
فلکیات	۱۶	انواعیات	۳۳
طبیات	۲۲	(الفہرست ابن ندیم جرمن ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۷۱ء صفحہ ۲۵۵ تا ۲۶۱)	

مگر ان تصانیف کے نامون اور ان کے موضوع پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا دماغ اختراعی نہ تھا۔ وہ علوم متداولہ پر حاوی تھا۔ اس لیے جو کچھ اس نے لکھا وہ گویا ان کا پرتو یا نقش ثانی تھا۔ مثلاً دینیات مین وہ معتزلہ کا پیرو ہے۔ ان ہی کے زیر اثر اس نے انسان کی قدرت عمل اور اس کے ظہور کے وقت پر بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض عقائد و خیالات جو الکندی نے ظاہر کیے ہین اس قسم کے ہین کہ اس زمانہ مین ان کی امید نہین کی جا سکتی۔ اور بعض تو بالکل زمانۂ حال کی تحقیقات و افکار کے موافق ہین۔ مگر اس قسم کے نتائج اخذ کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس کی تمام تصانیف ہون جن کے مطالعہ سے ہمکو مصنف کے اصلی خیالات کا پتہ لگ سکے۔ اور بدقسمتی سے یہی بات ہمکو حاصل نہین ہو سکتا ہے کہ موافقت لفظی اس کے خیالات کی غلط ترجمانی کرے۔ مثلاً الکندی نے ایک الگ رسالہ مین فلسفہ اور ریاضیات کے تعلق پر بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ بغیر ریاضی کے فلسفہ کو سمجھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس کا یہ خیال زمانہ حال کی تحقیقات کے عین مطابق ہے۔ لیکن اگر الکندی کی اور تصانیف ہمارے سامنے ہوتین تو ہم یہ معلوم کر سکتے کہ ریاضی مین اس نے کس کس چیز کو شامل کیا ہے، اور وہ تعلق جو اس نے دکھایا ہے اس تعلق سے بالکل مختلف ثابت ہوتا جو آج کل بتایا جاتا ہے۔ "ریاضی" کے مفہوم کا فرق

راجر بیکن[1] کے خیالات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یہ وہ فلسفی ہے جس پر عربی فلسفہ نے بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔ اور اس شخص نے ریاضی میں رقص۔ غنا اشارات اور آلہائے موسیقی کے استعمال کو بھی شامل کیا ہے یقیناً عرب فلاسفہ اور اس لیے الکندی نے بھی اس کو انہیں معنوں میں استعمال کیا ہوگا۔ لہذا اس کے خیالات کو زمانۂ حال کے خیالات کے قریب کہنا خالی از اندیشہ نہیں،

فی زمانا اس کی تمام تصانیف ناپید ہیں[2]۔ اس وقت اس کی قرابادین دستیاب ہوئی جس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا ہے اور ۱۵۳۱ء میں سٹراس برگ میں شائع ہوئی ہے، بارشوی پر اسکی ایک اور تصنیف لاطینی میں ترجمہ ہو کر ۱۵۶۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اور تیسری علم ہیئت پر ۱۸۹۵ء میں لیپزگ میں طبع ہوئی ہے،

الکندی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تبحر علمی اور ژرف بینی کے باوجود نہایت ہی مختصر نویس ہے۔ یہ مسئلہ مدت تک لمبی چوڑی بحثوں کا موضوع رہا۔ چنانچہ بعضوں نے اسکو بخل سے متہم کیا۔ اور بعضوں نے اس کو اسکی کم علمی پر محمول کیا۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ نہ بخل کا نتیجہ ہے نہ کم علمی کا۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس کی تصانیف صرف علماء و ماہرین کے لیے تھیں۔ اسی وجہ سے اسنے اپنے دلائل کی توضیح و تشریح کو تضیع اوقات سمجھا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ علماء اور ماہرین کو اسکی ضرورت نہیں، اس خیال کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس نے اپنی تصانیف میں طریقۂ تحلیلی کو اختیار کیا اور من گڑھت منطقی اصول کی چنداں پرواہ نہیں کی،

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی تصانیف فلسفیہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں،

---

[1] ۱۲۱۴ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۲۹۴ء میں مرگیا۔ اصل میں ایک انگریز پادری تھا۔ مگر اپنی خداداد ذہانت اور لیاقت سے ریاضیات اور علم الکیمیا میں بہت کچھ نام پایا۔ چنانچہ بارود کی ایجاد اسی کی طرف منسوب کیجاتی ہے شروع شروع اس کو جادوگر سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس کی قدر ہونے لگی۔ اور آج کل تو گویا اوسکی پرستش ہو رہی ہے،

[2] معارف: مانچسٹر کے کتبخانہ میں اسکا ایک عربی رسالہ موجود ہے،

اس وجہ سے اس کے فلسفہ کی باقاعدہ تشریح مشکل اور بالکل غیر شافی ہوگی۔ البتہ ان پریشان اور پراگندہ کوائف کی مدد سے جو ہم تک پہونچے ہین بعض مسائل پر اس کے خیالات معلوم کرسکتے ہین۔ حیرت ہے کہ مسلمان مؤرخین اور سوانح نگارون نے بھی اسکی طرف بہت کم توجہی سے کام لیا ہے وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد مین ان کی ایسے ایسے جلیل القدر، اور رفیع الشان اشخاص سے واقفیت ہوئی کہ الکندی انکے سامنے ہیچ ہوگیا۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ الکندی ان قلیل التعداد عربون مین سے ہے جن کے علمی دنیا مین حیرت انگیز کارنامے ہمیشہ کندن کی طرح دمکتے رہین گے، ڈی بوئر یقیناً ہمارے شکریہ کا مستحق ہے کہ اس نے اس کے عقاید کو محفوظ کیا۔ ورنہ آئندہ نسلین صرف الکندی کے نام یا اس کے سلسلۂ نسب سے واقف ہوتین،

الکندی نے فلسفے کو تین قسمون مین منقسم کیا۔ ریاضی، طبیعی اور اخلاقی۔ قسم اول مین اس نے فلسفۂ طبیعی کو بھی شامل کرلیا جسمین فیثاغورثیت جدید اور اشراقیت جدید ایک دوسرے مین مدغم ہوگئین۔ اس نے فلسفے کی اس شاخ پر اس قدر زور دیا کہ یہ فلسفہ کا مترادف ہوگئین۔ اس کا یہ خیال اس کے زمانے کے حالات کے عین موافق تھا۔ اس کے ہمعصرون کا قول تھا کہ ریاضی فلسفہ کا جزوِ اعظم ہے چنانچہ الکندی بھی اسی کا قائل ہوگیا کہ کوئی شخص اس وقت تک فلسفی ہونے کی صلاحیت نہین رکھتا جب تک کہ اس ریاضی سے واقفیت نہو۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہین اس کے اس خیال کو بھی سمجھنے کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے زمانہ مین ریاضی مین ان باتون کے علاوہ جو آج کل اس مین شامل ہین اور بہت کچھ داخل تھا، ریاضیات کو اس نے یہانتک اہمیت دی کہ طبیات مین اپنے نظریۂ ادویۂ مرکبہ مین بھی اس سے گریز نہ دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ موسیقی کی طرح ان ادویہ کی تاثیر بھی نسبت ہندسی پر منحصر ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ موسیقی مین آواز کا تناسب ضروری ہے اور طب مین ہر چہار اوصاف محسوسہ یعنی گرمی۔ سردی۔ خشکی اور تری کا تناسب مثلاً اگر ایک دوا اول درجہ مین

گرم رکھنی منظور ہو تو اس کے مرکب کی نسبت اس مین دوگنی گرمی ہونی چاہیے۔ علی ہذا القیاس دیگر اوصاف بھی۔ ظاہر ہے کہ اس امر کا فیصلہ حس ذائقہ کے سپرد کیا جائے۔ کیونکہ اس معاملے مین وہی بہترین ثالث بن سکتا ہے، ان خیالات پر غور کرنے سے صاف نظر آجاتا ہے کہ زمانہ حال کے مہیج اور حاسہ کے تناسب کے نفسیاتی نظریہ کی ابتدا ایک ہزار برس قبل الکندی نے کردی تھی۔ اور الکندی کے اس نظریہ کیوجہ سے کارڈن[1] نے اسکو بارہ دقیقہ رس فلاسفہ مین شمار کیا ہے،

الکندی کا خیال تھا کہ دنیا کی تخلیق خدا کا کام ہے۔ مگر اس پر اس کا اثر درمیانی وکلاء کی وساطت سے پڑتا ہے۔ جو ایک نظام مین منسلک ہین۔ اس نظام مین اعلیٰ وجود ادنی پر اثر کرتا ہے۔ مگر معلول کا علت پر کوئی اثر نہین ہوتا۔ بظاہر یہ عجیب ہی بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اسکی وجہ صاف نظر آجاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ علت معلول کی نسبت نظام موجودات مین زیادہ عالی رتبہ ہے۔ اور چونکہ اعلیٰ ادنی پر اثر آفرین ہوتا ہے نہ کہ ادنی اعلےٰ پر۔ اس لیے ظاہر ہے کہ معلول جو ادنی ہے علت پر جو اعلےٰ ہے کوئی اثر نہین کر سکتا، اس کائنات مین الکندی کے خیال کے مطابق ہر جگہ قانون علیت[2] کا دور دورہ ہے۔ اور اسی قانون کی وجہ سے ہم ماضی وحال کی بنا پر استقبال کے متعلق پیشین گوئی کر سکتے ہین۔ اور اس قانون کی عدم موجودگی مین ہمارے تمام علوم استقرائیہ کالعدم ہوجاتے ہین۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ الکندی قانون استقلال قدرت[3] کی طرف سے بھی غافل نہین کیونکہ اگر اس قانون کو نظرانداز کردیا جائے تو قانون علیت بالکل بیکار ہوجاتا ہے اور ہم اس کی بنا پر کسی قسم کی پیشینگوئی کرنے کے قابل نہین رہتے۔ قانون استقلالِ قدرت کا منشا یہ ہے

[1] جیروم کارڈن ۱۵۰۱ء مین پیدا ہوا۔ یہ بڑا مشہور فلسفی اور ریاضی دان تھا۔ ۱۵۷۶ء مین مرگیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسنے خودکشی کی۔ کیونکہ اس نے پیشینگوئی کی تھی کہ وہ ۱۵۷۶ء مین مرجائیگا۔

[2] Law of Causation

[3] Law of uniformity of nature

کہ ایک خاص علت ہمیشہ ایک خاص معلول کا باعث ہوگی۔مثلاً یہ کہ آگ ہمیشہ جلائیگی۔ یہ نہین ہوسکتا کہ آگ کبھی تو جلادے اور کبھی اڑادے۔ اگر ہم اس قانون کو نہ مانین تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک علت کسی معلول کا باعث ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر اس وقت آگ نے کپڑے کو جلادیا تو یہ ضروری نہین کہ کل بھی جلاہی ڈالے بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کو ہوا کی طرح اڑادے۔ ایسی صورت مین ظاہر ہے کہ پیشینگوئی بالکل ناممکن ہوجاتی ہے۔ الکندی اسقدر خام علم نہ تھا کہ وہ قانون علیت کو تو قبول کرلیتا اور قانون استقلال قدرت کیطرف سے اپنی آنکھین بند کرلیتا۔ برخلاف اس کے اسکو ان دونون قوانین پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ یہ کہا کرتا تھا کہ اگر ہم موجودات مین کسی ایک چیز سے اچھی طرح واقف ہون تو ہم اشیا کے سارے نظام کو سمجھ سکتے ہین۔ کیونکہ وہ چیز گویا آئینہ ہوتی ہے جسمین تمام کائنات کا عکس پڑتا ہے،

نظام موجودات مین روح عالی مرتبہ ہے اور تمام فعلیت کا سرچشمہ۔ برخلاف اس کے مادہ بالکل جامد ہے۔ یہ روح کا تابع ہے اور اسی کی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس مین بذاتہ کسی قسم کے فعل کی قابلیت نہین، ان خیالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ الکندی کے خیالات مین روح و مادہ کی ثنویت پائی جاتی ہے۔ اور جیسا ہم آگے چل کر دیکھینگے۔ وہ تاآخر دم اس عقیدہ پر ثابت قدم رہا۔ اس کے تمام خیالات اسی رنگ مین رنگے ہوئے ہین۔ اس کے نزدیک نفس، روح الٰہی اور عالم مادی اور جسمانی کے مابین ہے۔ اور اسی وجہ سے اس مین دونون کی خصوصیات پائی جاتی ہین۔ اور دونون سے بہت جلد متاثر ہوسکتی ہے۔ یہی نفس، عالم کروی کی تلوین کا باعث ہوتی ہے۔ نفس انسانی نفس عالم سے منفصل ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنے تمام افعال مین جسم سے متعلق ہے اور اپنے جوہر مین اس سے بالکل آزاد ہے۔ اس عقیدہ کی مدد سے اب ہم اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے دے سکتے ہین کہ اجرام سماوی ہمارے نفس پر کسی قسم کا اثر کرتے ہین کہ نہین۔ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ستارے صرف طبعی واقعات تک محدود ہوتے ہین۔ اور اس لیے ظاہر ہے کہ ان پر اثر کرتے ہین مگر

نفس چونکہ روحانی الاصل ہے اس لیے ان کے اثر سے باہر ہے، طبیعی واقعات مین خواہ وہ کسی قسم کا تغیر پیدا کرین مگر نفس پر وہ بالکل اثر نہین کر سکتے،

اب سوال یہ ہے کہ نفس کی ماہیت کیا ہے؟ نفس کی ماہیت چونکہ روحانی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بسیط اور غیر فانی جوہر ہے۔ عالمِ عقل اس کا اصلی وطن ہے۔ اگرچہ یہ عالمِ حواس مین نازل ہے مگر پھر بھی اپنے اصلی وطن کیطرف سے غافل نہین۔ اس کو اپنے گذشتہ حالت مستحضر ہے یہ ہمیشہ مشتاق وطن رہتی ہے کیونکہ عالم حواس مین اس کی اکثر خواہشات پوری نہین ہوتین۔ ہمارا روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ عالم حواس مین کوئی چیز ساکن و دائم نہین، ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ دوام و استقلال صرف عالم عقل ہی مین پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہین کہ ہماری خواہشین پوری ہون اور ہم اپنی مرغوب چیز سے محروم نہ رہین تو ہکو نعامر عقل کیطرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ صرف یہی غیر فانی اور دائمی ہین۔ عالم مادی گویا ظلِ سحاب ہے۔ اور اس واسطے اس کی خواہش کرنا ایک غیر موجود چیز کی خواہش کرنا ہے،

الکندی کا نظریۂ علم بھی اس کی ثنویت روح و مادہ کے عین مطابق ہے، اسکا خیال ہے کہ ہمارا علم یا حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یا عقل کے ذریعہ ان دونون ذرائع مین فرق یہ ہے کہ حواس سے ہکو ایک جزئی یا مادی صورت کا علم ہوتا ہے اور عقل کلی روح کا تخیل یا واہمہ ان دونون کے بین بین ہے، اور اسیواسطے اس کو قوت واسطی کہا جاتا ہے۔ ان خیالات سے ظاہر ہے کہ الکندی نہ تابع تصوریت ہے اور نہ قائل "حسیت" بلکہ اس کی جگہ ان دونون مسلکون کے بین بین ہے۔ تحصیل علم مین وہ دونون ذرائع پر برابر زور دیتا ہے۔ لہذا اس کے نزدیک ان دونون ذرائع مین سے ایک کو ماننا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا کائنات کے متعلق غلط علم کا مترادف ہے۔ کیونکہ اگر ہم عقل کو نظر انداز کر دین تو ہکو کلی علم نہین ہو سکتا اور اگر حواس کیطرف سے آنکھین بند کر لین تو ہمارے پاس جزئی کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہین رہتا۔

الکندی کے اس نظریۂ علم سے اس کے عقیدۂ عقل کو سمجھنے مین بہت مدد ملتی ہے۔ بعد کے فلاسفۂ اسلام نے اس پر یہان تک زور دیا کہ یہ انکے فلسفہ کی ایک نمایان خصوصیت بن گئی عیسائی قرون متوسط مین کلیات کی بحث نے خارجی اور علمی مذاق کو ترقی دی اسی طرح مسلمانون کے نفس کے متعلق موشگافیون نے تربیت عقلی کی فاعلی ضرورت کو نمایان کر دیا۔ اس بحث مین الکندی نے صرف اتنا کیا کہ اس مسئلہ کو معرض بحث مین لے آیا۔ اور متاخرین کی طبع آزمائی کے لیے مواد چھوڑ گیا،

الکندی نے عقل کی چار قسمین کی ہین۔ اول وہ روح جو ہمیشہ حقیقی رہتی ہے۔ اور جو اس جہان کی ہر روحانی چیز کی علت اور جوہر ہے۔ ظاہر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہین ہو سکتا، دوم وہ روح جو نفس کی قابلیت یا قوت استدلال ہے، سوم وہ روح جو نفس انسانی کی ملکیت یا اس کی عادت (؟) ہے۔ اور جسکو نفس اس طرح استعمال کر سکتا ہے جس طرح ایک مصنف اپنے فن کو اور چہارم وہ فعلیت ہے جس کی بدولت نفس کی ایک باطنی یا فاعلی حقیقت ایک خارجی حقیقت سے جا ملتی ہے۔ عقل کی اس قسم سے یقیناً الکندی کی مراد خود عقل انسانی ہے۔ کیونکہ اس کی وساطت سے وہ اپنے خیال کو حقیقت بنا سکتا ہے۔ اس کا خیال اس کے فعل ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے، الکندی کا عقیدہ ہے کہ یہ غیر فانی روح قوت کو عادت مین منتقل کر دیتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر محض ممکن کو حقیقی بنا کر پیش کرتی ہے۔ عقل کے اس چہارگانہ نظام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصلی روح عطیۂ الٰہی ہے اور اسی واسطے عقل کی تیسری قسم کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے۔ عقل مستفاد کا یہ عقیدہ فلاسفۂ قدیم کے عین مطابق ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اشیاء کے متعلق ہمارا تمام علم ایک ایسے ماخذ سے ماخوذ ہونا چاہیے جو موجود فی الخارج ہو، قدماء کا یہ عقیدہ اسی صورت مین عربی مین آیا اور یہان عیسائی فلسفہ مین منتقل ہو گیا،

انسان کی فطرت مین ہے کہ وہ تمام ارضی صفات کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اگرچہ وہ

اتنی احتیاط کرتا ہے کہ وہ صفات بہترین صفات ہون۔ مثلاً مسلمان علمائے دینیات نے انسان کے اخلاقی افعال کو الٰہی فاعل کیطرف منسوب کئے ہین۔ مگر فلاسفہ کا خیال ہے کہ علم عمل سے بہتر اور اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ موخرالذکر کا تعلق عالم حواس سے ہے جو متغیر اور فانی ہے۔ اور خود انسان سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف علم یا عقل نظری الٰہی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے علم یقیناً عمل سے بہتر ہے،

الکندی کا عقیدۂ عقل اسکندر افردیسی کے عقیدہ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہے۔ ان دونون مین فرق یہ ہے کہ اسکندر، ارسطو کا ہم خیال ہوکر عقل کو تین قسمون پر منقسم کرتا ہے اور الکندی چار پر۔ الکندی کے اس چہارگانہ نظام مین دو باتین خاص طور پر قابل غور ہین۔ اول تو الکندی کا چار کے عدد پر اسقدر زور دینا۔ کیونکہ یہی ایک دلیل ہے اس امر کی کہ اس نے فیثا غورثیت جدید اور اشراقیت جدید کو ایک دوسرے مین ضم کردیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الکندی نے الفارابی کی طرح افلاطون اور ارسطو کو ہم خیال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اوراق ماقبل مین ہم نے الکندی کے فلسفہ پر کیسقدر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب آخر مین اس کا خلاصہ پیش کردیا جائے۔ ہمارے گذشتہ بیانات سے یہ واضح ہوچکا ہوگا کہ الکندی اپنے معتقدات دینیہ مین معتزلہ کا پیرو ہے۔ اور فلسفہ مین اشراقیت جدید کا قائل۔ مگر اس اشراقیت کے ساتھ فیثا غورثیت جدید بھی شامل ہے۔ اس کا ریاضی کو اہمیت دینا صاف بتلا رہا ہے فیثا غورثیت نے بھی اس پر اثر کیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے تمام خیالات اشراقیت جدید کے مطابق ہین۔ وہ سقراط کی بہت قدر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کے سوانح عمر، اسکے انجام اور اس کی تعلیمات پر بہت کچھ لکھا ہے،

روایۃً اس کو مسلمانون مین سب سے پہلا مشائی کہا جاتا ہے، اور اس کی تعلیمات وخیالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد نہین۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہین اس کی

تصنیفات کی فہرست مین ارسطو کا نام خاص طور پر نمایان ہے۔ اصل یہ ہے کہ چونکہ وہ یونانی کتب کا عربی مین ترجمہ کرنے مین مصروف رہا اس لیے اس کو ارسطو کے مطالعہ کرنے کا خاص موقعہ ملا۔ اور لہذا اگر اس نے اس سے کچھ حاصل کیا تو کوئی تعجب کی بات نہین۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اس قسم کا آدمی نہ تھا کہ محض ترجمہ ہی پر قناعت کرتا۔ چنانچہ اس نے ارسطو کی تصانیف کے مشکل حصون کی تشریح کی اور ان کی اصلاح کی جہان کہین اس نے دیکھا کہ مطلب واضح نہین ہے وہین تشریحی و توضیحی بیانات سے مطلب صاف کردیا۔ لہذا ارسطو کا یہ بالاستیعاب مطالعہ ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ الکندی پر اس کا بہت اثر پڑا۔ الکندی کے معتقدات کہ دنیا بالقوہ اصلاح پذیر ہے نہ کہ بالفعل اور یہ کہ حرکت مسلسل ہے اور اسی قبیل کے اور بیانات ظاہر کرتے ہین کہ ارسطو نے اسپر بہت اثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم اُن حالات و کوائف پر غور کرین جن مین اس کی علمی ترقی ظہور پذیر ہوئی اور ان اثرات کو ملحوظ رکھین جن کے ماتحت اس نے اپنی متاہلانہ زندگی بسر کی تو ہم کسی طرح بھی اس سے انکار نہین کرسکتے کہ مشائی تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اشراقیت جدید کے اثر سے بھی انکار نہین کیا جاسکتا۔

الکندی کا اثر فلسفۂ متداولہ پر زیادہ تر اس کے خیالات ریاضی نجوم۔ جغرافیہ اور طب کی وساطت سے پڑا۔ اس کے شاگردون مین سے سب سے مشہور اور فائق احمد ابن محمد الطیب السرخسی تھا۔ یہ شخص خلیفہ معتضد کا دوست اور اس کا ایک عہدہ دار تھا۔ اس نے کیمیا اور نجوم کا مطالعہ کیا اور خالق کل کی عقل اور اس کی قدرت کا علم عجائبات مخلوقات سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ خلیفہ کی متلون مزاجی اور لاپرواہی کا شکار ہوکر ۸۹۹ء مین مرگیا۔ اس کا ایک اور شاگرد ابو معشر تھا۔ یہ نجوم کا ایک مشہور ماہر تھا۔ اپنی عمر کے سینتالیسوین سال تک وہ فلسفہ کا سخت مخالف رہا۔ لیکن الکندی کی تصانیف نے اس پر جادو کا اثر کیا چنانچہ وہ بھی آخر کار اسی طرف راجع ہوگیا۔ یہ ۸۸۵ء

ین مرگیا معلم ثانی ابونصر فارابی کا نام بھی اس کے شاگردون کی فہرست مین لیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا باقاعدہ شاگرد نہ تھا۔ مگر اسپر اس کا اثر اتنا پڑا تھا کہ شاگرد کہنا کچھ بے جا نہین الفارابی نے اپنے پیشرو کی تعلیمات کو واضح کردیا اور اس طرح ابن سینا کے لیے راستہ صاف کردیا[۱]،

[۱] اس مضمون کے وقت حسب ذیل کتب راقم کے پیش نظر تھین،

۱۔ اکتفاء القنوع بما ہو المطبوع۔ فان ڈائک۔

۲۔ تاریخ الحکماء ابن القفطی۔ جرمن ایڈیشن ۱۹۰۳ء

۳۔ عیون الانبائی طبقات الاطبا۔ ابن ابی اصیبعہ۔ مطبوعہ مصر،

۴۔ الفہرست۔ ابن ندیم۔ جرمن ایڈیشن، ۱۸۷۱ء

۵۔ تاریخ فلسفہ اسلامیہ۔ ٹی جے ڈی بوئر مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۶۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوار۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۷۔ تاریخ فلسفہ۔ لوئی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء

تاسی کے تذکرۂ شعرائے اُردو
کے
چند اوراق

از مولوی محفوظ الحق صاحب بی اے

۲

اُردو اور ہندی کی تھوڑی سی تعریف بیان کرنے کے بعد ہمارا فرنچ مستشرق کہتا ہے :-

"چنانچہ یہی (ہندی و اُردو) وہ لٹریچر ہے جسکی یورپ کو خبر نہین، لیکن آج مین اُس کے کنز ہای مخفی کو آپ کے سامنے پیش کرتا اور نظم و نثر کے ان جواہر ریزونکو چن دیتا ہون، کہ علمی دنیا اُنکی واقعی قدر و قیمت کر سکے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے مین نے سیکڑون اُردو کتابونکی ورق گردانی کی اور انکا بغور مطالعہ کیا ہے، اور جتنی قلمی کتابین ملسکین ان سب سے مواد جمع کیا ہے۔ چنانچہ اسی خیال سے مین نے تین بار انگلستان کا سفر اختیار کیا، اور عام و خاص جتنے کتب خانون مین اُردو تالیفات و تصنیفات کا پتہ ملسکا اُنکی سیر کی اور وہان کے ذخیرون کو دیکھا یہان مین اس امر کا واقعی اعتراف کرتا ہون کہ ہر جگہہ میرا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا گیا، اور جو امداد ممکن ہوسکتی تھی وہ ہمین دی گئی۔ اُردو کتابونکا بہترین مخزن ایسٹ انڈین آفس لائبریری ہے یہان لائیڈن فنڈ کا کتب خانہ سبسے زیادہ آراستہ و پیراستہ ہے۔ ڈاکٹر لائیڈن فورٹ ولیم کالج مین اُردو کے ممتحن تھے اور اس زبان کے بہت بڑے سرپرست بھی تھے، اگر ڈاکٹر موصوف کی طرح دوسرے مستشرقین بھی اُردو تالیفات و تصنیفات کا کافی سرمایہ جمع کر لیتے تو مین علمی دنیا کے آگے اُردو شعرا اور مصنفین کی اس سے بہتر اور زیادہ جامع و مکمل فہرست پیش کر سکتا۔ بہرکیف!

جو تذکرے فراہم ہو سکے انہین سے مین نے استفادہ حاصل کیا۔ اس جگہہ میرے بعض احباب شاید مجھپر یہ اعتراض کرین کہ بعض دوسرے تذکرہ نویسون کی طرح مین نے بھی بعض غیر معروف شعرا کے حالات وواقعات کو چند سطرون پر ختم کر دیا ہے، لیکن مین نے یہی مناسب سمجھا کہ گو دو چار سطرین ہی کیون نہ سہی لیکن اُنکا ذکر کر دینا ضرور ہے کیونکہ کہین ایسا نہو کہ وہ بالکل گمنام رہجائین،

اس موقع پر مین حروف تہجی کے اعتبار سے اُن تمام تذکرون اور گلدستون کا ذکر کر دینا چاہتا ہون جو شعرا و مصنفین کے حالات پر مشتمل ہین، اور جن مین سے اکثر ایسے ہین جو یا تو ہمین دستیاب ہو سکے یا کم از کم ہمین اُنکا پتہ چل سکا، لیکن ان تالیفات وتصنیفات اور انکے مولفین و مصنفین کے تفصیلی حالات کے لیے آپکو اس کتاب کے "سوانحی" حصہ کو ملاحظہ کرنا ہوگا۔ وہو ہذا،

(۱) **عیار الشعرا** مصنفہ خوب چند ذکار۔ ذکا رنے یہ تذکرہ اپنے آقا میر نصیر الدین نصیر عرف میر کلن کی فرمایش پر ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۲ء) مین یا یون کہئے کہ ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ء) اور ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۱ء) کے درمیان تالیف کیا موئف کا خود بیان ہے کہ اس تذکرہ کی ترتیب مین اُسنے تیرہ سال محنت کی۔ ڈاکٹر اسپرنگر کو ذکا کے پوتے سے پتہ ملا کہ ذکا نے ۱۸۴۳ء مین قضا کی،

ذکا کا تذکرہ بھی ان چند تالیفات سے ہے جن کے متعلق میرے معلومات محدود ہین۔ یہ تذکرہ فارسی مین ہے، اور اکثر شعرا کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اسکا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو تقریباً ہزار اکیڈو صفحو نپر ختم ہوا ہے، اور ہر صفحہ مین ۱۵ سطرین ہین مسٹر موصوف کا بیان ہے کہ یہ تذکرہ بیجا تنقید اور اغلاط سے پاک ہے۔ واقعی یہ عجیب چیز تھی لیکن افسوس ہے کہ یورپ مین اسکی ایک جلد بھی موجود نہین۔

(۲) **چمن بے نظیر** یا "مجمع الشعرا" ایک ہی کتاب کے دو حصون کا نام ہے، جو علی الترتیب ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) اور ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) مین بمبئی سے چھپکر شائع ہوئے اوّل الذکر کے

مولف محمد حسین ہیں اور دوسرا محمد ابراہیم کی تالیفات سے ہے، اور غالبًا یہی وہ شخص ہے جسنے انوار سہیلی (مطبوعہ مدراس ۱۸۲۴ء) کا دکھنی ترجمہ شائع کیا۔ یہ دونون تذکرے ۲۴۹ صفحات پر ختم ہوئے ہین اور انمین ۱۰۷ اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے،

(۳) **مجموعۂ مقبول نبی** جو ۳۰۰ شعراکے ۶۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ مین اسکے متعلق کچھ زیادہ نہین لکھ سکتا کیونکہ یہ بیان محض حافظہ کی بنا پر ہے۔ عرصہ ہوا کہ اسکا ایک قلمی نسخہ جو خاص میرا تھا احباب کے نذر ہو گیا،

(۴) **دیوان جہان**۔ اسکا مولف اگرچہ ہندو ہے لیکن اسنے یہ تذکرہ اُردو مین لکھا ہے، واقعہ ہے کہ اپنی اس کتاب کی تالیف مین مین نے اِس تذکرے سے بہت مدد لی ہے لیکن اسکا انداز تذکرہ کا نہین بلکہ گلدستہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اسمین تقریبًا ڈیڑھ سو شعرا کے مختصر حالات موجود ہین مگر کلام کا نمونہ بہت زیادہ دیا گیا ہے،

(۵) **گلدستۂ حیدری**۔ محمد حیدر بخش حیدری نے یہ تذکرہ اپنے نام پر لکھا ہے۔ اسمین قصونکے علاوہ دیوان بھی شامل ہے اور پھر اُردو شعرا کا تذکرہ بھی ہے،

(۶) **گلدستۂ نازنیان**۔ یہ کتاب میرے مشہور ہمعصر مولوی کریم الدین کی تالیفات سے ہے جسمین مشہور مصنفین اُردو کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے،

(۷) **گلدستۂ نشاط** از مضطر۔ مین اس کتاب سے بے حد مستفید ہوا ہون۔ یہ علم بلاغت کی اچھی کتاب ہے۔ اس مین ہندوستان کے فارسی شعرا کا کلام بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور مختلف اصناف سخن کے تحت مین اُردو شعرا کا کلام بھی وافر طور پر موجود ہے،

(۸) **گلستان ہند** مولفہ کریم الدین۔ یہ کتاب دلچسپ قصون اور اچھوتے محاورات و اصطلاحات کا مجموعہ ہے جو آٹھ باب یعنی "آٹھ گلشن" پر مشتمل ہے، اور آخری باب مین بہت ہی اعلیٰ

نظمونکا انتخاب بھی دیا گیا ہے، جو یاد کرنے کے لائق ہین،

(۹) **گلستانِ مسرت** - یہ ایک دلچسپ گلدستہ ہے جو مصطفی خان دہلوی مالک "مطبع مصطفائی" کی تالیف ہے اس مطبع سے اُردو مؤلفین و مصنفین کی بہت سی کتابین شائع ہو چکی ہین،

(۱۰) **گلستانِ سخن** از مبتلا (کاظم)

(۱۱) **گلستانِ سخن** اول الذکر نام کا دوسرا تذکرہ ہے جو دلّی کے شاہی خاندان کے شہزادہ قادر بخش صابر کی تالیف ہے،

(۱۲) **گلشن بیخار** از محمد مصطفی خان شیفتہ اس تذکرہ کا ایک نسخہ مجھے ۱۸۴۵ء مین ملا تھا، اسمین ۶۰۰ اُردو شعرا کا حال اور انکے کلام کا انتخاب موجود ہے۔ اس نئے ایڈیشن مین جو کچھ اضافہ ہوا ہے او مین اس کتاب سے مین نے بہت مدد لی ہے،

(۱۳) **گلستان بیخزان** مندرجہ بالا تذکرہ کا اُردو ترجمہ ہے جسکو غلام قطب الدین باطن نے شائع کیا ہے،

(۱۴) **گلشن ہند** از مرزا علی لطف دہلوی۔ یہ تذکرہ بہت دلچسپ ہے اسمین ۶۰ اُردو شعرا کے حالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور انکے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے یہ کتاب میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

(۱۵) **گلزار ابراہیم** از علی ابراہیم، اس تذکرہ مین ۳۰۰ اُردو شعرا کا ذکر مع انتخاب کلام کے ہے مین اس تالیف سے بیحد مستفید ہوا ہون،

(۱۶) **گلزار مضامین** از مرزا جان طپش یہ کتاب اس مشہور مصنف کی بعض چھوٹی نظمونکا مجموعہ ہے لیکن اسمین تذکرہ کی شان پیدا ہو گئی ہے کیونکہ دیباچہ مین مصنف نے اُردو شاعری پر ایک سطحی نظر ڈالی ہے اور جن شعرا نے اس زبان کو پروان چڑھایا ہے اُنکی زندگی کا

مختصر خاکہ بھی دیا ہے،

(۱۷) انتخاب دواوین یا "خلاصہ دواوین" مولفہ امام بخش صہبائی دہلوی۔ سچ پوچھیے تو یہ ایک اچھا خاصہ گلدستہ ہے، لیکن انتخاب کلام کے ساتھ چونکہ شعراکے حالات زندگی بھی (اُردو مین) دیے گئے ہین اسلیے اسکو تذکرہ کہنا نامناسب نہو گا،

(۱۸) معیار الشعرا قدیم وجدید شعراکے کلام کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جو آگرہ سے مہینہ مین دوبار شائع ہوتا ہے اسکے اڈیٹر منشی قمر الدین گلاب خان (؟) المتخلص بہ قمر ہین۔

(۱۹) مسرت افزا، از ابوالحسن الہ آبادی یہ تذکرہ میرے پاس موجود ہے مین منشی ناتھ بلند مرحوم کا ممنون ہون کہ انہون نے از راہ کرم سر ڈبلیو اوسلے کے قلمی نسخہ سے میرے لیے اسکو نقل کر دیا تھا، یہ نسخہ اب اکسفورڈ مین موجود ہے،

(۲۰) مجالس رنگین از مولفہ رنگین اس کتاب مین مولف نے کل ہمعصر شعراکے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے،

(۲۱) مجموعۂ نغز مولفہ سید ابوالقاسم قاسم دہلوی۔ اس تذکرہ سے مَین بیحد مستفید ہوا ہون اور خصوصًا اس دوسرے اڈیشن کی ترتیب مین مین نے اس سے بہت مدد لی ہے، عام تذکرون کے مقابلہ مین اسکی خصوصیت یہ ہے کہ قاسم نے شعرا و مصنفین کا صرف نام نہین گنایا ہے بلکہ انکے کلام کی تعداد بھی بہ ترتیب لکھدی ہے۔ سرور و شیفتہ کی طرح اگرچہ یہ تذکرہ ضخیم نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ شعراکے حالات و واقعات زیادہ فراہم کیے گئے ہین اور کلام کا نمونہ بھی علیحدہ دیا گیا ہے، اور یہی وہ خوبی ہے جس سے دوسرے تذکرے عاری ہین،

(۲۲) مجموعہ انتخاب، مولفہ فقیر شاہ محمد کامل۔ اس نئے اڈیشن کی ترتیب مین ہمین اس تذکرہ سے ۵۰ شعرا کا حال ملا جو بہت دلچسپ ہے، افسوس ہے کہ اسکا قلمی نسخہ جو میرے پاس موجود ہے

خوشخط اور نستعلیق ہونیکے باوجود اغلاط سے پُر ہے اسی وجہ سے بعض شعرا کے کلام سمجھنے مین سخت وقت ہوئی۔

(۲۳) مجموعۂ واسوخت، مختلف شعرا کے بیس واسوختون کا یہ دلچسپ مجموعہ ۶۸ صفحات پر ختم ہوا ہے یہ گلدستہ ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) مین بمقام لکھنؤ طبع ہوا اصل مضمون حاشیہ پر درج ہے،

(۲۴) مخزن نکات یا نکات الشعرا مولفہ قیام الدین قائم یہ تذکرہ تین حصون (طبقات) مین منقسم ہے طبقات الشعرا نامی ایک دوسرا تذکرہ بھی اسی طرز پر لکھا گیا ہے، جسکا مفصل حال آیندہ صفحات مین آئیگا،

(۲۵) "مختصر احوال مصنفین ہندی (اُردو) کے تذکرونکا" اسکا دوسرا نام "رسالہ در باب تذکرہ ہا" ہے یہ ذکار، اللہ دہلوی کی تالیف، اور میری کتاب "ہندوستانی مصنفین" کا ترجمہ ہے،

(۲۶) نکات الشعرا، مؤلفہ میر تقی میر اُردو شعرا کا یہ قدیم ترین تذکرہ اواخر اٹھارھوین صدی کے بہترین شاعر کی تالیفات سے ہے، اسکا مکمل اور تفصیلی حال مین سوانحی حصہ مین بتاؤن گا اور وہین انکے کلام کا انتخاب بھی پیشکش کرونگا،

(۲۷) روضتہ الشعرا مولفہ محمد حسین کلیم اس مین اُردو شعرا کا حال نظم مین لکھا گیا ہے، اسطرح اسکو بھی تذکرہ کا لقب دیا جا سکتا ہے،

(۲۸) سراپا سخن مصنفہ محسن لکھنوی اسمین ... ۷ منتخب اُردو شعرا کا کلام مختلف موضوعات کے زیر تحت جمع کیا گیا ہے، صرف یہی نہین بلکہ اُن شعرا کے حالات زندگی پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے اس ایڈیشن کی ترتیب مین مین اس کتاب سے بیحد مستفید ہوا۔

(۲۹) سرو آزاد۔ تذکرہ "مسرت افزا" مین ابو الحسن نے اس تذکرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اُردو شعرا کا تذکرہ ہے لیکن مسٹر این بلینڈ نے اسے فارسی شعرا کا

تذکرہ لکھا ہے، دونون بیانات درست ہو سکتے ہین، اور انکی توجیہ اس طرح کیجا سکتی ہے کہ اسین اُن تمام ہندوستانی شعرا کا حال ہے، جنہون نے اُردو فارسی دونون مین طبع آزمائی کی ہے اور اس بیان کی تقویت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آزاد خود اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر ہو گذرے ہین۔ اس موقع پر مین یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہون کہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک علحدہ تذکرہ بھی لکھا ہے جسکا نام "خزانۂ عامرہ" ہے

(۳۰) **صحف ابراہیم** اس تذکرے کے مولف خلیل نے اسکو اپنے نام پر مرتب کیا ہے اس مولف کا پورا حال "سوانحی" حصہ مین ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرونگا،

(۳۱) **طبقات الشعرا** مولفہ قدرت اللہ شوق یہ تذکرہ "تذکرہ ہندی" کے نام سے بھی مشہور ہے،

(۳۲) **طبقات الشعرا** مولفہ کریم الدین یہ تذکرہ ۱۸۴۸ء مین بمقام دلی چھپا، اسین لکھا ہے کہ یہ میری کتاب "تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر" کا ترجمہ ہے، لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ اس سے علحدہ اور مستقل کتاب ہے مسٹر ایف فلن انسپکٹر تعلیمات عامۂ بہار نے میری کتاب کا مواد اس فاضل مصنف کو دیا تھا اور اسی پر اُسنے یہ عمارت کھڑی کی،

(۳۳) **طبقات الشعرا** مولفہ غلام محی الدین عشق میرٹھی۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ دستیاب نہو سکا اسین تقریبًا سو ریختہ شعرا کا حال درج ہے،

(۳۴) **تذکرۂ اختر**، مولفہ واجد علی شاہ اختر کہا جاتا ہے کہ اس تذکرہ مین ۵۰۰ فارسی و اُردو شعرا کا حال موجود ہے۔ آخری شاہ اودھ اسکا مولف ہے، افسوس ہے کہ اس بادشاہ کی اُور تصنیفات تو میرے کتب خانہ مین ہین لیکن یہ تذکرہ موجود نہین،

لہ معارف :- یہان ہمارے مستشرق سے تو بر تو جو غلطیان ہوئی ہین، وہ ظاہر ہین، آزاد بلگرامی نہ تو اُردو کے شاعر تھے، اور نہ سرو آزاد اُردو شعرا کا تذکرہ ہے، اور نہ صرف ہندوستانی شعرائے فارسی کا وہ تذکرہ ہے،

(۳۵) تذکرہ عاشق مرتبہ مہدی علی عاشق دہلوی۔

(۳۶) تذکرہ آزردہ، مولفہ صدرالدین آزردہ۔ شیفتہ نے اس تذکرہ کا خاص طور پر حوالہ دیا ہے

(۳۷) تذکرہ گردیزی از فتح علی حسینی گردیزی۔ اس تذکرہ سے مین نے بہت مدد لی ہے،

(۳۸) تذکرہ حسن مثنوی "سحرالبیان" کے مشہور مصنف نے یہ تذکرہ لکھا ہے سرور نے بھی اسکا حوالہ دیا ہے لیکن میرے معلومات اسکے متعلق بالکل محدود ہین،

(۳۹) تذکرہ امام بخش کشمیری۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اس تذکرہ نویس نے اُس کے تذکرہ سے بہت سرقہ کیا ہے،

(۴۰) تذکرہ عشق از رحمت اللہ عشق مسٹر جے بی الیٹ نے جن کے پاس اُردو کتابونکا کافی ذخیرہ ہے یہ تذکرہ ڈاکٹر اسپرنگر کو دیا تھا اور "سطرح فہرست کتب خانہ شاہ اودھ" (مرتبہ اسپرنگر) کے وسیلے سے مین بھی اس تالیف سے مستفید ہوا۔

(۴۱) تذکرہ جہاندار از جوان بخت جہاندار اول الذکر تذکرہ کی یہ نقل ہے،

(۴۲) تذکرہ خاکسار از محمد یار خاکسار۔ شورش نے اس تذکرہ کا حوالہ دیا ہے،

(۴۳) تذکرہ محمود از حافظ محمود۔ میر کا معصر ہے،

(۴۴) تذکرہ مصحفی از غلام ہمدانی مصحفی۔ اس تذکرہ مین ۱۵۰ اُردو شعرا کا حال درج ہے" مین اس تالیف سے بیحد مستفید ہوا۔

(۴۵) تذکرہ مضمون از امام الدین مضمون۔

(۴۶) تذکرہ نصیر از سعادت خان نصیر لکھنوی،

(۴۷) تذکرہ سودا از رفیع الدین سودا۔ افسوس ہے کہ اٹھارہ دین صدی کے اس نامور شاعر کے تذکرہ سے مجھے مستفید ہونیکا موقع نہ ملا۔

(۴۸) تذکرۂ شوق - از حسن شوق

(۴۹) تذکرۂ شورش از غلام حسین شورش، یہ تذکرہ عشقی سے بہت ملتا جلتا ہے،

(۵۰) تذکرۂ ترمذی از محمد علی ترمذی، گلزار ابراہیم مین اسکا حوالہ موجود ہے،

(۵۱) تذکرۂ ذوق، از محمد ابراہیم ذوق یہ مشہور شاعر ہوگذرا ہے،

(۵۲) تذکرۃ الکاملین - از بابو رام چند،

(۵۳) تذکرۃ النسا، از کریم الدین،

(۵۴) عمدۃ المنتخبہ، از محمد خان سرور ۱۲۰۰ - اُردو شعرا کا یہ دلچسپ تذکرہ اپنے رنگ مین بے نظیر اور واقعی عجیب ہے مین اس نادر انتخاب سے بیحد مستفید ہوا،

ان تذکرون اور گلدستون کے علاوہ مین نے مختلف کتب خانون کی فہرستون سے بھی بیحد فائدہ اُٹھایا ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین مین اُن لاجواب اُردو اور فارسی کتابون کی "فہرست" کا ذکر کرنا چاہتا ہون جو لکھنؤ کے ایک بزرگ مولوی آل نبی کے کتب خانہ مین موجود ہے اس قلمی فہرست کی نقل ۱۲۱۱ھ (مطابق ۱۷۹۶ء) مین ہوئی - اسی طرح ایشیاٹک سوسائٹی کی دو فہرستون سے جو عربی اور دیوناگری رسم الخط مین ہین مین نے بہت مدد لی، اور سوانحی حصہ کے لیے مین نے ایک انگلشمین کی دو نادر کتابون سے بے حد فائدہ اُٹھایا ہے جنمین سے ایک تو "ہندوؤن کی مقبول نظمونکا مجموعہ" ہے اور کرنل براؤن (مرحوم) کی تالیفات سے ہے، اور دوسری ایک ممتاز ہندی مولف تارینی چرن متر کی رفاقت مین لکھی گئی ہے - اس شخص کی تالیفات بہت ہین لیکن اُسکی یہ تالیف میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی - اس کتاب مین اور باتون کے علاوہ بھگتمال کبیر کے ریختہ، تلسی داس کی رامائن، ہتوپدیش کے اُردو ترجمہ اور جوان کی سکنتلا کے انتخابات واقتباسات موجود ہین، مختصر یہ کہ اس مین ۲۴۰ چھوٹی بڑی نظمین موجود ہین - اور اکثر عوام مین

مشہور بھی ہین،

یہ امر قابل افسوس ہے کہ وہ تمام تذکرے جن کی فہرست اوپر گذر چکی بالکل ناکمل ہین اور عموماً اُنہین صرف شاعر کا نام، اور اُس کے کلام کا انتخاب پایا جاتا ہے، لیکن بعض موقعون پر جہان حالات و واقعات کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہان بھی شاعر کی پرائیوٹ زندگی، یا سال ولادت و وفات کے متعلق ایک حرف بھی بمشکل نظر آتا ہے۔ اور نہ تو اُسکے القاب کے متعلق کچھ لکھا ہوتا ہے، اور نہ اُس کی تالیفات و تصنیفات کا کچھ مذکور نظر آتا ہے، اور اکثر تو اُسکے صاحبِ دیوان ہونے کا ذکر بھی نہین ہوتا۔ اس آخری فروگذاشت کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اگلے دو چار تذکرہ نویس چونکہ صاحبِ دیوان تھے اور یہ امر اُنکے لیے مایۂ ناز تھا اِس لیے وہ نہین چاہتے تھے کہ کسی دوسرے شاعر کو بھی صاحبِ دیوان لکھ کر اُسکا نام اونچا کرین۔ حق تو یہ ہے کہ ان تذکرون مین اگر کوئی کام کی چیز ہے تو وہ شعرا کے کلام کا انتخاب ہے، جو ایک حدتک یورپ مین منقود ہے۔ اگلے تذکرہ نویسون مین صرف میر تقی میر ایسے ہین جنہون نے شعرا کے کلام پر تنقید کی ہے اور سُست کو چست کرکے شعر کو آسمان پر پہونچا دیا ہے، انھون نے اکثر غلطیون کی اصلاح بھی کی ہے اور بعض موقعون پر شاعر کے عوض، اپنے مخصوص محاورات و مصطلحات بھی پیش کیے ہین۔ اگر سچ پوچھیے تو مین تو یہی کہونگا کہ اُردو کا یہ تذکرہ سب سے قدیم ہے،

ہمین جتنے تذکرے ملے ہین وہ سب کے سب حروف تہجی یا یون کہئے کہ تخلص کے اعتبار سے مرتب کیے گئے ہین، اِس لیے ہمین بھی اسی سنت پر عمل کرنا پڑا۔ گو میرا ارادہ تھا کہ مین اپنے مضمون کو تاریخی طور پر ترتیب دون، لیکن وقت یہ ہوئی کہ میرے پاس کافی مواد موجود نہ تھا۔ اِس امر کا ہمین ضرور اعتراف ہے کہ ایسی ترتیب زیادہ موزون اور کتاب کے سرنامہ کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوتی لیکن مجبوریون کا کیا علاج۔ گذشتہ صفحات مین مین نے اس امر کو اچھی طرح واضح کردیا

کہ پرانے تذکرون مین گو یہ ضرور ہے کہ شاعر کے کلام کا کافی انتخاب دیدیا گیا ہے، لیکن اُنمین اُنکے دور یا اُنکے عہد کو بہت کم بتایا گیا ہے۔ اِس لیے محض کلام کے انتخاب سے کسی شاعر کے دور کا پتہ چلانا ذرا مشکل ہے۔ اِسکے علاوہ دوسری دقت یہ ہے کہ ان تذکرہ نویسون نے کلام نقل کرتے وقت، پرانے اشعار کو بالکل نئے رنگ مین رنگ دیا ہے، اس وجہ سے بھی شاعر کے عہد کے تعین مین دقت ہوتی ہے۔ ہندی مصنفین کے متعلق بھی یہی مصیبت ہے اور اکثر کا عہد تک نہین بتایا گیا، اگر مین اپنی کتاب کو مختلف طبقات مین تقسیم کرون تو مجھے چند طبقات لکھنے پڑینگے یعنی طبقۂ اول مین ہمین اون تمام شعراء کا حال لکھنا ہوگا جن کا عہد ہمین معلوم ہے۔ طبقۂ دوم مین اُون تمام شعرا کا ذکر کرنا ہوگا جن کے عہد کے متعلق ہمین پورا یقین نہین۔ اور طبقۂ سوم مین اون شعراو مصنفین کو بتانا ہوگا جن کے عہد کا حال ہمین معلوم نہ ہوسکا۔ نیز اسی طبقہ مین اون تمام کتابونکو بھی درج کردینا ہوگا جنکا نفس مضمون مین کوئی ذکر نہ کرسکا۔ غرض اس طرح ہمین بہت دقت کا سامنا ہوتا، اس لیے مین نے مندرجہ بالا طریقہ اختیار کیا جس سے ہمارا کام مختصر ہوگیا اور ناظرین کے لیے بھی سہولت ہوئی،

شانتی نیکیتان
کے
چشمدید حالات

(۳)

از مولوی ابوالنصر سید احمد صاحب بھوپالی

دوسرے دن کی گفتگو

ہم ایچھا بابو صاحب کل جو آپ نے ٹیگور کے وجوہ اختلاف ہمین بتائے تھے اُن پر ہمنے پوری طرح غور کیا اور غور کرنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہین اُسکو جناب کی خدمت مین پیش کرتے ہین ٹیگور کا فلسفہ منطقی مشکلات سے خالی نہین معلوم ہوتا مثلاً وہ ہمین اپنی اصطلاحات روح، تخلیقی جدوجہد، صداقت، خوشی، اور آزادی کی صحیح تعریف نہین تبلاتے اور نہ اُنکے تخیل کا علاقہ ظاہر کرتے ہین اسلیے ہمین شبہہ ہوتا ہے کہ آیا وہ مہاتما گاندھی کی طرح دماغ سے علٰحدہ روح کے قائل ہین یا نہین۔ مہاتما نے تو یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ تمام دماغی ترقی اور تمدن کا جوگ بل (نیک) ہونا چاہیے یعنی روحانی ترقی کے لیے راہنما۔ ہوسکتا ہے کہ ایک وحشی انسان ایک متمدن انسان سے زیادہ نیک روح رکھتا ہو۔ اس لیے اس دوسرے خیال کو پیش نظر رکھ کر یہ امر واضح نہین ہوتا کہ تخلیقی جدوجہد سے کیون صرف غیر جنگ آور اور سکون و امن کا کام مراد لیا جاتا ہے؟

علاوہ ازین ٹیگور کا آزادی کا اصول بے انتہا بے ضابطگی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے
اُنکا صرف اپنی ذات پر کامل اعتماد کرنے کا خیال ایک دہمی علٰحدگی پر دلالت کرتا ہے جو وہمی عقیدہ کی
ایک دوسری قسم ہے جسے وہ "مایہ" کے نام سے موسوم کرتے ہین - یہ تھوڑی سی صداقت کی حد سے متجاوز
توسیع ہے اس لیے کہ ہمارے دماغ کی چاپلوسی کو فنا کر دینا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب - کیونکہ آپ
شخص واحد کو نہ تو قدرت سے علٰحدہ کر سکتے ہین اور نہ سوسائٹی و جذبات سے - اور نہ عقل جذبات کو
پوری طرح مطیع کر سکتی ہے - ٹیگور نے اس معاملہ مین ضرورت سے زائد معقولیت پسندی اختیار کی ہے
اسلیے یہ معلوم کرنا ہمارے لیے نہایت دلچسپ ہوگا کہ وہ ولیم جیمس، وارڈ، ایوکن، برجسن اور
میکڈاٹل کے غیر معقول فلسفہ کے جواب مین کیا کہتے ہین - سوسائٹی اور سلطنت سے کنارہ کشی
دراصل روحانیت کو ترقی نہین دیسکتی - افلاطون، گرین، اور بوسانکویٹ نے اپنے خیالی سکول
مین بحث کرتے ہوئے افراد کے لیے معرفت نفس کو صرف سلطنت ہی کے ذریعہ سے ممکن قرار دیا
ہے - کمال ٹیگور کی راے کے مطابق ایک غیر مشترک داخلیت [1] ہے اور اگرچہ وہ دنیا کو ترک
کرنیوالی عزلت کے خلاف ہین لیکن اُنکا کامل فرد بھی ایک گوشہ نشین سے زیادہ نہین - اس
بنا پر اُنکا بین الاقوامی تخیل بالکل ناستحکم ہے کیونکہ اُنکے نزدیک ہر قوم کے لیے یہ غیر روحانی ہے
کہ وہ کوئی شے کسی دوسرے سے لے،

(۱) ٹیگور کا عقیدہ تخلیقات ذات کی خارجی قیمت کے خیال کی کوئی پروا نہین کرتا - وہ کام
کرنے کے طریقہ کی تلقین کرتا ہے مگر زندگی کے مقاصد کی تعریف کیے بغیر اگر آپ کسی امر کو چاہتے
ہین فرض کیجیے سوراج کو تو ٹیگور کہتے ہین کہ اُس کی تخلیق اپنی ذات کے لیے کیجیے اس لیے کہ
آپ یہ جانتے ہین کہ روحانی آزادی تخلیقی جد و جہد مین ہے - اس کے یہ معنی کہ یہ ساری کارروائی

[1] Exclusive Subjectivism

اپنی ذات کا لاڈ اور پیار ہی ہے۔ تخلیق صرف ذاتی و داخلی قیمت رکھتی ہے نہ کہ خارجی۔ یا دوسرے الفاظ مین یہ کہنا کہ آپ بھلائی کی بھی تخلیق کر سکتے ہین اور برائی کی بھی، دھرم کی بھی اور ادھرم کی بھی، دونون آپ کے لیے برابر کی داخلی قیمت رکھتے ہین۔ تو یہ ایک خطرناک تجویز ہے اور اس قسم کا کھیل بھلائی اور برائی کے ساتھ مذاہب کیجانب صرف خدا کو ہی تفویض ہے افراد و قوم کو نہین،

بابو حقیقت مین ٹیگور غیر مشترک داخلیت کو نہین چاہتے بلکہ اس امر کی تلقین کرتے ہین کہ افراد اور قوم دونون کو انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنا چاہیے اور اُنکی تخلیقات خارجًا دنیا کے لیے کار آمد ہونا چاہیئے۔

ہم د۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ہمارا بحث تو یہ ہے کہ یہ آخری خیال عقلاً تخلیق ذات کے اُصول سے برآمد نہین ہوتا اور ایسا کرنے مین ٹیگور ضمنًا اپنے فلسفہ کی محدودیت کو تسلیم کرتے ہین اور نیز اپنے دماغی خیالات اور دلی خواہشات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی ناکامی کو بھی۔

لیکن اگر آپ اپنی تخلیقات کو خارجًا بھی کار آمد بنا لین تو بھی وہ بسا اوقات آپ کے باطن کے لیے مضر ہو سکتی ہین اور یہ اُسوقت جبکہ آپ زندگی کے خاص خاص مقاصد کا انتخاب نہ کرین۔ گو آپکی تخلیقات دوسرون کے لیے کار آمد ہو سکتی ہین لیکن وہ آپ کی روح کو غلامی کی ایک نئی زنجیر مین جکڑ سکتی ہین۔ گاندھی کا خیال ہے کہ تمدن اسی قسم کی غلام بنانیوالی انسانی تخلیق ہے۔ بہت سے مذاہب کی بھی یہی رائے ہے۔ اس طرح سے یہ بات اب صاف ہے کہ روحانی زندگی تخلیقی کارروائی سے پوری طرح نہین ظاہر ہو سکتی بلکہ وہ اس سے اور زیادہ وسیع ہے اور دوسرے ستونون پر بھی ٹھہری ہوئی ہے زندگی کے صحیح مقاصد کا دریافت کرنا بھی روحانی ترقی کے لیے اسیقدر ضروری ہے جسقدر کہ ان

مقاصد کی از خود تخلیق، اور یہ بات ٹیگور کے عقیدہ پر ایک دوسری تحدید عائد کرتی ہے یعنے آپ خود زندگی کے ہر مقصد کی تخلیق جسکو آپ چاہین نہین کر سکتے۔ آپ سوراج کی تخلیق بلا کسی بدیسی سے تعلق رکھے کر سکتے ہین لیکن آپ پنجاب اور خلافت کی بے انصافیون کی تخلیق کیسے کر سکتے ہین؟ اسمین آپ کو بدیسیون سے تعلق رکھنا ہوگا اور آپکو اپنی خواہش کے حاصل کرنے کیواسطے جنگ کرنا پڑیگی اس لیے یہ کارروائی غیر روحانی نہین ہو سکتی اگرچہ وہ تخلیقی نہو،

یہ ٹیگور کے عقیدے کا ایک مضر نقص ہے اسلیے کہ وہ ظاہری خارجی جنگ کے تمام خیال کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہین ہو سکتا حتی کہ اُسکی ذاتی پیچیدگیون پر بھی یعنی آپ تمام اعتماد کو بلا اس جنگ کے ترک نہین کر سکتے،

بابو۔ ہان ٹیگور کا کہنا تو یہی ہے کہ اگر آپ ہندوستان کے لیے سوراج چاہتے ہین تو کسی قسم کی توجہ بھی برطانی حکومت کیجانب صرف نہ کیجئے بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے آپکو اُسکی تنظیم کے لیے ملک مین مشغول کر دیجیے۔ اسی کے نہ کرنے کی وجہ سے وہ اعتدال پسندونکو اور قوم پرستون کو قابل الزام و ملامت ٹھہراتے ہین جسکا جواب اعتدال پسند تو یہ دیتے ہین کہ اُنکی راے مین آپ سوراج کی تعمیر اس برطانی حکومت کے ذریعہ ہی سے کر سکتے ہین اور قوم پرست یہ کہتے ہین کہ آپ جمہوریت کی تخلیق ملک مین کر نہین سکتے جب تک کہ بدیسی حکومت فنا نہ ہو جائے محض اسوجہ سے کہ بدیسی آقا کبھی ہمارے تخلیقی راہ عمل مین ہکو امن و سکون سے قدم بڑہانے نہ دیگا۔ لیکن ٹیگور یہ کہتے ہین کہ ہمین ملک کو بدیسی سے فتح نہین کرنا چاہیے بلکہ خود اپنی کاہلی او رغفلت سے،

ہم۔ یہ ٹھیک ہے لیکن کیا ہم بلا شرکت غیر ان برائیون کے ذمہ دار ہین؟ آپ ذرہ ہمین نامرد کر دینے والی اور ہماری قومیت کو مٹا دینے والی حکمت عملیون اور چالون کو تو ملاحظہ فرمائیے ہم تو ان برائیون کو جب ہی دور کر سکتے ہین جبکہ ہم پہلے بدیسی کو دور کر دین۔ قوم پرست

یہ جانتے ہین کہ سیاسی سواراج کامل سواراج نہین ہے لیکن وہ اسکا یقین رکھتے ہین کہ یہ آخرالذکر کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ضرور ہے ٹیگور قوم پرستون کی طرح جنگ کرنیسے انکار کرتے ہین مگر اپنے محاذ (آتھارٹی) کو تعمیر قوم کا ایک پیچیدہ طریقہ بتلا کے دہوکا دیتے ہین صرف تاخیر ہی اس طریقہ کا نقص نہین ہے۔ اسمین کامیابی ہوسکتی ہے لیکن جب کہ آپکو اسکا یقین ہو کہ جسوقت آپکی تخلیق قوم کے لیے جاری ہو اسطرح سے کہ وہ بدیسی کی تباہی کی جانب راہ نمائی کرتی ہو تو بدیسی آپکو دق نہ کرے۔ اگر وہ آپکو دق کرتا ہے توجب تک کہ آپ ایسی جنگ کے لیے طیار نہ ہون جو صرف باطناً روح کے میدان مین داخل نہین ہے آپ ہلاک ہوجاوینگے پھر تخلیق ملک مین اختلاف آرار کے جھگڑے ناگزیر ہین جن کے لیے آپکو جماعتی جنگ کرنی ہوگی پس از خود تخلیق کا طریقہ ایسا نہین ہے جو ہمارے ایسے حالات مین ہدایت کی جانب رہنمائی کرسکے

آپکو تخلیق کے لیے بھی لڑنا ہوگا اور اپنی تخلیقات کو ناپاکی اور تباہی سے بچانے کے لیے بھی۔ آپ صرف تخلیق پر ہی نہین ٹھہرسکتے اگر آپ کو اُسکی خارجی فائدہ مندی کی جانب بھی توجہ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ٹیگور نے اس امر کو معلوم نہین کیا کہ روح اپنے آپ کو صرف تخلیقی کارروائی مین ہی نہین ظاہر کرتی ہے بلکہ دوسری کارروائیون مین بھی مثلاً برائیون کے ساتھ برسرپیکار رہونے مین یہ ہوسکتا ہے کہ تخلیق ایسی جنگون سے افضل ہو لیکن آخرالذکر نہ تو دور کیجا سکتی ہے اور نہ اُسے غیر روحانی کے نام سے بدنام کیا جاسکتا ہے جب تک کہ دنیا مین بدی باقی ہے ضرور ہے کہ نیک عمل سے مزاحم ہو اور اُسکو پلید کرے۔ آپ باطل کے ساتھ اپنی جنگ کو محض اپنی ذات واحد کو محفوظ رکھنے تک محدود نہین کرسکتے یعنی عام نقطۂ نظر سے آپکو باطل کے خلاف اُسکی ہلاکت کے لیے جارحانہ جنگ کرنا ہوگی۔ نیکی وحق کی طاقت ہمیشہ امن پسند اور مثبت ہوتی ہے۔ وہ کبھی باطل سے برسرپیکار نہین ہوتی جبتک کہ

مغلوب کردینے والی ضرورت سے مجبور نہ ہوجائے۔ مہاتما کا یہی مسلک ہے وہ تمام پیچیدہ چالون کو ناپسند کرتے ہین اور تمام جنگ کو خود انجام دینے لگتے ہین وہ اپنی جنگ شروع کرنے مین اُسوقت تک کا انتظار نہین کرتے جسوقت تک کہ دنیا مین نیکی کی تمام طاقتین کام کیلیے نہ جمع ہوجائین وہ نیکی کا مرکز اپنے سے باہر نہین قائم کرتے بلکہ خود اپنے آپ کو نیکی کی ایک طاقت بناتے ہین اور پھر بلا اسکی پرواہ کے کہ خارجی نتائج اُنکے لیے کیا ہونگے باطل پر حملہ شروع کردیتے ہین۔ وہ یہ جانتے ہین کہ نیکی اور بدی کا وجود صرف عمل مین ہے انسانون مین نہین۔ گاندھی بدی سے اپنے آپکو اور دوسرونکو بھی بچانا نہین چاہتے بلکہ بدی کرنیوالیکو بھی

اصل یہ ہے کہ ٹیگور کے فلسفہ مین دو سخت اختلاف آکر جمع ہوگئے ہین، (۱) اول تو غیر مشترک داخلیت اور مثبت شخصیت جسکو اُنکے دماغ نے ظاہر کیا ہے اور (۲) دوسرے خدمت انسانیت جو اُنکے دل کی خواہش ہے۔ پس وہ اپنے دماغ اور دل کے درمیان موافقت پیدا کرنے مین ناکام رہے ہین۔ ہر ایسی کوشش جو دنیاداری اور روحانیت کے درمیان کی خلیج کو پاٹنے کے لیے کی گئی ہے غیر اطمینان بخش ثابت ہوئی ہے، کیونکہ وہ مندرجہ بالا مغالطہ سے محفوظ رہنے مین ناکام رہی ہے۔ بعض مذاہب نے منطقی سادگی کے ساتھ دشواری سے بچنے کے لیے دوسرے خیال کو بالکل رد کردیا ہے۔ اور موجودہ مغربی دنیاداری نے اپنی باری مین اشخاص کی سوسائٹی اور ضمیر کے بے رحم دباؤ کو جاری رکھکر اول خیال کے اعتراف سے انکار کردیا ہے، ٹیگور ان دونون کے درمیان کوئی معقول ہم آہنگی نہین بتلاتے۔ ایک طریقہ اس خلیج کو پاٹنے کا یہ ہے کہ روحانیت کو اسقدر وسعت دیجائے کہ اُس مین خارجیت بھی داخل ہوجائے۔ آپکو صرف اپنے ہی آپکو تمام غلامی سے آزاد نہین کرلینا چاہیے بلکہ دوسرونکو بشمول اپنے دشمنون کے آزاد کرانے کے لیے خارجًا بھی لڑنا چاہیے۔ آپ کو متحرک اور مسلسل

تعلقات دوسرون سے رکھنا چاہیے اعتماد اور بھروسہ روحانیت کے مخالف نہین ہے۔ آزادی سے مراد صرف برائیون کی غلامی سے رہائی ہے اور کسی دوسری قسم کی غلامی سے نہین۔ ایک خدا پر عقیدہ رکھنے والے کے لیے اُسپر بھروسہ رکھنا غیر روحانی نہین ہے خارجی مدد بھی روحانی مدد ہوسکتی ہے اور یہ اُسوقت ممکن ہے جبکہ آپ صداقت اور محبت کو اپنے خارجی اور اعلےٰ ترین تصورات اور اپنی روح کے اصل اجزا بنالین۔ آپ کی نجات سے مطلب صداقت و محبت کے عدم یعنی دروغ اور بغض وعداوت سے آپ کی مخلصی ہے، یا ایسا ہی ہے جیسا کہ صداقت و محبت کا مثبت اعتراف۔ آپکو اپنے سے محبت رکھنے کے لیے تمام دنیا سے محبت رکھنا ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہین کہ آپ خارجی مقابلہ کو ترک نہین کرسکتے نہین بلکہ آپ کو اُسے دعوت دینا ہوگا کیونکہ وہ آپ کی روح یعنی صداقت و محبت کا اظہار ہے۔ گاندھی نے کہا ہے کہ "روشن ترک موالات ہی جان بلب محبت کا اظہار ہے۔ اگر آپ صرف صداقت کو چاہتے ہین تو آپ استغنائ داخلی اور منفرد ہونگے اور اگر صرف محبت ہی آپ کی روح کا جزو ہے تو آپ برائی کے لیے صبر شعار ہونگے۔ لیکن یہ دوسری صورت صداقت کو دنیا سے ہلاک کردیگی۔ برٹ رینڈرسل کے طرح کچھ لوگ ایسے ہین جو دنیا سے جنگ کو نیست نابود کرنے کے لیے کسیقدر بے انصافی اور دروغ کو برداشت کرنے کے لیے طیار ہین۔ گاندھی نہ تو سمجھوتہ کے اس خیال کو قبول کرتے ہین اور نہ ٹالسٹاے کے خیال عدم مقابلہ کو۔ وہ آپ سے نہایت موثر مقابلہ کرنے کی سفارش کرتے ہین محبت کرنے اور صداقت کا اعتراف کرنے کے لیے۔ پس آپ کی محبت اس مقابلہ کو غیر متشدد یعنی امن پسند بنا دیگی۔ اور یہ امر بلا صداقت محبت کی قربانی کئے لڑائی جھگڑے کو دور کردیتا ہے۔ خوشی کے ساتھ برداشت تکلیف وہ قیمت ہے جو آپ باطل کے مقابلہ اور محبت کے قیام کے لیے ادا کرتے ہین۔ یہی آپ کا معرفت نفس کا

طریقہ ہے یعنی صداقت و محبت کے قیام کا اُس حدتک جس حدتک کہ آپ کو تعلق ہے۔ دنیا آپکی اس کارروائی سے خود بخود نتیجہ حاصل کرے گی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ گاندھی کا پروگرام جنگجویانہ عمل کی تاکید زیادہ کرتا ہے بہ نسبت امن پسندانہ مضبوط تخلیقی کارروائی کے، بلکہ اصل یہ ہے کہ اُنکے پروگرام کا اظہار ترک موالات مین پوری طرح نہو سکا ورنہ اُسکے اندر یقیناً اسقدر وسعت موجود ہے کہ غیر جنگجویانہ تخلیقی کارروائی بھی اُسمین شامل ہوسکے۔ اُنھون نے جو کام شروع کیا ہے وہ ابھی صرف برطانیہ کے نارضامند ہاتھون سے انصاف حاصل کرنے کے متعلق ہی سوراج کی تخلیق کے متعلق نہین ہے، گاندھی اس امر کے پوری طرح ہمخیال ہین کہ سوراج دوسرے یعنی جنگجویانہ جدوجہد سے نہین حاصل ہوسکتا۔ چنانچہ وہ اپنے پروگرام مین بتدریج تبدیلی کررہے ہین جس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی اس تحریک کی خلقت محدود نہین ہے بلکہ تمام اُس تخلیقی کارروائی پر بھی حاوی ہے جو ٹیگور کو مطلوب ہے۔ لیکن ٹیگور کی حجت پروگرام کو وسعت نہین دیتی بلکہ عین اُس کی اساسی خصوصیت کو تباہ کردینے والی ہے،

اس طرح سے گاندھی کی کوشش روحانی و دنیوی زندگی کو ملانے کی زیادہ معقول ہے بہ نسبت ٹیگور کے۔ برخلاف ٹیگور کے گاندھی زندگی کے مقاصد کی تیز اُنکے جاننے کے طریقہ کی تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ وہ داخلیت کی فوقیت کو قائم رکھنا اور اُسکے توحد وانقطاع کو دور کرنا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد کامل اخلاقی آزادی اور صداقت ومحبت کا اعلے اعتراف ہے۔ ہر کارروائی کو خواہ وہ تخلیقی ہو یا جنگی زندگی کے ان ہی مقاصد کی تابعداری کرنا چاہیے۔ گاندھی کہتے ہین کہ وہ سیاسیات مین اسی حدتک داخل ہوتے ہین جس حدتک کہ مذہبی قوت اُنکے اندر ترقی کرتی ہے۔ اُنکا کہنا ہے کہ ملک کی وفاداری تابع ہے خدا کی وفاداری کے۔ آپ تمدن کو بغلگیر نہین کرسکتے اگر وہ آپ کی اخلاقی ترقی

مین مدد نہین کرتا، محبت آپکو سب کے ساتھ صداقت مین حصہ لینے پر آمادہ کرتی ہے اور آپ صداقت کی تخلیق بلا دروغ کی تباہی کے نہین کرسکتے اور یہ دونون ہمشکل طریقے ہین۔ اس طرح سے دروغ کی بربادی بھی اپنے اعلیٰ مفہوم مین تخلیقی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جنگجویانہ کارروائی بھی تخلیقی اور روحانی ہے اور اُسکو کامل غیر متشدد و امن پسند بنا کر آپ اُسکی تخلیقات کی داخلی اور نیز خارجی قیمت کا بھی فائدہ اُٹھاتے ہین۔ گاندھی نے داخلیت اور خارجیت اور فردیت وعمومیت کی درمیانی خلیجون کو پاٹ دیا ہے۔ اور اگرچہ گاندھی کا کام مشکلات سے خالی نہین ہے لیکن وہ اُن دلائل کیوجہ سے جنکو ٹیگور نے اختیار کیے ہین قابل شکست نہین ہے۔

خاتمہ سخن | عند الاختتام ہم یہ کہینگے کہ اسمین کوئی شبہہ نہین کہ مدرسہ شانتی نکیتان قدیم ہندوستانی تہذیب، فلسفہ، آرٹ تاریخ اور جدید علوم ولٹریچر اور مغربی زبانون کی ایک بہترین درسگاہ اور مشرقی ومغربی تمدن وخیالات کا سنگم ہے طالبین صادقین صحیح ادبی وعلمی ذوق اور مغربی معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ وہان سے حاصل کرسکتے ہین۔ البتہ مقامی آب و ہوا کے متعلق ہم یہ کہینگے کہ یچھم کے رہنے والون کو وہان کی آب و ہوا ایک عرصہ کے بعد راس آتی ہے۔ خصوصًا اسوجہ سے اور بھی کہ کھانے کا وہان بہتر انتظام نہین ہے۔ عمومًا ترکاری وغیرہ تیل مین پکی ہوئی ہوتی ہے اور چاول اُبلے ہوئے فرمایش کرنے پر اُن لوگون کے لیے جو چاول کے عادی نہین ہین روٹی بھی طیار ہو جاتی ہے۔ وہان کے پانی مین قوت ہاضمہ بہت کم ہے پس ضرورت ہے کہ جو صاحبان مدرسہ مذکور مین جانے کا ارادہ کرین وہ اگر کھانے کا نہین تو کم سے کم عمدہ ناشتہ کا اہتمام اپنی صحت کو قائم رکھنے کے لیے بطور خود کرلین۔

منتخبات

ہندوستان کے عہد اسلامی اور آغاز عہد انگریزی

مین

ڈاک کا انتظام

"جولائی ۱۹۲۲ء کے رسالہ کلکتہ ریویو مین پروفیسر بجے کمار نے ایک محققانہ مضمون لکھا ہے جو امید ہے کہ ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا؛

لفظ "ڈاکخانہ" سے آجکل ہم جس چیز کو مراد لیتے ہین وہ حال کی ایجاد ہے، ابتدائً یہ ایک شاہی محکمہ تھا۔ حکومت کے مختلف حصون مین قیام مراسلت، اور انتظامی اغراض کے لیے ایک دوسرے صوبہ اور شہر کو متحد رکھنے کی ضرورت کی بنا پر یہ وجود مین آیا، ۱۸۳۷ء سے قبل ہندستان مین کوئی عام نظام ڈاک نہ تھا، اور اور مختلف حصص ملک مین قیام مراسلت کا کام خاص قاصدون (خواہ وہ شخصی ہون یا شاہی) کے ہاتھون مین تھا، ابتدائی ڈاکخانجات کے متعلق امپیریل گزٹ لکھتا ہے،

> "ابتدائے عہد سے دیسی ریاستون نے۔ قاصد، پتہ ، یا ہرکارون کے ذریعہ، ذرائع مراسلات کو بہت کچھ ترقی دے رکھی تھی اور یہ بتانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ انگریزی کیطرح دیسی زبانون مین (شمالی ہند مین ڈاک یا دکن ومہاراشٹر وگجرات وغیرہ مین ٹپال کا لفظ) بھی وہی الفاظ اس محکمہ کو ظاہر کرتے ہین جو ان قاصدون کے مرکزون اور ٹھہرنے کی جگہون کو بتلاتے تھے[۱]"

(1) Imperial Gazetter Vol III. P 418

قرون وسطیٰ مین، ہندوستان کے سب سے پہلے محکمۂ ڈاک کا پتہ ہمکو علاء الدین خلجی کے زمانہ مین ملتا ہے، یہ ۱۲۹۶ء مین تخت نشین ہوا تھا، مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ یہ جب کہین کوئی فوج روانہ کرتا تو اوس کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے پیادون یا سوارون کی ڈاک کا انتظام کرتا[1]،

مشہور افریقی سیاح ابن بطوطہ کے بیان سے، جو ۱۳۴۲ء مین ہندوستان آیا تھا، یہ بات صاف طور سے معلوم ہوتی ہے کہ چودھوین صدی کے وسط مین اس محکمہ نے کافی ترقی کرلی تھی، وہ اس نظام کو اسطرح لکھتا ہے :-

ہندوستان مین قاصد دو قسم کے ہوتے ہین، پیادہ اور سوار، انکو عموماً "الولاق" (معارف ڈاک دوڑ دے، غالباً یہ ترکی لفظ ہے) کہتے ہین، سوار جو عموماً سلطان کے رسالون کے جز ہوتے ہین، ہر چار میل پر قیام کرتے ہین، اور پیادہ ہر میل پر ٹھہرتے ہوئے ٹھہراؤ اور ٹھکانہ کوٹے کرتے ہین، انکا ہر اسٹیشن (ٹھہراؤ یا ٹھکانا) ایک میل پر ہوتا تھا اور وہ "الدادہ" کہلاتا تھا۔ (معارف، غالباً یہ لفظ "اڈا" ہے) ہر قاصد کے ہاتھ مین ایک ڈنڈا ہوتا تھا جو تقریباً دو ہاتھ لانبا ہوتا، اور اسکے سرے پر گھنگھرو بندھے ہوتے تھے، اس کے ایک ہاتھ مین ڈاک ہوتی اور دوسرے سے وہ اون گھنگھرون کو بجاتا جاتا؛ اس طرح وہ اپنے قریب کے اڈے تک جاتا ہے، اور جب اوس جگہ پہونچ جاتا ہے تو پھر گھنگھرون کو بجاتا ہے، اس پر اوس اڈے سے ایک آدمی نکلتا ہے، وہ اس سے ڈاک لیکر دوسرے اڈے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطان اپنی مراسلات اسقدر جلد پالیتا ہے[2]"

اس افریقی سیاح کے ہمعصر اور مورخ عہد شہاب الدین ابو العباس احمد نے بھی اسی قسم کے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی الیٹ صاحب جلد سوم صفحہ ۲۰۳ [2] سفرنامہ ابن بطوطہ ترجمہ گب صفحہ ۱۰۲-۱۰۱-

حالات لکھے ہین[1]،

ڈاک کے سلسلہ مین سکندر لودی اور بابر کے نام بھی لئے جاتے ہین، اسکندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اوس نے اس غرض سے کہ اوسکے پاس روزانہ نیلب، آگرہ اور بنگال کے شرقی حدود تک کی خبرین پہونچا کرین، تھوڑی تھوڑی دور پر اس قسم کی چوکیان قائم کی تھین[2]،

بابر نے آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش۔ اور اسپر گھوڑون کے ڈاک کے اجراء کا حکم دیا تھا، تزک بابری مین لکھا ہے کہ ۱۷۔ دسمبر ۱۵۲۸ع کو چقاق بیگ کو حکم دیا گیا کہ وہ آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش کرے اور وہ تعمیل احکام شاہی کے لیے اوسی دن چل کھڑا ہوا، اس کام کے نظام و ترتیب کو یون بیان کیا گیا ہے،

"ہر ۹ کروہ پر ایک بارہ تار (تقریباً ۴۴ یا ۴۶ فٹ) بلند مینار بنایا جائے اور اس کے سرے پر ایک "چار دورہ" ہو، ہر ۱۸ کروہ پر ۶ ڈاک کے گھوڑے بندھے رہین، سوارون، سائیسون کی تنخواہ اور گھوڑون کے دانے کا پورا پورا انتظام کر دیا جائے[3]۔

لیکن تزک سے اس بات کا پتہ نہین چلتا کہ یہ ارادہ عالم وجود مین بھی آیا یا نہین،

شیر شاہ (۴۵-۱۵۴۰ع) کا عہد حکومت، ہندوستان کی اسلامی سلطنت مین ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، یہ اسی کا عہد تھا، جس مین مختلف سیاسی و اقتصادی معاملات مین ترقی ہوئی اور انتظام وعدل کے نئے طریقے اور اصول مرتب کئے گئے، شیر شاہ نے صرف سڑکین اور سرائین ہی تعمیر نہین کین بلکہ اپنی تمام سلطنت مین گھوڑون کی ڈاک بھی جاری کی، جیسا کہ کہا جاتا ہے اوس نے مختلف سڑکون پر تقریباً ۱۷۰۰ سرائین بنوائین، "ہر سرائے مین دو دو گھوڑے موجود رہتے تھے کہ خبر کو فوراً

---

[1] الیٹ جلد سوم صفحہ ۵۱۸ [2] الیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۰ کا حاشیہ، جلد پنجم صفحہ ۱۰۲ [3] تزک بابری، حصہ سوم صفحہ ۶۲۹

لیجاتے تھے، اس حساب سے ہندوستان مین ڈاک کے محکمہ کے لیے ۴۸۰۰ گھوڑون کا التزام تھا[۱]،
شہنشاہ اکبر (۱۶۰۵-۱۵۵۶ء) شاید پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان مین اونٹ کی ڈاک جاری کی
آئین اکبری کی مندرجہ ذیل سطرون سے یہ بات واضح طور سے معلوم ہو جائیگی کہ سولھوین صدی مین
محکمۂ ڈاک مکمل صورت اختیار کر چکا تھا،

"ہندوؤن کے ایک فرقہ کو جو اونٹون کی عادات سے بخوبی واقف ہوتا ہے" رائباری"
کہتے ہین، وہ دیسی اونٹون کو اس طرح چلنا سکھاتے ہین کہ وہ بہت قلیل عرصہ مین ایک
معقول مسافت طے کر لیتے ہین، اگرچہ دار السلطنت سے لیکر حکومت کی سرحدون تک گھوڑون
اور تیز آدمیون کو ہر چار کوس پر محکمۂ ڈاک کے لیے رکھا گیا ہے، لیکن محل شاہی مین اس قسم کے
چند اونٹ ہر وقت موجود و تیار رہتے ہین[۲]"

سترھوین صدی کے یورپین سیاحون مین، الگزنڈر ہملٹن نے (Alexander
Hamilton) مغلون کے نظام ڈاک کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

"مغلون کی حکومت مین ڈاک بہت جلد جاتی ہے، کیونکہ اون تمام کاروانون مین جو کہ ہر
بڑی سڑک پر دس دس میلون کے فاصلہ پر بنے ہوئے ہین، بہت تیز رو آدمی مقرر ہین،
خطوط ایک رنگے ہوے بکس مین بند رہتے ہین، اور وہ بکس ہرکارہ کے سر پر ہوتا ہے جب
وہ سرائے کے قریب پہونچکر اپنے آنے کی اطلاع دیتا ہے تو دوسرا شخص اوس بکس کو لیکر
اگلی جگہ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے، اسی طرح شب و روز پانچ چھ میل فی گھنٹہ چلکر ڈاک اپنے
منزل مقصود تک پہونچ جاتی ہے، چنانچہ اس وسیع حکومت کے بعید ترین مقامات سے

---

[۱] تاریخ شیر شاہی، الیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۸، [۲] آئین اکبری مترجمہ بلوچمین جلد اول صفحہ ۱۴۷-۱۴۸،

بھی آٹھ دن کے اندر خبرین دربار مین پہونچ جاتی ہین"[1]

مغلون کے عہد مین، حکومت کے مختلف حصص مین متعدد قسم کے اخبار نگار ہوتے تھے، وہ (۱) وقائع نویس یا وقائع نگار (۲) سوانح نگار، (۳) خفیہ نویس اور (۴) ہرکارہ کے نامون سے موسوم تھے، وہ مستقل طور سے مرکزی حکومت کو خبرین بھیجا کرتے تھے، یہ "داروغہ ڈاک چوکی" کے ماتحت ہوتے، اوسی کے پاس تمام خطوط و کاغذات آتے تھے اور وہ انکو کھولے بغیر وزیر کے حوالہ کردیتا تھا کہ بادشاہ کو پہونچا دیے جائین، ایک فارسی نسخہ سے جو شاید ۱۸ صدی کے ابتدا کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے ہمکو پتہ چلتا ہے کہ وقائع ہفتہ وار، سوانح، مہینہ مین دوبار، اخبار ہرکارہ ماہوار اور ناظم و دیوان کے کاغذات بھی مہینہ مین دوبار جانے چاہئین، البتہ اہم خبر انکو فی الفور روانہ کرنا چاہیئے[2]، صوبون کی دار السلطنتون کی تعداد مین تغیر ہوسکتا ہے، لیکن اون کی کثرت آمدورفت سے یہ بات لازمی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ محکمۂ ڈاک کے مستقل قیام کی کسقدر ضرورت ہے،

اور گجرات کی تاریخ مرآۃ احمدی مصنفہ محمد علی خان، دیوان صوبۂ مذکور سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ کم ازکم ۱۸ صدی کے وسط مین یہ محکمہ بہت کچھ مکمل تھا، یہ تاریخ ۱۷۴۸ء مین لکھی گئی تھی، علیخان کے بیان کے مطابق مخبر صوبہ کے ماتحت اخبار نویسون اور وقائع نگارون کی ایک بڑی جماعت ہوتی جو صوبہ کے مختلف شہرون، عدالتون اور دفترون مین رہتی تھی،

"وہ روزانہ خبرین حاصل کرتا ہے اور انکو ایک خط مین درج کرکے اونٹ کے ذریعہ دربار کو روانہ کردیتا ہے، سوانح نگارون کی جماعت صرف افواہون کو لکھتی ہے۔ تیسری جماعت ہرکارون کی ہوا کرتی ہے جو صوبہ دارون کے ساتھ ہوتے ہین؛ ڈاک کی چوکیان احمدآباد سے

1- Pinkerton voyages Vol VIII, p 316

2 Jadunath Sarkar. Mughal administration pp 97-101

اجمیر کی سرحد تک بنی ہوئی ہین اون مین پیدل اور سوار دو نون شاہی ڈاک لیجانے کے لیے تیار رہتے ہین، یہ ڈاک ایک ہفتہ کے اندر شاہجہان آباد یا دہلی پہونچ جاتی ہے، ڈاک کا ایک دوسرا سلسلہ بردج سے دکھن تک کا ہے[1]،،

کرنل ولکس کا بیان ہے کہ میسور کے راجہ چک دیونے جو ۱۶۷۲ء مین تخت نشین ہوا تھا سب سے پہلے اپنی تمام مملکت مین محکمۂ ڈاک قائم کیا، میسور کا محکمہ ڈاک صرف خبر رسانی ہی کا ایک معمولی آلہ نہ تھا بلکہ خبرون کے حصول کا بھی ایک کارآمد ذریعہ تھا، پوسٹ ماسٹر اور دوسرے عمال محکمہ اپنے معمولی فرائض انجام دینے کے علاوہ حکومت کے خفیہ ایجنٹ کا کام بھی کرتے اور اپنے اپنے ضلعون کی خفیہ کارروائیون کی اطلاع بھیجتے رہتے تھے۔ اس طریقہ کو حیدر علی نے اور مکمل کر دیا[2]،

قرون وسطی مین محکمۂ ڈاک حکومت کے کاروبار کے لیے مخصوص تھا اور عام لوگ اس سے مستفید نہین ہو سکتے تھے۔ ذاتی خطوط قاصدون کی معرفت روانہ کیے جاتے تھے اور یہ قاصد تجارتی مرکزون مین اکثر ملجاتے تھے، ممکن ہو کہ سرکاری قاصد بھی بعض اوقات مخصوص حالات مین ذاتی خطوط لیجاتے ہون، ان ذاتی قاصدون کو ملک کے مختلف حصون مین مختلف نام سے یاد کیا جاتا تھا، مثلاً قاصد۔ پیامبر، ہرکارہ وغیرہ۔ پیٹر منڈی (Peter Mundy) (۱۶۲۸-۳۴ء) کے وقت مین بازار قاصد ۱۱ یا ۱۵ دن مین پٹنہ سے آگرہ خط لیجاتے تھے،[3] "تیز رو" قاصد پندرہ بیس دن مین دہلی اور سورت کی مسافت طے کرسکتے تھے،[4] پتامر کے لیے عموماً گوا سے مچھلی پٹن تک بیس دن درکار تھے[5]

ڈاکٹر فرائر (Fryer) کے بیان کے مطابق دکن مین صرف پتامر ہی پیادہ ہرکارہ تھے[6]

1- Bombay Gazetteer vol I part I, P. 214

2- Wilks Historical Sketches of the South of India vol I P. 89, 3- Travels of Peter Mundy, vol. II. P. 368

4- Wilson. Early Annals of the English in Bengal vol II, part II P. 90 5- Love, vestiges of Old Madras (Indian Records Series) vol I. P. 198

6- Fryer, East India and Persia vol I, P. 279

عام خطوط کی ابتدا ۱۷۱۲ء سے شروع ہوتی ہے، جبکہ پہلے پہل کمپنی نے محصول ادا کرنے پر اپنے قاصدون کے ذریعہ خطوط کی روانگی کی اجازت دیدی تھی، جب انگریز اول اول ہندوستان مین آئے تو انھون نے اِن قاصدون سے اپنے خطوط و کاغذات کی ترسیل و تبلیغ کا کام لینا شروع کیا، لیکن چونکہ اس مین ضرورت سے زیادہ وقت اور روپیہ خرچ ہوتا تھا، اسلیے ۱۶۸۸ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بمبئی اور مدراس کے افسرون کو حکم دیا کہ آسانی اور کمپنی کی آمدنی کے لیے اپنے اپنے یہان محکمۂ ڈاک قائم کرین، بمبئی کو حسب ذیل ہدایتین روانہ کی گئین:-

"ہماری خواہش ہے کہ تمام خطوط کی آمدورفت کے لیے ڈاکخانہ قائم کیا جائے ہر خط کا محصول مقرر ہو اور خط کے وزن کے مطابق اِن محصولات کو دگنا یا تگنا کیا جائے تاکہ چند سالون مین کمپنی کو معقول فائدہ حاصل ہو اور تجار و سوداگرون کو ہمیشہ سے زیادہ سہولت نصیب ہو، اسلیے تمکو چاہیے کہ خشکی اور تری کے راستون سے اِن کی روانگی کا انتظام کرکے اور مناسب مقامات پر انکی چوکی قائم کرکے، سورت اور دوسرے مقامات پر خطوط نہایت سرعت و حفاظت کے ساتھ روانہ کرو[1]"

اسی قسم کی ہدائتین مدراس بھی روانہ کی گئین، معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۱۲ء مین مدراس مین مناسب مقامات پر ڈاکخانے قائم کردیے گئے اور ان سے خط و کتابت مین بہت کچھ آسانیان [2]

(ایک فنام ۱/۲ کے برابر ہوتا تھا)

1. Vestiges of old Madras, I, 544

2 - Vestiges of old Madras, I, 136

پیدا ہو گئین، پہلے مدراس سے بنگال تک قاصدون کے جانے مین دو تین مہینے درکار تھے لیکن اب صرف ایک مہینہ مین خطوط جا سکتے تھے، ابتدائی محصولات کا پتہ نہین چلتا لیکن سنہ ۱۷۲۰ء کے محصولات یہ ہین :-

فورٹ سینٹ جارج سے	وبزنگا پٹم تک	۴	فنام
"	بنگال "	۶	"
"	بمبئی یا سورت "	۹	"

اسکے بعد لارڈ کلایو کے زمانہ تک کے ڈاکخانہ کے حالات کا کوئی مفصل حال معلوم نہین لیکن لارڈ موصوف کے زمانہ مین سنہ ۱۷۶۶ء مین پہلے پہل مستقل ڈاکخانجات کے قیام کا پتہ چلتا ہے، اس کے متعلق ذیل کا حکم ہمارے سامنے ہے،

ڈاک کے بہتر انتظامات کی غرض سے حکم دیا جاتا ہے، کہ آیندہ تمام خطوط گورنمنٹ ہاؤس سے روانہ کیے جائین، پوسٹ ماسٹر یا اسکے ماتحت رات کو تمام خطوط کو چھانٹ کر روانہ کرین، کمپنی کے مختلف مقبوضات کے خطوط الگ الگ تھیلو ن مین بند کرکے، اونپر کمپنی کی مُہر لگا دی جائے، ذمہ دار افسر کے علاوہ کوئی اون تھیلون اور خطوط کو نہ کھولے اور اس ذمہ دار افسر کو چاہیئے کہ صرف اپنے یہان کے تھیلے کو کھولے، اسی قسم کے احکامات کلکتہ جانے والے خطوط کے متعلق نافذ کیے جائین[1]"

خطوط اور پیکٹ کے بسرعت وحفاظت پہونچنے کے لیے بہت سے او ر قوانین بھی بنائے گئے وارن ہسٹنگز (Warren Hastings) کے زمانہ مین محکمہ ڈاک مین اور ترقی ہوئی،

1- Hamilton An outline of postal History and Practice etc, P. 131.

۱۷۷۴ء مین، کلکتہ مین ایک پوسٹ ماسٹر جنرل کا تقرر عمل مین آیا اور فی سو میل کے لیے ۲ فی خط محصول مقرر کیا گیا، عام لوگون کی سہولیت کے خیال سے ۲ کے تانبے کے ٹکٹ صرف ڈاک کے لیے بنائے گئے، ۱۷۸۴ء مین وارن ہسٹنگز نے قوانین ڈاکخانہ پر نظر ثانی کی اور اسی طرح اکثر نظر ثانیان ہوتی رہین تا آنکہ ۱۸۳۷ء مین عام ڈاکخانے جاری کئے گئے اور حکومت نے مقبوضاتِ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تمام خطوط کی ترسیل و تبلیغ کی حاکمانہ ذمہ داری لے لی[1]،

۱۷۷۵ء سے چند سال قبل بنگال اور مدراس کے مابین ہفتہ مین دو بار ڈاک کی روانگی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اسوقت تک بمبئی اور مدراس یا بمبئی اور کلکتہ کے درمیان کوئی منتظم سلسلہ نہ تھا، ۱۷۸۸ء مین یوروبین تاجرون کی درخواست پر ایک پندرہ روزہ ڈاک کا سلسلہ مدراس اور بمبئی کے مابین قائم کیا گیا تھا، اسکا راستہ حیدرآباد اور پونہ ہو کر تھا اور اسمین تقریبًا ۲۵ دن صرف ہوتے تھے، ۱۷۹۰ء مین اسے ہفتہ وار بنا دیا گیا اور راستہ بھی تبدیل کر دیا گیا، اب خطوط بمبئی سے مچھلی پٹن اور وہان سے کلکتہ اور مدراس جانے لگے، اس ذریعہ سے بہت سا وقت بچ گیا اور اب خطوط بمبئی سے کلکتہ ۲۶ دنون مین، مدراس ۱۷ دنون مین اور مدراس سے کلکتہ ۱۹ دنون مین پہونچ جاتے۔ پوسٹ[2] مین ہمیشہ پیادہ پا ہوتے؛ اونکی چوکیان عمومًا سات آٹھ میل پر ہوتین اور ۲۴ گھنٹون مین اونکی رفتار تقریبًا ۸۰ میل ہوتی تھی[3]،

1- Hamilton PP. 132-33: Clark, The post office of India and its Story, PP. 13-17, 191-94.

2- Vestiges of old Madras, III, 79, 443-45; Selections from the letters, Despatches, and other state papers preserved in the Bombay Secretariate, Home Series, vol. II (ed Forrest), P. 347.

3- Rennell, memoir of Hindoostan P. 237.

کلکتہ سے پٹنہ کی مسافت ۲۹۰ میل تھی جس مین ۶۴ چوکیان اور ۱۲۸ ہرکارے تھے۔ کلکتہ سے ڈھاکہ ۱۰۰ میل تھا اور اسمین ۲۱ چوکیان اور ۴۳ ہرکارے تھے،
Clark, P. 193

وزن اور مسافت کے اختلاف کے ساتھ محصول مین بھی کمی وزیادتی ہوتی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سالون مین اسمین مختلف تبدیلیان ہوئی تھین، ۱۷۸۸ء مین مدراس و بمبئی کے مابین خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

ایک خط کے لیے	۲ روپیہ
دگنے " "	۴ "
تگنے " "	۶ "

پیکٹ پر ۴ روپیہ فی اونس کے حساب سے محصول تھا، ۱۷۸۹ء کے بعد ۱/۲ ۲ تولہ وزن کے خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

بمبئی سے	پونہ تک	۵۲ کوس		۲/
" "	حیدرآباد تک	۲۲۲ "		۸/
" "	مچھلی پٹن تک	۳۳۱ "		۱۲/
مچھلی پٹن سے	مدراس تک	۳۲۳ میل	۳ فنام	۴/
"	گنجم تک	۴۲۰ "	۴ "	۸/
گنجم "	کلکتہ تک	۳۰۵ "		۵/

۱/۲ ۲ تولہ سے ۱/۲ ۳ تک دوگنا اور ۱/۲ ۳ سے ۱/۲ ۴ تولہ تک تگنا اور ۱/۲ ۴ سے ۱/۲ ۵ تک چوگنا محصول ادا کرنا ہوتا اور یہ محصول اسی طرح بڑھتا جاتا[1] - ۱۷۹۵ء مین مندرجہ ذیل محصول تھا،

ایک کوس تقریباً ۱/۲ ۲ کا ہوتا ہے۔

1- Selection from the letters, etc. p. 347; vestiges of Old Madras III 344

کلکتہ سے	۲ ½ تولہ یا اس سے کم روپیہ	آنہ
برکپور	–	۱
راج محل	–	۳
پٹنہ	–	۵
بنارس	–	۷
ڈھاکہ	–	۳
چیٹاگانگ	–	۶
بمبئی	۱	۹
مدراس	۱	۲ ½

۲ ½ تولہ سے ۳ ½ تولہ تک دگنا اور ۳ ½ سے ۴ ½ تک تگنا محصول ادا کرنا پڑتا اور وہ اسی طرح بڑھتا جاتا[1]۔ ان محصولات پر ۱۸۰۵ء میں پھر نظر ثانی کی گئی، ۱ تولہ کے وزن کے خط کو سنگل لیٹر اور ایک سے ۱ ½ تک ڈبل اور ۱ ½ سے ۲ تک ٹریل لیٹر قرار دیا گیا، سنگل خطوط پر ۱ ½ آنہ فی سو میل کے حساب سے محصول لگایا گیا[2]، یہ سلسلہ بدستور جاری رہا تا آنکہ ۱۸۵۴ء میں مسافت کے خیال کو ترک کرکے تمام خطوط پر ایک ہی محصول مقرر کیا گیا،

کیرے (Carey) اپنی کتاب The Good Old Days of Honorable John Company میں لکھتا ہے کہ جولائی ۱۷۹۰ء میں ذاتی خطوط عام طور سے بذریعہ ڈاک روانہ ہوئے[3] اسکے قبل

1- Carey, The good old days of Honorable John Company. vol. 1, P. 483

ایک تولہ ایک روپیہ کا ہم وزن ہوتا ہے

2. Vestiges of old Madras III, 541.

3 - vol. 1, P. 484

صرف چند خاص افسرون کو بلا محصول خطوط روانہ کرنے کا حق حاصل تھا،

۱۸۔صدی کے اختتام سے قبل، بھاری پارسلون اور گٹھریون کے بھیجنے کے وسائل بھی موجود تھے، یہ بہنگیون پر، جو آدمی کے کاندھون پر رکھی ہوتین لیجائی جاتی تھین، اس کو بہنگی ڈاک کہتے تھے، ہملٹن (HAMILTON) اپنی کتاب اوٹ لائنس آف پوسٹل ہسٹری اینڈ پرکٹس (OUTLINES OF POSTAL HISTORY PRACTICE) مین بنگی ڈاک کے متعلق لکھتا ہے،

ہندوستان، انگلستان کی وزنی اشیار کے طریقہ ترسیل کی ایجاد کے ایک صدی پہلے سے ایک نہایت مفید نظام کا مالک تھا، بہنگی والے ڈاک سے سست چلتے ہین تاہم ایک گھڑی ایک مہینہ کے اندر مرمت کے لیے کلکتہ جاکر درست ہوکر واپس آسکتی ہے"[1]

---

[1] حصۂ اول صفحہ ۱۳۴،

تلخیص و تبصرہ

مسٹر جی ایس ہملٹن نے رسالہ ہبرٹ جرنل کے اپریل نمبر مین ایک نہایت مفصل مضمون لکھکر یہ ثابت کیا ہے کہ مغربی تمدن کا خلعت ہندوستان کے جسم پر راست نہین آسکتا، یورپ کا مادی تمدن مشرق کی روحانی اور اخلاقی قوت کو فنا کر رہا ہے اور مشرق کے تمام امتیازات کو مٹا رہا ہے، ہر قوم کا تمدن اسکی جبلت فطرت، تخیلات، ملکی آب و ہوا اور جغرافی خصوصیات کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اسلیے ایک قوم کے تمدن کو زبردستی دوسری قوم کے سر منڈھنا، اوسکو دانستہ خودکشی پر آمادہ کرتا ہے ہٹر موصوف کے طویل مضمون کے حسب ذیل اقتباسات پڑھنے کے لائق ہین، ان اقتباسات کے ضمن مین یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس منصفانہ اور بے لاگ راے کے باوجود اونکے اندر اپنے مذہب کی اشاعت کا ولولہ انگیز جذبہ کس طرح دب دب کر ابھرتا، اور چھپ چھپ کر نکلتا ہے،

"اسوقت برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرتے زمانہ گذر گیا ہے، بعض حصون مین دو سو سالون سے اور بعض مین ایک سو برس سے حاکم ہے، حتی کہ پنجاب بھی تین نسلون سے اسکے زیر نگین ہے اور اسوقت شائد ہی کوئی ایسا متنفس موجود ہوگا جسنے آزاد ملکی حکومت دیکھی ہو، اس تمام زمانہ مین برطانیہ نے خود یا کسی دیسی ریاست کے ذریعہ ملک کے طول و عرض مین امن و امان قائم رکھا ۱۸۰۰۳۰۰ گنجان آباد مربع میل، اور نہایت ہی وسیع پیمانہ پر پولس کا اسقدر بہتر انتظام کیا کہ دنیا کی کوئی تاریخ اسکی مثال پیش نہین کرسکتی، ان اوقات مین کبھی بھی ہندوستان کی سرحد و نیر کوئی اہم حملہ ہوا، اور چند مستثنات اور محدود شورشون کے سوا، ایک باشندہ یا باج خواہ انگریز یا دیسی اس قدر محفوظ رہا کہ یورپ کے کسی ملک مین بھی ممکن نہ تھا"

"۳۰ ہزار میل ریل کی سڑک بنائی گئی، ۲۷ ملین ایکڑ بنجر زمین کی آبیاری کے لیے نہرین بنوائین گئین، دس یونیورسٹیان قائم کی گئین اور تمام ملک مین اسکولون کا جال بچھا دیا گیا، جو شخص بھی چاہے مغربی جراحی اور ادویات سے مستفید ہو سکتا ہے، ریل، کوئلہ کی کانون، روئی، جوٹ، اون حتیٰ کہ لوہے کے کارخانون مین زرکثیر جو زیادہ تر اہل برطانیہ کا ہے، لگایا گیا ہے غیر ملکی کارخانے اور بنک ہر جگہ کھل گئے ہین، انھون نے ہندوستان کی پیداوار کے لیے منڈیان کھولدی ہین اور اوسے اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ روے زمین کے بعید ترین حصہ سے اعتبار پر کاروبار کر سکتا ہے۔"

"یہ وہ مادّی ترقی ہے جو برطانوی حکومت، اپنے ساتھ ہندوستان لائی ہے، ملک کا نقشہ بدل گیا ہے! لباس کا قدیم طرز اوٹھ رہا ہے، کارخانے کے کپڑون نے خانہ ساز کپڑون کو تقریبًا نابود کر دیا ہے (تاآنکہ گاندھی نے زندہ کیا) اور یورپین وضع وقطع جو اونکے مردون اور عورتون کو بہت ہی بُرا معلوم ہوتا ہے، اونکے خوبصورت کپڑون کی جگہہ لے رہا ہے، تقریبًا ہر شخص دال اور باجرہ کی جگہ گیہون اور چاول کھاتا ہے، تیرتھ اب تفریحی سفرون سے زیادہ وقیع نہین لیکن انسان صرف روٹی کے سہارے زندہ نہین رہسکتا، اور نہ ایک قوم کی ترقی کا حال اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اوسمین اسقدر روپے کی درآمد ہے یا اسقدر کپڑا خرچ ہوتا ہے یا اسقدر سونا اس کے پاس موجود ہے، دراصل سوال جس کا فوری جواب مطلوب ہے یہ ہے کہ آیا ہندوستان نے برطانوی حکومت مین رہکر کچھ روحانی ترقی بھی حاصل کی ہے اور پھر اگر اسکا فقدان ہے یا بہت ہی کم ہے تو آخر کیون؟ پس اگر ہندوستان کے خیالات کو مغرب کے عیسائی تمدن مین رنگنے کے لیے یہ بھی کوئی چیز ہے تو ہمکو یقینًا اس کی طرف دیکھنا چاہیے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، اور یہ دونون کبھی نہ ملینگے" کہ مشہور مقولہ کا اب کوئی ثبوت

نہین ملتا؛ کیونکہ حکومت کا مذہب عیسائیت ہے، اخلاقیات جنکا مطالعہ کیا جاتا ہے عیسائیت سے ماخوذ ہین یا افادیات سے، تعلیم انگریزی ادبیات کے ذریعہ ہے، ایک ایسے ملک مین جہان ہمیشہ استبدادیت رہی ہو، جو سیاسی اصول سیکھایا جائیگا وہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نجات کا بہترین ذریعہ مغربی جمہوریت ہے، جو خوبیان بتائی جاتی ہین وہ تمام ترگوشت خوار انسانون کی ہین اور اون لوگون کی نظرون مین جو معتدل سبزی خوار ہین ظلم سے مشابہ نظر آتی ہین،،

"ہندوستان سے بہتر کہین بھی مشنریون کا انتظام نہین، یورپ اور امریکہ کے تقریبًا ہر فرقہ کی مشنری یہان موجود ہے، اور ایک شخص یہان رومن کیتھولک، چرچ آف انگلینڈ، امرکین پریس بٹرین، بپٹسٹ، چرچ آف اسکاٹ لینڈ، سونتھ ڈے اڈونٹسٹ اور چرچ آف کرسٹ کے مبلغین کو دو ہزار مربع میل کے دائرہ مین پاتا ہے، مشنریون نے انجیل کی تبلیغ کی، بیمارون کو اچھا کیا، بچون کو تعلیم دی اور ہر جگہ بھلائی کرتے رہے لیکن ہندو اور مسلمانون نے انکو اتنی نفرت سے دھتکارا کہ فلسطین کے یہودیون نے بھی حضرت عیسٰیؑ سے نفرت نہ کی ہوگی، نیچ ذاتون کے علاوہ شاید ہی چند متنفس عیسائی بنائے گئے ہون، چند ہندوستانیون نے جذبۂ شوق مین اپنے الگ کلیسا قائم کیے ہین پر وہ سب کے سب مشنریون کے مسلسل نگرانی و امداد کے محتاج ہین، یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے بعض حصون مین ایک بڑی جماعت نے عیسائیت کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بڑی جماعتین اون نیچ ذاتون کی تھین جو نہ ہندو ہین اور نہ مسلمان، اور خواہ ہم اسکو روحانی بیداری سمجھکر خوش ہون یا معاشرتی ترقی سمجھ کر روا رکھین، یہ ہمکو اوس راستہ کا جو مسلمان اور ہندو آیندہ چلکر اختیار کرین گے پتہ بتانے سے بالکل قاصر ہے، بلکہ یہ خیال کہ اونہین اون لوگون سے جو پہلے حقیر یا چار تھے مساویانہ حیثیت سے ملنا پڑیگا، اوس قومیت کے رکاوٹ کے علاوہ جسے عیسائیت نہ توڑ سکی اور نہ سہل کر سکی، ایک اور دیوار کھڑی کرتا ہے، اسلام اور ہندو

مذہب دونون اسوقت ہمیشہ سے زیادہ مضبوط ہین، کیونکہ قومیت و وطنیت کے جدید جذبات ان دو بڑے مذاہب مین وہ رشتہ اتحاد پاتے ہین جو ہندوستان کے کسی واحد زبان یا واحد سیاسی نقطۂ خیال کے روایات مین نہین مل سکتا؛ ہندوستان مین حال کی تمام مذہبی بیداریان مذہبی ہونے کے بجائے زیادہ تر سیاسی و وطنی ہین، مثلاً آریہ سماج تحریک اتحاد اسلامی، اور سکھونکا خالصہ فرقہ، ہندوستان کسی نہ کسی دن عیسائی ہو سکتا ہے، لیکن یہ امید اسوقت اور درخشان ہوجائیگی جبکہ انگلستان اسپر حکومت کرنا چھوڑ دے اور مشنریان اپنا قومی و نسلی غرور اور قدیم دیوتاؤن سے لڑائی باقی نہ رکھین،،

عیسائیت کا یہی ایک اصول نہین ہے جو ٹھکرا دیا گیا ہے، ہر وہ شخص جو ہندوستان مین ہندوستانیون سے اکثر ملا ہے، جانتا ہے کہ حتیٰ کہ وہ ہندوستانی جسنے مغربی تعلیم حاصل کی ہے، اخلاق، ترقی، تعلیم اور سیاست کے ہر مسئلہ کو بالکل ہی دوسری نظر سے دیکھتا ہے، جو مخاطب کے نقطۂ خیال سے کچھ بھی تعلق نہین رکھتی، انگریزون سے زیادہ وہ مادی قوت کے بجائے روحانی اشیار کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہین؛ یہ بالکل ہی ناقابل تخیل خیال ہے کہ ہندوستانی کسی قسم کے بھی افادی اخلاق کو قبول کرلینگے یا خدا کے رضا و قہر کی جگہ کثیر ترین تعداد کی بہترین نیکی کے اصول کو دین گے پیدائش اور حتیٰ کہ تقدس انسان کے معاشرتی درجہ کو متعین کرتا ہے لیکن دولت تو اس لائق بھی نہین؛ وہ روحانی خیالات جو یورپ مین رائج ہین ہندوستانیون پر کچھ بھی اثر نہین کرتے؛ مثلاً ہندوستانی کسی صورت سے بھی انسانی برادری کو تسلیم نہین کرتے۔ وہ اس بات کو نہین مانتے کہ ہر شخص کو مساویانہ مواقع حاصل ہون اور وہ مساویانہ معاشرت و اشتراکیت سے نفرت کرتے ہین؛ ہندوستان اسوقت تک اوس انقلاب سے جو فرانس نے ۱۷۸۹ء مین شروع کیا ہے نہین گذرا ہے؛ اعلیٰ قومین ابتک پنچ قومون یا بے ذات قومون کو جانورون سے کچھ ہی بہتر سمجھتی ہین، اور یہ پنچ قومین اپنی

حالت مین بالکل مطمئن ہین اور انھین اس معاشرتی تذلیل کے ہٹانے کا مطلقاً کوئی خیال بھی نہین ہے۔

"اسکے علاوہ صداقت کے مسئلہ کو لیجیے، ہندوستانی ویسے ہی مشرقی ہین جیسا کہ روایت پیش کرتی ہے، خلوص کے بجائے تصنع وظاہرداری ابتک اس کے نقطۂ خیال ہین، اور وہ چہرہ جو حقیقت کو ظاہر ہونے نہین دیتا اوس سے جو دل کھولکر صاف بات کہتا ہے زیادہ ممدوح ہے، ہندوستان کے تمام اسکول وکالج، شائد اس وجہ سے کہ وہ تمام تر دنیاوی تعلیم کے لیے ہین، اونکی روشِ صداقت کی تبدیلی مین ناکامیاب ہین۔ ذہنی صداقت اوس معیوب نظر سے دیکھی جاتی ہے جس سے اظہار حقیقت، ہندو مذہب اس بات پر مصر ہے کہ تمام قصون کو بیک وقت دینیات وتاریخ سمجھا جائے اور اسلام جو قرآن کے لفظی صداقت پر بھی کچھ پوچھنے کو منع کرتا ہے یہ دونون کے دونون اس بات کا ارادہ کیے بیٹھے ہین کہ وہ ہر اوس بات سے جو اون کی مقدس کتابون کے مطابق نہ ہو صاف انکار کردین؛ اون لوگون کو جو ایک آنکھ بند کرکے تدارک کرتے ہین صداقت نہین ملسکتی"

مغربی اثر نے ہندوستان کی تقریباً تمام صنعتون کو مردہ کردیا ہے، عجیب قسم کے باریک کپڑا بننے والون زردوزون، بڑھیون اور سنگ تراشون مین حسن وخوبصورتی کی حقیقی تمیز وذوق تھا۔ مگر مغربی مانگ ور مغربی نمونون نے ایکطرف تو اونکی تمام خوبیان برباد کردین اور دوسری طرف انکو حسن کا صحیح معیار بھی نہ بتایا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ارزانی اور بیکار چیزونسے کام لینے کے عادی ہوگئے"

"ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی ترقی کی شاہراہ جو مغربی تمدن کیطرف رہنمائی کرتی ہے ہندوستانی ارتقار کی راہ نہین ہے، اس شاہراہ سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ ہندوستان کے لیے ہے، جو اوسے کسی دوسری منزل مقصود تک لیجائے"

اخبارِ علمیہ

کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ مین اسلامی مضامین پر جو قلمی کتابین ہین، ان کی فہرست بائیس سال ہوے پروفیسر براؤن نے مرتب کی تھی۔ اس اثنا مین قریب ۸۰۰ کے قلمی کتابین یونیورسٹی لائبریری مین، اور تقریبًا اسی تعداد مین مختلف کالجون کے کتب خانون مین خرید کر داخل ہوئی ہین۔ سب کی مجموعی تعداد ۱۰۵۷ ہے۔ پروفیسر موصوف اسوقت ان قلمی کتابون کی مفصل و مشرح فہرست مرتب کرنے مین مصروف ہین، (ٹایمز لٹریری سپلیمنٹ)

رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لنڈن) کا سہ سالہ تمغۂ طلائی، جو مستشرقین کے ہان ایک خاص طغرائے امتیاز سمجھا جاتا ہے، ابکی بار پروفیسر گایلز کی قسمت مین آیا، جو کیمبرج یونیورسٹی مین چینی زبان کے پروفیسر ہین، اور چینی زبان اور اس کے متعلقات کے بڑے محقق تسلیم کیے جاتے ہین، اس تمغہ کی تاریخ آغاز ۱۸۹۷ء ہے، اور اُسوقت سے ہر تین برس کے بعد اہم مستشرقانہ خدمات کے اعتراف مین یہ عطا ہوتا رہتا ہے۔ اِسوقت تک اصحاب ذیل کے حصہ مین آچکا ہے۔

سال	نام محقق	نوعیت خدمات
۱۸۹۷ء	پروفیسر کوول	تحقیقات متعلق بہ زبان سنسکرت
۱۹۰۰ء	اڈورڈ ولیم ویسٹ	زبان پہلوی سے کتب مقدسہ کا انگریزی مین ترجمہ کیا
۱۹۰۳ء	سر ولیم میور	تالیفات متعلق بہ اسلام و شارع اسلام،
۱۹۰۶ء	ڈاکٹر پوپ	تحقیقات متعلق بہ زبان تامل

۱۹۰۹ء	سر جارج گریرسن	تحقیقات متعلق بہ السنۂ ہند،
۱۹۱۲ء	ڈاکٹر فلیٹ	
۱۹۱۵ء	(۱) مسٹر یوس (۲) مسٹر گبس	تحقیقات متعلق بہ علوم چین
۱۹۱۸ء	ڈاکٹر ونسنٹ اسمتھ	تالیفات متعلق بہ تاریخ ہند
۱۹۲۱ء	پروفیسر گائلز	تالیفات متعلق بہ ملک چین

(ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ)

بابرنامہ (شہنشاہ بابر کی خود نوشت سوانح عمری) کا ایک ترجمہ انگریزی زبان مین مسٹر ارسکن کا کیا ہوا پیشتر سے موجود تھا۔ مگر وہ براہ راست ترکی سے نہین، بلکہ فارسی ترجمہ سے ہوا تھا اسلیے ترجمہ در ترجمہ ہوگیا تھا۔ ماہ جولائی مین مسز بیورج کے قلم سے اُسکا ایک جدید ترجمہ انگریزی زبان مین ہوا ہے، جو براہ راست ترکی سے ہوا ہے۔ لنڈن کے مشہور مشرقی دار الاشاعت لیوزک کمپنی نے اسے شائع کیا ہے۔ کتاب دو ضخیم جلدون مین ہے، اور قیمت دو پونڈ ساڑھے بارہ شلنگ ہے، خاتون موصوفہ دس سال سے اس کام مین مصروف تھین۔ کتاب کو انھون نے چار حصون مین تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ متعلق بہ فرغانہ، ۱۹۱۲ء مین تیار ہوگیا تھا، دوسرا حصہ متعلق بہ کابل ۱۹۱۴ء مین، تیسرا متعلق بہ ہندوستان ۱۹۱۷ء مین اور چوتھا، جو دیباچہ، فرہنگ وغیرہ پر مشتمل ہے ۱۹۲۱ء مین تیار ہوا۔

سوویٹ کی عملداری (روس) سے وسط مئی کا چلا ہوا ایک خط کچھ روز ہوے جنوبی لنڈن مین ایک صاحب کو موصول ہوا۔ جس پر تین فٹ طویل اور سات انچ عریض رقبہ مین ٹکٹ چسپان تھے۔ ٹکٹونکی کل تعداد ۱۵۰ تھی، جن مین ۵۰ کی قیمت دو دو سو روبل تھی، اور سو ایسے تھے، جو تین تین سو روبل والے تھے، گویا کل ٹکٹونکی مجموعی تعداد ۴۰۰۰۰ روبل تھی۔ جنگ سے قبل ایک روبل تقریباً دو شلنگ کے

مساوی ہوتا تھا، اس حساب سے ٹکٹون کی قیمت ۰۰۰۰ ۴ پونڈ ہوئی، لیکن موجودہ شرح تبادلہ کے لحاظ سے یہ چالیس ہزار روبل بہت ہی حقیر قیمت کی شے ہین، (ڈیلی میل)

معزول قیصر جرمنی نے اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری (تزک قیصری) تالیف کی ہے، امریکہ کے ایک دارالاشاعت نے اس کے حقوق تالیف ۰۰۰۰ ۵ پونڈ (۰۰۰ ۰ ۵ ۷ روپیہ) معاوضہ دیکر خرید کیے ہین، اس کی پہلی قسط غالباً یکم ستمبر کو شائع ہوگئی ہو، (ایضاً)

یورپ مین مشہور تصانیف کے قلمی نسخون اور ابتدائی ایڈیشنون کی جو قدر ہوتی ہے، اسکا اندازہ اس سے ہوسکیگا، کہ حال مین جب شکسپیر کے مجموعہ تصانیف کا نیلام ہونے لگا، تو پہلی بولی ایک ہزار پونڈ سے شروع ہوئی اور بالآخر ۸۶۰۰ پونڈ کی بولی پر پہنچکر نیلام ختم ہوا! یہ مجموعہ ۱۶۲۳ء مین طبع ہوا تھا، دوسرا مجموعہ جسکا سال طباعت بھی یہی تھا، ۵۴۰۰ پونڈ مین نیلام ہوا! یہ دونون نیلام ایک امریکی شائق علم مسٹر روزن بیک کی بولی پر ختم ہوئے۔ اسی نیلام مین فارسی کی بھی ایک قلمی کتاب جسکا نام نہ معلوم ہوسکا، اور جس پر سال کتابت ۱۵۴۰ء درج ہے، ۴۰۰ پونڈ مین فروخت ہوئی، (ایضاً)

حال مین بعض دیوہیکل موٹرین ایسی ایجاد ہوئی ہین، جن کی شرح رفتار دو میل فی منٹ کی ہے! انکے چلانے سے پیشتر کئی گھنٹہ تک انتہائی احتیاط و اہتمام کے ساتھ انکے ایک ایک پُرزہ کو تیار کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد یہ چھوڑی جاتی ہین۔ ان کی سب سے سست رفتار ایک میل فی منٹ کی ہوتی ہے! اس کے بعد تیزی کے ساتھ شرح رفتار بڑھنے لگتی ہے، ابھی ۹۰ میل فی گھنٹہ تھی اب

سٹو میل ہوئی یہان تک کہ پورے ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہوگئی۔ اس حالت مین شور اس قیامت کا ہوتا ہے، کہ بات چیت کی آواز کان مین آنا ناممکن ہوجاتی ہے، مجبوراً امر دست کے اشارات سے گفتگو ہوتی ہے، چلنے مین ہوائی جہاز کی سی خرّاہٹ ہوتی ہے، اور سواریون کو یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بجائے زمین پر حرکت کرنے کے ہوا مین اُڑ رہے ہین (ایضاً)

بیرسلا (علاقۂ جرمنی) سے خبر آئی ہے، کہ ایک نوجوان شخص جو ایک لوہار کی دوکان پر کام کرتا تھا، ایک مکان کی چھت سے گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اسپتال مین لے گئے۔ ڈاکٹرون نے معائنہ کرکے یہ پایا، کہ کاسۂ سر ٹوٹ گیا ہے، اور بجز ایک کے ساری پسلیان شکستہ ہوگئی ہین، مجروح ۱½ سال تک اسپتال مین رہا، اس کے بعد ڈاکٹرون نے کاسۂ سر کے استخوان شکستہ مین دہات کی ایک پلیٹ لگا دی، اور ٹوٹی ہوئی پسلیون کے بجائے سونے اور پلاٹینم کی پسلیان لگا دین، ان اعمال جراحی کی تکمیل مین ۲½ سال کی مدت اور صرف ہوئی، اس کے بعد مجروح کو اسپتال سے خلاصی ہوئی، اور اب وہ اچھی طرح چلتا پھرتا ہے۔ البتہ سونے اور پلاٹینم جیسی بیش بہا معدنیات کے اُس کے جسم مین داخل ہونے کے باعث اسکی جان کافی پُرخطر ہوگئی ہے، اس لیے حکومت کو اس کی حفاظت کا خاص انتظام کرنا پڑا ہے، اور اس کی نگہبانی کے لیے پولیس مقرر کردی گئی ہے، جو چورون اور قزاقون کی دستبرد سے اسے محفوظ رکھے، (ایضاً)

برطانیہ کے مشہور استاد سائنس، سر آلیور لاج نے، جنھون نے حال مین اپنی اِکھترین سالگرہ منائی، اخبار ڈیلی میل کے ایک نمایندہ سے بیان کیا، کہ وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ لاسلکی سے متعلق تحقیقات مین صرف کرتے رہتے ہین، اور ایک مددگار کی اعانت سے اسی کے متعلق تجربات

واختیارات مین مصروف رہتے ہین۔ سیر آلیور نے یہ بھی کہا کہ بارش کا انحصار فضا کی کہربائیت پر ہے، مصنوعی وخارجی تدابیر سے اگر فضا مین کافی برقیت پیدا کردی جائے، تو فوراً بارش ہونے لگے۔ انھون نے یہ توقع ظاہر کی، کہ کسی زمانہ مین ایسا ہوکر رہیگا، (ایضاً)

ڈرہم روڈ، پلسٹیڈ (انگلستان) مین ایک معمّر خاتون مقیم ہین، جنھون نے ۷۔ اگست کو اپنی عمر کے ۱۰۵ سال ختم کرکے ۱۰۶ سال مین قدم رکھا۔ انکی ساری عمر دیہات مین گذری ہے، انکے قویٰ مین ابتک کوئی غیر معمولی ضعف نہین، صرف کسی قدر ثقل سماعت ہے۔ ہاضمہ اتنا اچھا ہے، کہ شب و روز مین چار مرتبہ سیر ہوکر کھانا کھاتی ہین، اور سال بھر اُدھر تک بصارت ایسی تھی، کہ کتابین پڑھ لیتی تھین، ۶۲ سال ہوے جب انکے شوہر کی وفات ہوئی، (ایضاً)

سر ولیم گیری نے اپنے پارک واقع کینٹ (انگلستان) مین ایک عجیب قسم کا باغ لگایا ہے، سڑک کے کنارے دورویہ درختون کی قطارین ہین، جو تقریباً نصف میل تک چلی گئی ہین، اور صنعت یہ رکھی ہے کہ درختون کا آغاز انگریزی ابجد کے ابتدائی حرف (اے) سے ہوتا ہے، بعد والے درخت بعد کے حروف (بی۔ سی وغیرہ) سے شروع ہوتے ہین یہان تک کہ انکا خاتمہ انگریزی کے آخری حرف (زِڈ) پر ہوتا ہے، (ایضاً)

کلکتہ کے ایک نامور مسلمان خاندان کے ایک نوجوان رُکن حسن شاہد سہروردی کو آٹھ دس سال ہوئے علیگڈھ کالج نے وظیفہ دیکر حصول تعلیم کے لیے یورپ روانہ کیا تھا۔ وہ انگلستان سے روس چلے گئے تھے، کہ جنگ چھڑ گئی، اور عرصہ تک ان کی خبر نہ معلوم ہوئی۔ اب تازہ اطلاعات سے

معلوم ہوا، کہ وہ بہ خیریت ہیں، اور اس اثنا میں اپنے مذاق کے مضامین کا برابر مطالعہ کرتے رہے ان کے مخصوص ذوق کی چیزیں، فنون لطیفہ اور خصوصاً ڈراما اور تھیٹر ہیں۔ ان مضامین میں انہوں نے کمال کے ساتھ شہرت بھی حاصل کی ہے، اور ان کی تحریریں ان عنوانات پر روس کے مشہور رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں، روسی زبان پر انہیں پوری قدرت حاصل ہوگئی ہے، اور جرمن و فرنچ زبانوں میں بھی کافی مہارت بہم پہنچالی ہے، (کاپیچین)

امریکہ کی اکاڈمی آف پولیٹکل اینڈ سوشل سائنس کے سہ ماہی رسالہ میں مالیات یورپ و مسائل زرپر بعض اہل ہند (مقیم یورپ و امریکہ) کے مضامین کو بھی جگہ ملنے لگی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ان معاملات میں بعض اہل ہند ماہرین فن کے مرتبہ پر تسلیم کرلیے گئے ہیں، (ایضاً)

پیرس کے ایک مستشرق جبریئل فرانڈ عربی سے فرنچ میں ترجمہ کرکے ایک کتاب اس عنوان سے شائع کر رہے ہیں "ایک عربی سیاح سلیمان کا سفرنامۂ چین و ہند" یہ سفرنامہ تیسری صدی ہجری کا ہے (ایضاً)

ڈاکٹر ڈوگین ڈائرکٹر شعبۂ اصوات، کتبخانۂ سرکاری برلن کے حسب فرمایش ایک ہندوستانی پروفیسر بینوے کمار سرکار کی آواز انگریزی زبان کو ادا کرتی ہوئی ایک فونوگراف میں محفوظ کی گئی ہے۔ نامور ماہر سنسکرت ڈاکٹر لوئیڈرس کی فرمایش پر انہیں صاحب کی آواز بنگالی زبان کو ادا کرتی ہوئی بھی فونوگراف میں محفوظ کی گئی ہے (ایضاً)

مستشرقین جرمنی کی کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس اب کی مرتبہ برلن میں ۴ لغایت ۶ اکتوبر

منعقد ہوگا، یہ کانفرنس، جرمن اورنٹیل سوسائٹی (لیزگ) کے زیر اہتمام منعقد ہورہی ہے، جس کی عمر ۷۵ سال کی ہوچکی ہے۔ بانیان کانفرنس ہندوستان کے شایقین علم وفن سے مالی امداد کے مستدعی ہین'

(کانیجین)

کچھ روز ہوئے کولمبس سرکل (امریکہ) مین ایک خستہ و ماندہ کبوتر زمین پر پڑا ہوا ملا۔ تفتیش سے اسکے بازو پر ایک مکتوب بندھا ہوا ملا، جس کے کاتب ایک محقق حیوانات مسٹر ایڈسنڈ ہیلر تھے، جو ایک کوہستان مین جاکر راہ بھول گئے تھے، اور وہان سے طلب امداد کے لیے اس کبوتر کو قاصد بناکر بھیجا تھا' اس مقام سے جہان یہ کبوتر ملا ہے اُس کوہستان کا فاصلہ ۱۹۰۰ میل کا ہے، یہ فاصلہ اس نے غالباً پانچ دن مین طے کیا۔ اس حساب سے اس کی شرح پرواز ۳۸۰ میل فی یوم پڑتی ہے،

انڈیانا (امریکہ) مین ڈاکٹرون کو ایک عورت مسز ہیلن وریسکوڈسکی کی بابت ایک نہایت عجیب تجربہ یہ ہوا، کہ جسوقت وہ اپنے گم شدہ فرزند کو تلاش کررہی تھی، ایک ٹرین نے آکراسے دھکا دیا، جس کے صدمہ سے وہ گر پڑی، اور دوسرے روز اسکی حرکت قلب بند ہوگئی، تاہم وہ مری نہین! ڈاکٹر اسکی نبض ڈھونڈھتے تھے، نبض کا پتہ نہ تھا تاہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا! ڈاکٹرونکا بیان ہے، کہ اس طبی خرق عادت کا باعث محض اس کی مامتا تھی، لڑکے سے اسکا تعلق خاطر اسدرجہ زبردست تھا، کہ اس نے حرکت قلب رک جانیکے باوجود بھی اکو زندہ رکھا تیسرے روز حرکت قلب از سر نو جاری ہوگئی، اور عورت تندرست ہوکر ہسپتال سے رخصت ہوئی

احمدآباد میونسپلٹی کے حدود مین اسوقت جتنے طلبہ قومی مدارس مین زیر تعلیم ہین، انکی تعداد ۴۸۰۰ ہے، اور انکے لیے ۲۷۰ اساتذہ کام کررہے ہین! اسکے مقابلہ مین سرکاری و نیم سرکاری مدارس مین طلبہ کی تعداد کل ۱۰۰۰ رہ گئی ہے اور انکے لیے ۲۵۔ اساتذہ کام کررہے ہین، گویا ہر مدرس کے حصہ مین کل سات سات لڑکے آتے ہین۔ (بمبئی کرانکل)

ادبیات

محمد علیؒ کی یادین

از مرزا احسان احمد بی اے

اے پردہ کشائے حسن عرفان | اے جلوہ دہِ ہلال احمر
صدقے تری جان نثارین کے | فطرت کا بدل دیا ہے منظر
جو رنگ ہے تیری زندگی کا | آزادی روح کا ہے مظہر
پامال ہے یون جو کفر و باطل | یہ تیرے خلوص کی ہے ٹھوکر
لرزان تری خاکساریون سے | بنیاد غرور و فتنہ و شر
ہر موج نفس مین تیری پنہان | سرمستیِ موجِ جامِ کوثر
کاشانۂ زندگی مین تیرے | قندیلِ حرم ہے جلوہ گستر
آئینۂ جان کا تیرے صیقل | خاکِ درِ ملتِ پیمبر
یہ چہرۂ تابناک تیرا | فردوس ارم کا اک گل تر
لبریزِ گداز ہے ترا دل | سرشارِ نیاز ہے ترا سر
ہے تیری نوائے حریت سے | معمور فضائے ہفت کشور
آتشکدۂ حیات تیرا | ہے سوزِ بلالؓ سے منور
ہے ذوق فنا یہ تیرے نانان | جانبازیِ کشتگانِ خیبر
دنیا کو دکھا دیا ہے تو نے | توحید کا پر جلال منظر

ہے اس میں نہاں حیاتِ مُسلم
کُل ہے یہی کائناتِ مُسلم

اے جلوہ فزاے بزمِ ہستی — اے مایۂ نازشِ زمانہ
لایا ہے ازل سے تو اسیری — تیرا ہے قفس ہی آشیانہ
تو لاکھ شکست کھائے لیکن — انداز ترا ہے فاتحانہ
سرمایۂ تقویت ہے تیرا — عدلِ عمری کا تازیانہ
ہر پیروِ دینِ احمدی سے — رشتہ ہے ترا برادرانہ
ہے مایۂ کیفِ روح تیرا — توحیدِ خلیل کا ترانہ
پھر یاد دلا دیا ہے تونے — سلمانؓ و صہیبؓ کا فسانہ
ہے تیری جبینِ آرزو کا — صحرائے حجاز آستانہ

جو جامِ شرابِ آگہی ہے
سرچشمۂ کیفِ معنوی ہے

اے لمعہ فروزِ برقِ ایمان — اے آفتِ خرمنِ ستمگر
سرمایۂ نازشِ خرد ہے — تیرا یہ جنونِ روح پرور
وہ روحِ حیاتِ جاوداں ہے — جو درد ہے تیرے دل کے اندر
ایمان کی تیرے ٹھوکروں سے — رعنائیِ کفر ہے نگوں سر
ہے ولولۂ خلوص تیرا — آغوشِ ستم کا ناز پرور
دنیا کے جلالِ ظاہری سے — ہے شان تری بلند و برتر
تو خسروِ بوریا نشین ہے — ہے ننگ تجھے کلاہ و افسر

ہمت ترے قلبِ ناتواں کی　　غیرت دہِ قیصر و سکندر
اک نعرہ ترے شکستہ دل کا　　برہم زنِ صد ہزار لشکر
محرومِ وطن ہے گرچہ لیکن　　ہر دیدۂ ترین ہے ترا گھر
ایثار ترا، تری سپر ہے　　بیکار ہے سعیِ تیغ و خنجر
کیا خوفِ عدو ہو تجھ پہ طاری　　خود رحمتِ حق ہے تیری یاور
تبلیغِ پیامِ راستی ہے　　کُل سعی و عمل کا تیرے محور

تو تشنۂ ذوق ہے اسی کا
مقصود یہی ہے زندگی کا

اے محرمِ رازہائے فطرت　　اے جلوہ شناسِ برقِ ایمن
آغوش ترے گدازِ دل کا　　ہے برقِ حیات کا نشیمن
خاموشیِ لب پہ تیری قرباں　　ہنگامۂ جوشِ آہ و شیون
ویرانیِ دل پہ تیری نازاں　　شادابیِ صد بہارِ گلشن
تیرے اعجازِ سادگی سے　　شرمندہ فسونِ حیلۂ فن
وابستۂ ذوقِ دار و زنجیر　　ہے روزِ ازل سے تیری گردن
گلہائے ریاضِ معنوی سے　　معمور ہیں تیرے جیب و دامن
اک برق سی کوندتی ہے ہر سو　　سینہ ہے ترا کہ دشتِ ایمن
ناکامیِ ظاہری پہ تیری　　فتحِ ابدی ہے سایہ افگن
مسلم کے لیے ہے ذات تیری　　امید کا اک چراغِ روشن
لبریزِ فروغِ جاودانی　　آئینۂ صبحِ زندگانی،

باب التقریظ والانتقاد

تنقید دیوان فانی

از

جناب محمد الدین صاحب تاثیر بی اے لاہور

پہلے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ مین ذاتی طور پر نہ تو صاحب دیوان کو اور نہ نقاد (مولنا عبدالسلام صاحب ندوی) کو جانتا ہون، اس بنا پر میرے خیالات جنبہ داری کے عیب سے پاک ہین،

معارف جولائی ۱۹۲۲ء مین دیوان فانی پر جو تنقید چھپی ہے، وہ یقیناً صحیح معنون مین تنقید ہے، معزز نقاد نہ تو پرانی لکیر کا فقیر ہے اور نہ تصوف و فلسفہ کی چاشنی، بدائع تراکیب یا کسی جائز جدت طرازی کا وہ اصولاً مخالف ہے اور وہ ذاتی دوستی یا عناد کے احساس سے بھی معرا نظر آتا ہے اُسنے کلام کے عیوب اور محاسن دونون بیان کردیے ہین، اُردو ادب کی تاریخ مین اس قسم کی تنقید کی مثالین بہت کم نظر آتی ہین، مجھے عموماً اس تنقید سے اتفاق ہے تاہم کہین کہین اختلاف بھی ہے، جسکا ظاہر نہ کرنا درحقیقت جرم اخفاے شہادت ہے،

تنقید کے پڑھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مولنا لکھنؤ کے مذاق اور آداب سخن کے حامی ہین اور یہی ایک مرکز مولنا کے تمام اعتراضات کا محور ہے، مثلاً فانی کہتے ہین،

لوح دل کو غم الفت کو قلم کہتے ہین
کن ہے انداز رقم حسن کے افسانے کا

اعتراض یہ ہے کہ "غم الفت کا قلم، نہ حقیقۃً صحیح ہے نہ مجازاً نہ استعارۃً"

یہ محض ذوقی بات ہے۔ شاعر غم الفت، کو وجہ تخلیق سمجھتا ہے، اور اس لیے لوح پر جو کچھ

منقوش ہے وہ خانۂ غم کی نقش آرائی ہے، دل کو لوح سے اور حرف کن کو انداز رقم سے تشبیہ دی گئی ہے تو غم الفت کو اوسکا قلم بنایا گیا جو باعث تخلیق و آفرینش ہے، غرض یہ کائنات، نقاش ازل کی تحریر ہے اور غم عشق آلۂ تحریر، یہ صوفیا کے ایک پامال خیال کی بدیع تعبیر ہے،

وحشتِ عشق ذرا سلسلہ جنبان ہونا چار زنجیر عناصر پہ ہے زندان موقوف

"عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحث طلب ہے" جسم خاکی کو زندان کہنا عام بات ہے اور اس رعایت سے عناصر کو زنجیر کہنا شاعری کی جان ہے، ممکنات عالم کے پاؤن مین عناصر اربعہ کی چار زنجیرین پڑی ہین، جس سے وہ زندان ہستی مین مقید ہے، اس لیے عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بہت مناسب ہے،

چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سُلا دیا یون نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات

"زندگی کے دن کاٹنا محاورہ ہے، زندگی کی رات کاٹنا محاورہ نہین" لیکن سوال یہ ہے کہ جس کی تمام زندگی ایک تاریک رات ہو وہ محاورہ کو کیا کرے۔ یہ بظاہر خلاف محاورہ ترکیب فانی کے (Pessimistic) یاسیہ فلسفۂ زندگی کا مظہر ہے، اسیطرح۔

ہر ایک ذرہ جو اس عالم غبار مین ہے عزیز خاطرِ فطرت ہے جانِ عبرت ہے

اعتراض ہے "عالم غبار، کے لیے فارسی زبان سے سندِ متواتر درکار ہے"، جواب یہ ہے کہ سند درکار نہین۔ "عالم غبار" کی ترکیب ایک بسیط فلسفۂ فنا کو لیے ہوئے ہے "عالم خاک" تو عموماً شعرائے قدیم نے باندھا ہے کیونکہ اون کے نزدیک انسان کی تخلیق کا جزو غالب مٹی تھی، لیکن اب جب کہ عناصر تخلیق ذرات، اجزائے فردہ اور سالمات ہین تو عالم غبار کیون نہ کہا جائے علاوہ ازین عالم خاک کہنے سے تو عالم کے وجود کا کسیقدر استحکام بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن جب شاعر اوسکو عالم غبار کہتا ہے تو اوس سے مقصود یہ ہے کہ اوسکے نزدیک عالم مین اتنا استحکام اور استواری

اور شیرازہ بندی بھی نہین جسقدر خاک مین ہے، جب نقّاد جائز جدت طرازی کا مداح ہے تو پھر اوسکو "رویائے پریشان" اور "تڑپتا ہوا جگر" کے لیے سندِ متواتر کیون درکار ہے،

اے اجل گھبرائیگا تنہائی تربت سے دل		یہ ابھی بھولا نہین ہے جوشِ وحشت کے مزے

اعتراض ہے۔ "وحشی تنہائی سے نہین گھبراتا ہے" یہ شاید نفسیات کا مسئلہ ہو، ہم نے تو تنہائی کو وحشت افزا سنا ہے اور وحشت خود ایک حالتِ اضطراب یا گھبراہٹ کا نام ہے،

کاش مین واقف نہوتا رسم و راہِ عشق سے		کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے

"توازن کے لیے سمجھو کی بجائے 'سمجھتے' ہونا چاہیے" یقیناً اگر ایسا ہوتا بہتر ہوتا، مگر وزن کی قید سے یہ عدم توازن پیدا ہوا ہے،

عشقِ صادق وہ کہ دل سے لب تک آ سکتا نہین		حسنِ یکتا وہ کسی نے جسکو دیکھا ہی نہین

"عشق صادق کا لب تک آنا بالکل بے معنی ہے"، "بالکل بے معنی" ایک فیصلہ کن حکم ہے۔ مگر آگے چلکر نقاد خود ہی کہتا ہے کہ "یہ دونون مصرعے قابلِ تاویل ہین"، ظاہر ہے کہ عشق صادق کے لب تک آنے کا مقصود اوسکے اظہار کا لب تک آنا ہے، اور قرینہ اس حذف پر دال ہے،

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جبین چپ کی داد		یہ حشر ہے یہان تو کھلے گی زبانِ داغ

"زبانِ داغ، نہ حقیقتہً صحیح ہے نہ استعارۃً" یہ مین نہین سمجھا کہ یہ استعارۃً کیون صحیح نہین، مقصود یہ ہے کہ غم عشق کے داغ خود نمایان ہو کر وجہ اظہار ہو جائینگے، اور یہی "داغ کی زبان" ہے یہ استعارہ تو بالکل کھلا ہوا ہے،

پھاڑ کر فانی گریبانِ لحد		ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

"گریبانِ لحد کا استعارہ بحث طلب ہے" یہ استعارہ بھی صاف ہے۔ لحد کی ظاہری صورت گریبان سے ملتی جلتی ہوتی ہے، اس لیے اوسکو گریبان لحد سے تعبیر کیا ہے، جس طرح انسان گریبان

منھ ڈالتا ہے، اوسی طرح مردہ بھی لباس قبر مین چھپنے کے لیے اوسمین منھ ڈالتا ہے،

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہون یہ جانتا ہون دل ادھر آیا اُدھر گیا

"دل"، کا لفظ مصرع ثانی مین واقعی زائد ہے نہوتا تو اچھا ہوتا،

صیاد یون پرون مین گرہ باندھتے ہین کیا بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

"پرون مین گرہ باندھنا صحیح نہین" اس سے اگر یہ مقصود ہے کہ پرون مین گرہ باندھنا محاورۃً صحیح نہین تو مجھے اس سے واقفیت نہین، لکھنؤ کے کبوتر باز اسکو بہتر جانتے ہونگے، اور اگر یہ مقصود ہے کہ پرون مین گرہ باندھنے سے بند بند کیونکر جکڑ گیا ؟ یہ تو صاف ہے اور اوسی کو شاعر کہنا چاہتا ہے کہ صیاد نے پرون مین اس طرح گرہ باندھی ہے یعنی اس سنگدلی اور بیدردی سے باندھی ہے کہ صرف پرون کے باندھنے سے مرغ اسیر کا بند بند جکڑ گیا ہے،

"نالہ رسا ہونا" اور "داستان آغاز کرنا" میرزا غالب کا تتبع ہے، اہل لکھنؤ کو یقیناً اسپر اعتراض ہوگا مگر اختلاف ذوق کی مجبوری ہے،

یہ تو اعتراضات سے اختلاف تھا۔ اب حضرت نقّاد کی ایک تحسین سے بھی مجھے اختلاف ہے

اب آنکھ اوٹھتی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگان کو وہ چھیڑا چاہتے ہین نوکِ نشتر سے رگِ جان کو

"ہلکی سی مژگان ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے اس کا مشبہ بہ ہر لطیف مستدحیز ہوسکتی ہے لیکن فانی نے مناسبتِ کلام سے نوک نشتر کو مشبہ بہ قرار دیا ہے" میرے خیالِ ناقص مین یہ تمام مدح سرائی" بالکل بے معنی ہے" کیونکہ "ہلکی سی" کا تعلق "جنبش" سے ہے۔ مژگان سے نہین۔ یعنی "اس مژگان کو ہلکی سی جنبش ہوئی" نہ یہ کہ "اس ہلکی سی مژگان کو جنبش ہوئی"

مطبوعات جدیدہ

منہاج المنطق، اب تو قدیم عربی علوم پر شاذ و نادر ہی کوئی کتاب اُردو مین لکھی جاتی ہے، ایسی حالت مین یہ پیش نظر رسالہ بسا غنیمت ہے، مولوی سید آقا رضا صاحب حیدر آبادی نے اس نام سے اُردو مین قدیم منطق پر یہ رسالہ سوال و جواب کے طرز مین لکھا ہے، طریقۂ ادا سلجھا ہوا، عبارت صاف اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا ہے، امید ہے کہ منطق خوان طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچیگا بڑی تقطیع کے ۵۲ صفحون پر یہ رسالہ ہے، قیمت ۸ر پتہ :- مولوی کاظم علی صاحب منتظم دفتر صدر محاسبی سرکار عالی حیدر آباد دکن،

فلسفۂ اخلاق، پنجاب کے منشی فاضل اور منشی عالم کے امتحانات مین اخلاق جلالی کے کچھ ابواب داخل ہین، قدیم فلسفۂ اخلاق مین یہ فارسی کتاب اپنے اختصار اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا کے لیے بہت مشہور ہے، ابو اللسان محمد سلیم صاحب منشی فاضل معلم ادبیات اُردو نارمل سکول امراؤتی (برار) نے داخل ابواب کا اُردو مین ترجمہ اور تحشیہ کیا ہے، مطالب کو اپنے طریق پر جدید انداز مین ادا کیا ہے، یعنی ترجمہ مین کتاب کی لفظی پابندی نہین کی ہے، جا بجا اپنی طرف سے حواشی چڑھائے ہین، ہر باب کے آخر مین طلبہ کے لیے سوالات لکھے ہین، یہ کتاب گو خاص مقصد سے لکھی گئی ہے لیکن ہمارے نزدیک عام اُردو دان اصحاب بھی جن کو قدیم فلسفۂ اخلاق کے متعلق کچھ جاننے کا شوق ہو اس سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہین، قیمت عہ، مترجم سے نشان بالا پر ملے گی،

ہندوستانی، ہندوستانی زبان، جیسا کہ انگریز اُردو کو کہتے ہین، اوس کے قواعد و زباندانی پر انگریزی اُردو مین انگریزون کے اُردو سیکھنے کے لیے جناب منشی محمد اکبر خان صاحب حیدری نے یہ کتاب

تالیف کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزون مین یہ تالیف بیحد مقبول ہوئی ہے کیونکہ اسوقت پیش نظر
نسخہ طبع پنجم ہے، منشی صاحب نے پہلے حروف ابجد بنائے ہین، پھر اُردو تلفظ بنایا ہے، پھر ریڈرون کے
طریق پر کچھ الفاظ اوپر لکھ کر نیچے اونھین الفاظ سے فقرے بنائے ہین، اور انگریزی سے اُردو اور اُردو
سے انگریزی کرنا سکھایا ہے، ساتھ ساتھ قواعد کی مشقی تعلیم بھی کی ہے، آخر مین کام کے ضروری اُردو
لغات مع انگریزی ترجمہ کے لکھدیے ہین، کتاب ٹائپ مین عمدہ چھپی ہے، اور مجلد ہے صفحات ۱۹۴،
قیمت ۵ھ، اور مع ضمیمہ ۱۲، پتہ: حیدری اورنٹیل بک ڈپو، اکبر منزل، دہلی،

ثالث بالخیر۔ یہ فسانہ ترکی سے جناب سید سجاد حیدر صاحب بی اے (یلدرم) کے قلم سے اُردو مین
منتقل ہوا ہے، یہ کتاب بہت پہلے شائع ہوچکی تھی اب اس کا طبع دوم دار الاشاعہ پنجاب لاہور نے
شائع کیا ہے، ترکی افسانون کو سید صاحب جس حسن وخوبی سے اُردو کا لباس پہناتے ہین وہ مستغنی
عن البیان ہے، ۸۰ صفحون کے ایک چھوٹے سے افسانہ مین اس ترکی ادیب (احمد حکمت) نے ترکون کی
خانگی معاشرت کا نہایت لطیف و پر اثر منظر دکھایا ہے، قیمت ۸ر پتہ: دار الاشاعۃ پنجاب، لاہور،

آئینۂ حرم، جناب زاہدہ خاتون شروانیہ مرحومہ بنت نواب مزمل اللہ خان صاحب بالقابہ جو اکثر
اپنا نام ز، خ، ش لکھا کرتی تھین، ہماری تعلیم یافتہ حلقۂ خواتین مین علمی وادبی حیثیت سے بہت
بلند پایہ تھین، افسوس کہ مرحومہ نے چند مہینے ہوئے کہ کم عمری مین وفات پائی، اونکی اُردو نظمین
نہایت پاکیزہ اور پر اثر ہوتی تھین اور عورتون کی اکثر نظمون کے برخلاف اغلاط اور عیوب سے
پاک ہوتی تھین، اونکی فارسی لیاقت معمولی سے بہت زیادہ تھی زنانہ رسائل مین اکثر اور مردانہ
رسالون مین گاہ گاہ اونکے نتائج افکار شائع ہوا کرتے تھے، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب ہر سال
امیر خسرو کی یادگار مین ایک تحریری مشاعرہ کرتے ہین، اور غزلون کے انتخاب کے لیے ایک
کمیٹی بناتے ہین، پچھلے سال کے مشاعرہ مین اونھون نے میرا نام بھی کمیٹی کے ممبرون مین رکھا تھا،

جہان تک یاد آتا ہے، میرے انتخاب مین خاتون مرحومہ کا دوسرا نمبر تھا، اوسوقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ مجسمۂ علم وعفاف اسقدر جلد مٹ جائیگا، بہرحال اب اونکی زندگی کی یادگار اونکے بھی نتائج افکار ہین، دارالاشاعۃ پنجاب نے انہین کا مجموعہ آئینۂ حرم کے نام سے چھاپا ہے، قیمت ۱۰/ پتہ۔ دارالاشاعۃ پنجاب، لاہور،

ذکر خواجہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حالات اور اون کی موجودہ خانقاہ وروضہ کے احوال مین جناب مقبول احمد صاحب نظامی نے یہ چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے، اور اچھا لکھا ہے، واقعات مستند تاریخی کتابون اور تذکرون سے جمع کیے ہین، قیمت ۸/ پتہ۔ مولوی مقبول احمد صاحب نظامی، سیوہارہ ضلع بجنور،

ٹرکی مین عیسائیون کی حالت، یہ رسالہ ترکی انجمن تبلیغ نے یورپ مین شائع کیا تھا، مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اور دارالاشاعۃ سیاسیات مشرقیہ دہلی نے اسکو شائع کیا ہے، رسالہ مستند حوالون سے لکھا گیا ہے اور نہایت پرمعلومات ہے، آخر مین ترکی شہرون کی قومی مردم شماری درج ہے، قیمت ۵/، پتہ۔ دارالاشاعۃ سیاسیات مشرقیہ، دہلی،

عدد چہارم	ماہ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء	مجلد دہم

مضامین

شذرات

ماہ گذشتہ کا سب سے بڑا علمی حادثہ جناب مولنا رشید احمد صاحب سالم انصاری کی وفات ہی، مرحوم نے تقریباً بیس پچیس برس مسلسل ہماری زبان کی خدمت کی عربی وفارسی کے وہ لایق ادیب تھے، انکا علمی شوق وذوق فطری تھا، انکی زندگی کا اکثر حصہ مطالعہ اور کتب بینی مین صرف ہوتا تھا، قلمی کتابونکی تلاش اور جستجو مین انھون نے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا تھا، آخر مین ذیحجہ ۱۳۴۰ھ مین جب علی گڈھ مین خاکسار اون سے ملنے گیا تو ان کو بستر مرض پر پایا، اور یہی انکا مرض الموت تھا، اس عالم مین بھی جتنی دیر ان کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا وہ علمی تذکرے کرتے رہے اور جہانگیرنامہ کے ایک نایاب قلمی نسخہ کو بڑی محنت سے ترتیب دیا تھا اسکی اشاعت کا تذکرہ کرتے رہے، اردو مترجمات مین، المدنیۃ والاسلام، النصرانیۃ والاسلام، کتاب التوحید وغیرہ مفید تالیفات یادگار چھوڑی ہین، ترک موالات کے سلسلہ مین، مرحوم علی گڈھ کالج چھوڑکر جامعہ ملیہ مین چلے آئے تھے، اور یہین سے رخصت ہوگئے خدا مغفرت ارزانی فرمائے،

ادبیات مشرقی خصوصاً فن تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حلقون مین یہ خبر یقیناً نہایت مسرت سے سنی جائیگی، کہ پروفیسر نکلسن عنقریب مولانا رومی رح کی مثنوی کا، غایت اہتمام کے ساتھ ایک اعلیٰ ایڈیشن شایع کرنے والے ہین۔ کام جس وسیع پیمانہ پر انجام پا رہا ہی اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہی کہ تین جلدون مین متن مثنوی ہوگا، اور تین جلدون مین اس کا انگریزی ترجمہ۔ دو جلدین شرح مثنوی کے لئے وقف ہونگی، ایک جلد فرہنگ الفاظ، فہرست مطالب، ضمیمہ جات وغیرہ کے لئے مخصوص ہوگی، اور ایک

جلد مین مولانا کے ذاتی حالات، ان کی تعلیمات کا تذکرہ اور ان کے کلام پر تبصرہ ہوگا۔ ہر جلد کم از کم پانچ پانچ سو صفحہ کی ہوگی، اس حساب سے پورے سلسلہ کی ضخامت پانچ ہزار صفحون سے کسی حالت مین کم نہ ہوگی۔

جن احباب کو خود کبھی کسی معمولی اور چھوٹی کتاب کی تہذیب (ایڈیٹ کرنے) کا اتفاق ہوا ہے، وہ سمجھ سکتے ہین، کہ مثنوی معنوی جیسی اہم و ضخیم کتاب کا ایڈیٹ کرنا کس قدر دیدہ ریزی اور کتنی بڑی ہمت کا کام ہے، باقی "سبکساران ساحل"، تو

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنین ھایل

کا مفہوم سمجھنے سے بھی اگر قاصر ہین، تو انھین معذور رکھنا چاہئے۔ پروفیسر نکلسن دو برس سے مسلسل اسی کام مین منہمک ہین، اور ابھی کئی سال تکمیل کار مین لگینگے، تاہم جلد اول کا مسودہ توقع ہے، کہ سال آیندہ مطبع مین پہنچ جائے۔

نکلسن کا شمار اسوقت یورپ کے مشاہیر مستشرقین مین ہے۔ زبانون مین عربی و فارسی، اور فنون مین تصوف کے ساتھ انھین خاص لگاؤ ہے۔ اس سے بیشتر کتاب اللمع (ابونصر سراج) اور تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) کو جملہ لوازم تہذیب کے ساتھ شائع کر چکے ہین، کشف المحجوب (شیخ علی ہجویریؒ) کے مترجم ہین، مشاہیر صوفیۂ اسلام، و تصوف اسلامی کے زیر عنوان انگریزی تصانیف کے مصنف ہین، مولنا رومیؒ کے دیوان غزلیات کا (جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے) انتخاب مع ترجمہ و تبصرہ کے شایع کر چکے ہین۔ مولنا کے کلام سے انھین خاص شغف ہے، ان کے قلم کے سایہ مین جو کتاب نکلیگی، اس کی ایک ایک سطر تشنہ کام ارباب ذوق کے لئے آب حیات کا جام ہوگی۔

ڈیلی میل کا نامہ نگار برلن سے اطلاع دیتا ہی کہ جرمنی مین ایک جدید ٹیکس پرخوری پر قائم ہوا ہی، اس کی شکل یہ ہی کہ جو لوگ ایک مقدار معین سے زاید، ماکولات و مشروبات کا مطالبہ کرینگے، ان سے دکانون ہوٹلون، بازارون، چائے خانون، شراب خانون مین غرض ہر مقام پر بہ حکم سرکار، عام شرح سے ڈیوڑھی بلکہ دوگنی قیمت لیا جایا کریگی، تاکہ یہ اپنا کھانا پینا کم کرین، اور نادار رعایا تک ذخیرۂ غذا کے پہنچنے مین حائل نہ ہون ٹیکس کی معقولیت مین کسکو کلام ہو سکتا ہی لیکن بہتر ہوتا، کہ جوع البقر کے بجائے جوع الارض کو قابل مواخذہ و موجب تعزیر قرار دیا جاتا۔ جرمنی کو تو اس مرض کا شاید ایک ہی مرتبہ شدید دورہ پڑا تھا، لیکن بعض معاصر اقوام کا یہ مرض، سنا ہی کہ مزمن ہو چکا ہے۔

پرخوری و خوش خوری یورپ کو ہمیشہ عزیز رہی ہے نماز پنجگانہ کی طرح طعام پنج وقتہ اس کی شریعت تمدن مین مخصوص ہو چکا ہی، ڈاکٹرون نے بھوکے رہنے کے نقصانات اور پوری غذا کھانے کے فوائد اپنی تحقیقات عالیہ کا ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا ہی، اس کے ایک نامور فلسفی (ہربرٹ اسپنسر) نے صاف کہدیا ہی، کہ بچون کے حق مین اگر کم خوری و پرخوری کے درمیان حق انتخاب دیا جائے، تو آخر الذکر یقیناً قابل ترجیح ہے، ایسی فضا مین تقلیل غذا کی آواز اگر ہیں نامانوس سمجھی جائے، بجا ہے لیکن اس عالم کے علاوہ ایک دوسرا عالم بھی ہے، جہان دن بھر بھوکا پیاسا رہنا سال مین ایک مہینہ کیلئے فرض رکھا گیا ہے، اور جہان روزہ کو گناہون سے بچنے اور دل مین ایمان و تقوی پیدا کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہی (لعلکم تتقون)۔ اس مملکت کے سب سے بڑے سر برآرا کا معمول تھا کہ رمضان کے علاوہ بھی بہ کثرت روزہ رکھتے۔ بلکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ متصل کئی کئی دن تک افطار نہ فرماتے۔ اور اس کے بعض رفقاء و خدام ایسے ہوئے ہین جنھون نے ساری عمر روزہ رکھکر کاٹ دی۔ سچ کہا ہے اسی نامور آقا کے ایک نامور خادم نے، فضائل گرسنگی مین ؎

رنج جوع از رنجها پاکیزه تر ؛ خاصه در جوع ست صد نفع و ہنر

جوع خود سلطان دار و ہاست ہین ؛ جوع در جان نہ چنین خوارش مبین

جوع مر خاصان حق را دادن اند ؛ تا شوند از جوع شیر زورمند

جوع ہر جلف گدا را کے دہند ؛ چون علف کم نیست پیش او نہند

برٹش اینڈ فارن بایبل سوسائٹی، انگریز مسیحیون کی ایک مشہور تبلیغی انجمن ہے جس کے کارکن پرجوش مبلغین مسیحیت ہین۔ اس کی آخری سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ سوسائٹی کی شاخین بیت المقدس اور قسطنطنیہ مین، دوران جنگ مین بھی کھلی رہین، اور تبلیغ و اشاعت کا کام بدستور کرتی رہین۔ یہ طرز عمل اس حکومت ٹرکی کا تھا جس کے ظلم، تعصب، ناروا داری، و تنگ خیالی کی حکایات یورپ مین گھر گھر پھیلی ہوئی ہین، اور مورخین انگلستان کے طفیل مین، ہندوستان مین بھی ایک بڑی حد تک پھیل چکی ہین۔ اس کے مقابلہ مین متمدن مسیحی اقوام باہم دگر جس فیضی، رواداری، و کشادہ دلی کا برتاؤ کرتی ہین، اس کا کچھ چشمدید تجربہ تو ہندوستان کو بھی ہو چکا ہے۔ یاد ہوگا، کہ آج سے چند سال قبل ہندوستان مین جرمنون کی متعدد مشنری سوسائٹیان قائم تھین، آغاز جنگ ہوتے ہی انھین کی ہم مذہب و ہم تمدن، حریت دوست و جمہوریت نواز، حکومت برطانیہ نے پہلا کام یہ کیا، کہ ان تبلیغی انجمنون کو منزل فنا تک پہنچایا، اور ان کے کارکنون مین سے ایک ایک کو اسیر کر کے کسی کو خارج البلد کیا، اور کسی کو قید فرنگ مین ڈالدیا۔ جس قوم کا اپنون کے ساتھ یہ برتاؤ ہو، بیگانون کو اس سے جس قسم کی توقعات رکھنا چاہیے، اُسکا اظہار لاحاصل ہے۔ ع

جسکی بہار یہ ہے، پھر اس کی خزان نہ پوچھ!

کہا جاتا ہے، کہ دنیا کشت وخون کے مناظر سے تنگ آگئی ہے، اور عقلائے فرنگ اس کوشش مین لگے ہوئے ہین، کہ ہمیشہ کے لئے جنگ کا سدباب کردین، چنانچہ مجلس اقوام کا زبردست نظام مع اپنے غیر محدود مصارف اور لاتعداد عملہ کے اسی غرض سے قائم ہے، بیشمار مضامین ورسایل ضرورت صلح وفوائد آشتی پر شایع ہوچکے ہین، اور بے حساب تقریرین تدابیر امن عالم پرارشاد ہوچکی ہین، یہ سب کچھ "قال" تھا، "حال" جو کچھ ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے، کہ دنیا کی تمام "دول عظمی" غایت عجلت وبے صبری کے ساتھ اپنی بحری طاقتون کی ترقی واضافہ کی فکر مین منہمک ہین، چنانچہ موجودہ جہازون کے وزن کی تعداد، بہ مقابلہ قبل جنگ کے، بہ قدر ۲۸۰۰۰۰ و۴ ٹن کے زاید ہے، سب سے بڑی بحری طاقت اب تک برطانیہ ہی کے پاس چلی آتی ہے، جو ۱۹۰۵۲۰۰۰ ٹن کے وزن کے جہازات کی مالک ہے، اسکے بعد امریکہ ہے جس کے جہازات کا مجموعی وزن ۱۲۵۰۶۰۰۰ ٹن ہے، اس سے اتر کر جاپان ہے،

صرف ایک سال کے اندر ہر حکومت نے اپنی بحری طاقت مین جس قدر اضافہ کیا ہے اسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

جرمنی	۱۱۳۰۰۰ ٹن	فرانس	۲۲۹۰۰۰ ٹن
ہالینڈ	۴۰۹۰۰۰ "	جاپان	۲۳۲۰۰۰ "
برطانیہ	۲۵۸۰۰۰ "	اٹلی	۲۳۱۰۰۰ "

تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس اُدھر بھی ایک جماعت تھی، جس کی زبان پر صلح وسازگاری، صدق خلوص، سکون وامن کے دعوے رہتے تھے، مگر قلب نفاق وشقاق، کذب وریا، فتنہ وفساد کے جذبات سے پیچ وتاب کھاتا رہتا تھا۔ واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون (بقرہ ۲) اس جماعت کا جو انجام ہوا، دیدۂ بصیرت کیلئے آج کے عبرت کدہ مرکز علوم وفنون، ومرجع تہذیب واخلاق، انگلستان مین ناجائز ولادتون کی کثرت تعداد اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ پارلیمنٹ کے سامنے مسٹر شارٹ (ہوم سکریٹری) کو ایک مسودہ قانون اس مضمون کا پیش کرنا پڑا ہی کہ

"ناجائز اولاد کے والدین اگر بعد ولادت آپس مین شادی کرلین تو وہ اولاد قانوناً جائز اولاد کے حکم مین رکھہ دی جائیگی"

تاکہ ترکہ، وراثت، وغیرہ کے مخصمون سے کسی طرح امن حاصل ہو، نیز یہ کہ

"اس قانون کے نفاذ سے قبل جو ناجائز اولادین ہو چکی ہین، ان کے والدین بھی اگر چاہین تو اس قانون سے اب نکاح کرکے فائدہ اٹھا سکتے ہین"

یہ وہی انگلستان ہے جس کے مشاہیر ارباب قلم نے سلاطین اسلام، اکابر اسلام، بلکہ خود شارع اسلام صلعم کی ذات مبارک تک کو (نعوذ باللہ) شہوت پرستی کے الزام سے بری نہین رکھا تھا، گیا اس کی برقی روشنی کی جگمگاہٹ محض اس غرض سے تھی، کہ دیکھنے والون کی آنکھین خیرہ ہوتی ہین، اور اس کی سیہ کاریون پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے؟ کل تک "مشرقی حرم" سے متعلق افسانہ نگاری و داستان طرازی کا حق حریفون نے ادا کیا، آج "مغربی حرم" کی رسوائیون کا پردہ، واقعیت کا زبردست ہاتھ، خود گھر والون کے ہاتھ سے چاک کر رہا ہے،

تیری رسوائی کے خون شہدا در پے ہی   دامن یار خدا ڈہانپ لے پردہ تیرا

یہ دین کا نمونہ تھا۔ اب دنیا کا رنگ ملاحظہ ہو۔ مرض سرطان جیسا موذی و مہلک مرض ہی، سب پر روشن ہی، انگلستان مین ہر سال ۴۰ ہزار نفوس سے زاید اس کے شکار ہوتے ہین، اور امریکہ مین ۸۰ ہزار سے کچھ اوپر۔ سنہ ۱۹۱۲ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک پانچ برس کی مدت مین، دنیا کے مختلف حصون مین اس کے کشتون کا بہ لحاظ آبادی جو اوسط پڑا، اس کے اعداد حسب ذیل ہین:۔

براعظم	تعداد اموات	اوسط فی لاکھ آبادی	براعظم	تعداد اموات	اوسط فی لاکھ آبادی
۱۔ افریقہ	۳۰۱۸	٫۳۳	۲۔ ایشیا	۱۴۸۴۷۷	۵۴٫۴
۳۔ امریکہ	۲۵۱۴۳۸	۶۵٫۷	۴۔ اسٹریلیا (مع جزائر بحر)	۲۳۳۵	۷۳٫۰

۵	یورپ	۱۰۹۹۷۱۶	۱۶٫۷ ء

یہ اعداد کسی مخالف کے جمع کئے ہوئے نہین، بلکہ سر ولیم ونیو نے جو انگلستان مین اس مرض کے مشہور ماہر تسلیم کئے جاتے ہین، انھون نے پوری تحقیق کے بعد انھین ٹائمس مین شایع کرایا ہی، اس لئے ان مین شک واشتباہ کی گنجائش نہین۔

اعداد بالا مین دیکھا ہوگا، کہ جو براعظم مرتبہ تمدن مین سب سے پست ہی، اس مین تعداد اموات بھی سب سے قلیل ہی، اور جس براعظم کی سطح تمدن جتنی زیادہ بلند ہی، اسی تناسب سے اس مین تعداد اموات بھی زائد ہی، یہانتک کہ فلک تمدن، یورپ، مین یہ تعداد، سائنس اور ڈاکٹری کی انتہائی ترقیون کے باوجود، سب سے بڑھی ہوئی ہے، ایسی حالت مین اگر سر ولیم کا ذہن اس مہلک مرض اور تمدن کے علاقۂ تلازم کی جانب منتقل ہو، تو بالکل بجا ہوگا، لیکن تنہا یہی ایک دلیل نہین، بلکہ اعداد کی زبان اسکی بھی شہادت بہم پہنچاتی ہی، کہ امریکہ کے جو مقامات نفاست وتہذیب مین سب سے ممتاز ہین، وہان تعداد اموات کا اوسط ۸۲٫۶ فی لاکھ تک ہے، اور جو شہر ابھی تمدن کی ابتدائی منازل مین ہین، وہان یہ اوسط گھٹ کر ۳۲٫۸ فی لاکھ تک رہ جاتا ہی، اس سے بھی واضح تر مثال جاپان کی ہی، چند سال ادھر جاپان مین اس مرض کا نام تک نہ تھا، لیکن جس تیزی کے ساتھ جاپان نے تہذیب وتمدن کے اختیار کرنے مین اپنی مستعدی کا ثبوت دیا ہے، اسی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یہ مرض بھی ترقی کرتا رہا ہے، تاآنکہ اب یہان بھی، انگلستان کی طرح، شرح اموات ۹۲ بلکہ ۹۴ فی لاکھ تک پہنچ گئی ہے! ان حالات واعداد کی بنا پر، اگر ذہن تمدن وہلاکت کے درمیان علت ومعلول کا علاقہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے، تو اس کی ذمہ داری خود منطقیین یورپ ہی کے مرتب کردہ قوانین استقرار پر آتی ہے۔

مشرق کو مشغول رکھنے کے لئے تو حسن عاقبت کی فکر کافی ہے، البتہ جو لوگ حسن عافیت کی تلاش مین سرگردان رہتے ہین، کاش انھین ان حقائق پر غور کرنے کی توفیق نصیب ہو!

مقالات

تاریخ تصوف کے چند اوراق

از جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے

متاخرین صوفیہ کے حالات و مقالات سے ملک خاصی حد تک روشناس ہے۔ لیکن متقدمین کے بیشتر احوال واقوال اب تک پردۂ خفا مین ہین۔ اسکا باعث یہ ہے، کہ قدما کی تصانیف کا بڑا ذخیرہ اس وقت تک نایاب ہو چکا ہے۔ اور چند کتابین جو باقی ہین، وہ مخصوص کتبخانون کی ان الماریو مین محفوظ ہین، جو عام شائقین کے دسترس سے باہر ہین۔ فضلاء یورپ کی کوششین اس باب مین موجب صد تشکر و تحسین ہین، کہ وہ ان جواہرات کو تودۂ گمنامی و بے نشانی کے اندر سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتی اور حسن ترتیب و تہذیب کے جملہ لوازم (اضافۂ فہرست، فرہنگ، مقدمہ، اختلافات نسخ و التزام صحت و حسن طباعت وغیرہ) سے آراستہ کرکے انھین دنیا کی مشتاق نگاہون کے سامنے پیش کرتی رہتی ہین۔ مصر، شام، اور خود ہندوستان بھی اس فرض سے یکسر غافل نہین، تاہم جس عظیم الشان پیمانہ پر، اور جس اعلی اہتمام کے ساتھ یورپ یہ خدمت انجام دے رہا ہے، اس سے یہان کے کام کو کوئی نسبت نہین۔ اس وسیع دفتر کے چند ورق اگر کبھی کبھی اردو مین منتقل ہوتے رہین، تو ممکن ہے کہ ہماری ملکی زبان مین تاریخ تصوف کے آئندہ مؤرخ کو فراہمی مواد و تلاش ماخذ مین کسی قدر سہولت ہو۔ ضمناً یہ بھی نظر آجائیگا کہ قدماء صوفیہ کا جادۂ سلوک و معرفت، شریعت اسلام و سنت نبوی کے قدم بہ قدم تھا، اور

رفتہ رفتہ جن بدعات کو شعائرِ تصوف سمجھ لیا گیا ہے، ان سے قدیم اکابر طریقت کا دامن بالکل پاک تھا۔

اس سلسلہ کی پہلی قسط مین ناظرین سے کتاب اللمع کو روشناس کرایا جاتا ہے، جو عربی زبان مین تصوف کے موجود و معلوم، مستند ذخیرہ مین شاید سب سے قدیم کتاب ہے۔ مصنف کا نام شیخ ابو نصر سراج ہے، جنکا سال وفات اغلباً ۳۷۸ھ ہے۔ یہ علم نہین، کہ وفات کے کتنے سال قبل یہ کتاب تحریر کی۔ تصنیف کے حالات دریافت کرنے سے قبل مصنف کی شخصیت سے نیاز حاصل کر لینا بہتر ہوگا۔

(۱) مصنف۔

پورا نام، عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابو نصر سراج تھا۔ وطن طوس تھا۔ مرقد بھی یہین ہے[۱]۔ لقب "طاؤس الفقرار" تھا[۲]۔ آبا و اجداد زہد مین شہرت رکھتے تھے، خود سراج علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔

ذہبی، اپنی تاریخ الاسلام مین علامہ ابو عبدالرحمن سلمی کی تاریخ الصوفیہ کی سند سے لکھتے ہین:-

"قال السلمی کان ابو نصر من اولاد الزھاد وکان المنظور الیہ فی ناحیتہ فی الفتوۃ ولسان القوم مع الاستظھار بعلم الشریعۃ[۳]"

ان کے اساتذہ مین جعفر الخلدی، ابوبکر محمد بن داؤد الدقی، و احمد بن محمد سالمی، کے نام قابل ذکر ہین۔ بیعت ابو محمد مرتعش سے تھی[۴]۔ مولانا جامی وغیرہ متعدد تذکرہ نویسون نے سری سقطی و سہل تستری سے ملاقات کا ہونا بیان کیا ہے، لیکن پروفیسر نکلسن کی تحقیق مین یہ روایت قطعاً غلط ہے[۵]۔ تصوف پر متعدد کتابین تصنیف کین[۶]، لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی موجود نہین، بلکہ ان کے نام تک بھی مٹ گئے ہین۔

تصوف مین جو بلند مرتبہ رکھتے تھے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

---

[۱] نفحات الانس، جامی، ص ۲۱۹۔ (مطبوعہ کلکتہ) [۲] ایضاً۔ [۳] یہ پوری عبارت پروفیسر نکلسن کے مقدمہ کتاب اللمع سے منقول ہے۔ [۴] نفحات، جامی، نکلسن کے نزدیک یہ روایت مشتبہ ہے۔ [۵] مقدمہ کتاب اللمع۔ [۶] نفحات جامی، و سفینۃ الاولیا۔ دارا شکوہ ص ۱۵۷ (نولکشور)

جیسے مسلّم استاد صوفیہ، انکا تذکرہ ان الفاظ مین کرتے مین[1]:-

"آن عالم عارف، آن حاکم خائف، آن امین زمرۂ کبرا، آن نگین حلقۂ فقرا، آن زبدۂ اشیاخ شیخ وقت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، امامے برحق بود و یگانۂ مطلق و متعین و متمکن، و او را طاؤس الفقرا گفتندے وصفت و نعت او نہ چندان ست کہ در قلم و بیان آید و یا در عبارت و زبان گنجد۔ و در فنون علم کامل بود، و در ریاضت و معاملات شانے عظیم داشت و در حال و قال و شرح دادن بکلمات مشائخ آیتے بود"

اسی قسم کے الفاظ مختصراً مولانا جامی وغیرہ نے بھی استعمال کئے ہین۔

ان کے چند ارشادات جو تذکرون مین محفوظ رہ گئے ہین، ان سے بھی اہل ذوق ان کے تبحّر کمال کا اندازہ کر سکتے ہین۔

فرماتے تھے عشق اُس آگ کا نام ہی، جو عاشقون کے دل و سینہ مین جلتی رہتی ہے، اور خدا کے سوا جو کچھ ہے، اُسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے[2]۔

یہ بھی ارشاد تھا کہ بہ لحاظ ادب انسانون کے تین طبقہ ہین۔ ایک طبقہ اہل دنیا کا ہے، کہ اُن کے نزدیک ادب نام ہے فصاحت، بلاغت، و حفظ علوم و فنون و اسمار ملاک و اشعار عرب کا۔ دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے، جس کے نزدیک ادب سے مراد عبادات جوارح و حفظ حدود و ترک شہوات و ریاضت نفس ہے۔ تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے، اس کے ہان ادب سے مفہوم طہارت دل، مراعات سرّ و فا رعہد نگہداری وقت، نیکو کرداری، وقت حضور، و مقام قرب ہی[3]،

ایک تیسرے، الفاظ کی نزاکت اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہوسکیگی۔ اسے اصل فارسی مین سننا چاہئے

---

[1] تذکرۃ الاولیا، عطار، جلد ۲۔ ص ۱۸۲۔ (مطبوعۂ یورپ) [2] ص ۱۸۳ ایضاً، جلد ۲، ص ۱۸۳، [3] ایضاً جلد ۲ ص ۱۸۳

درنیت بخدا است واز خدا است وبرائے خدا است۔ وآفاتے کہ در نماز افتد از نیت اُفتد واگرچہ بسیار بود وآن را موازنہ نتوان کرد یا نیتے کہ خدا را بود وبخدائے بود[1]"

ایک بار ماہ رمضان مین بغداد مین وارد ہوئے اور مسجد شونیزیہ کے ایک حجرہ مین معتکف ہوگئے، تمام درویشون نے اپنا امام بنایا۔ تراویح مین پانچ بار قرآن مجید ختم کیا۔ روز شام کو خادم ایک روٹی حجرہ مین پہنچا آتا تھا عید کے روز نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہوگئے۔ خادم نے حجرہ مین جا کر دیکھا تو پوری روٹیان جون کی تون رکھی ہوئی پائین[2]۔

ایک مرتبہ سردی کے موسم مین شب کے وقت آتش دان کے قریب تشریف فرما تھے، چند اور اہل دل حضرات بھی تھے۔ معرفت الٰہی پر گفتگو ہوئی۔ دفعۃً شیخ پر زور کی کیفیت طاری ہوئی، اور جوش مین آکر دہکتی ہوئی آگ مین سجدہ مین گر پڑے۔ مرید یہ فرط جوش دیکھکر خوف زدہ ہو کر بھاگ آئے، دوسرے روز آئے، تو دیکھا کہ شیخ کے چہرہ پر جلنے کا خفیف داغ تک نہین، بلکہ چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ عرض کیا کہ حضور والا، یہ کیا ماجرا ہے، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ سارا چہرہ جل گیا ہوگا، ارشاد ہوا، کہ جس نے درگاہ الٰہی پر اپنی آبرو دیدی، اس کے چہرہ کو آگ نہین جلا سکتی[3]۔

وفات سے قبل فرمایا، کہ جس میت کو میرے مزار کے سامنے سے لیکر نکلینگے، اس کی مغفرت ہو جائیگی۔ چنانچہ طوس مین اب تک یہ دستور چلا آتا ہے، کہ ہر جنازہ کو مشیتر آپ کے مزار پر ضرور لے آتے ہین[4]۔

(۲) تصنیف

اس سے آٹھ سال قبل دنیا کتاب اللمع کے صرف نام سے آشنا تھی، ۱۹۱۰ء مین انگلستان کے

---

[1] تذکرۃ الاولیاء جلد ۲، ص۱۵۳، [2] ایضاً ونیز کشف المحجوب، داتا گنج بخش لاہوری، ص ۲۴۷ (مطبوعہ لاہور) [3] تذکرۃ الاولیاء، نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء [4] ایضاً۔

نامور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے جو کیمبرج یونیورسٹی مین عربی زبان کے پروفیسر اور کتب تصوف سے ذوقی نہین بلکہ شغف رکھتے ہین، اس کے دو قلمی نسخہ دریافت کئے۔ ایک نسخہ ایک انگریز مسٹر ایلز کے پاس نکلا، اور دوسرا انگلستان کے مشہور و معروف کتبخانہ برٹش میوزیم کو کہین سے ہاتھ لگ گیا۔ پہلا نسخہ، ۱۹۰ ورق کی ضخامت رکھتا ہے، اور صاف و خوشنما خط مین احمد بن محمد الظاہری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ختم کتابت کی تاریخ ۱ ربیع الثانی ۸۶۴ھ (مطابق ۲۶ جون ۱۴۶۰ء) درج ہے۔ جس نسخہ سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے، اسکی تاریخ اس نسخہ پر، شعبان ۸۰۶ھ (مطابق ۱۵ اپریل ۱۴۰۱ء) درج ہے۔ مختلف اشخاص کے حواشی بھی اس نسخہ پر موجود ہین۔ یہ نسخہ کسی قدر کرم خوردہ ہے۔ جس سے جابجا حواشی اُڑ گئے ہین۔ البتہ ایک جگہ مسلسل دس پندرہ ورق غائب ہو گئے ہین جن کے باعث مسلم پانچ ابواب، اور چھٹے باب کے ابتدائی جزو سے دنیا محروم ہو گئی ہے۔ دوسرا نسخہ (مملوکہ برٹش میوزیم) بہت بدخط کرم خوردہ ناقص ہے۔ تاہم اسکا زمانہ کتابت، بہ مقابلہ نسخہ اوّل کے، زمانۂ مصنف سے قریب تر ہے۔ اس پر زمانۂ کتابت جمادی الثانی ۸۴۳ھ (مطابق اگست دسمبر ۱۴۳۲ء) درج ہے۔

پانچ برس کی جانفشانی و دیدہ ریزی کے بعد پروفیسر نکلسن نے ان دونون نسخون کے مقابلہ کے بعد اصل کتاب کو غایت صحت و اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۴ء مین شایع کر دیا۔ اور اس پر اشیاء ذیل کا اضافہ کیا:۔

(۱) شروع مین نہایت مفصل فہرست مضامین دی۔

(۲) آخر مین نہایت مبسوط فہرست رجال، و نساء، و اماکن و قبائل، و کتب وغیرہ مندرجہ و مذکورہ متن شامل کی۔

(۳) فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) بہت کثرت سے دئے۔ دونون نسخون مین جو اختلاف پائے جاتے ہین، ان مین ہر جزئی اختلاف کو بھی ان حواشی مین درج کر دیا ہے۔

(۳) ساری کتاب کا ملخص ترجمہ انگریزی مین کرکے شامل کیا۔

(۴) مصنف نے جو غریب نامانوس الفاظ استعمال کئے ہین، ان کی مفصل فرہنگ دی ہے، اور انگریزی مین ان کے معانی کو حل کیا ہے۔

(۵) فہرست مضامین انگریزی مین ہی دی ہے۔

(۶) جن اسمار و اعلام سے متعلق کوئی اہم بحث کتاب اور اس کے انگریزی خلاصہ مین موجود ہے، انکی بھی مفصل فہرست انگریزی مین شامل کی ہے۔

(۷) انگریزی مقدمہ مین مصنّف تصنیف، اور موضوع تصنیف کو روشناس کیا ہے۔

(۸) اُن چالیس صوفیہ کرام کی فہرست جن سے شخصًا یا جنکی تصانیف سے شیخ سرّاج نے استفادہ کیا ہے، مع ضروری تصریحات کے انگریزی مین شامل کیا ہے۔

(۹) شیخ نے بہت سے ایسے صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے، جنکا نام دوسری کتابون مین یا تو قطعًا نہین آیا ہے، یا نادرًا آیا ہے۔ اس قسم کے ایک سو بیس صوفیہ کرام کی فہرست مع ان کے حالات کے جہان تک ہمن معلوم ہوسکے، انگریزی مین درج کی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد مفید اضافہ کئے ہین۔ ان خصوصیات معنوی کے پہلو بہ پہلو نہایت اعلیٰ کاغذ اور حسن طباعت کے جملہ لوازم کے ساتھ یہ کتاب شائقین کے ہاتھون تک پہنچ رہی ہے۔ کتاب کا پورا نام کتاب اللمع فی التصوّف ہے۔ ملّا جامیؒ کی نفحات الاُنس مین اسکا املا کتاب اللمعہ درج ہے، لیکن اور ہر جگہ اسکا املا بجائے اللمعہ کے اللمع ہے۔ اور نکلسن نے بھی اسی کو قائم رکھا ہے۔

متن کتاب کی ضخامت ۴۳۰ صفحہ کی ہے۔ مقدمۂ مصنف ۴۰ صفحہ تک آیا ہے، اس کے بعد منطقی ترتیب کی پابندی کے ساتھ کتاب حسب ذیل حصّون مین تقسیم ہے:۔

(۱) کتاب الاحوال والمقامات۔ اس کے تحت مین مقامات، احوال اور ان کے حقایق مین سے ہر شے پر الگ الگ ایک باب مین بحث کی گئی ہے۔ مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الورع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبت، باب حال الشوق، باب حال المشاہدۃ، باب حال الیقین، وقس علی ہذا۔

(۲) کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ۔ اس کے تحت مین اس قسم کے ابواب ہین۔ باب الموافقۃ لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمعین خطاب اللہ تعالیٰ و درجاتہم فی قبول الخطاب، باب وصف ارباب القلوب فی فہم القرآن، باب ذکر السابقین والمقربین والابرار من طریق الفہم والاستنباط۔ وغیرہ۔

(۳) کتاب الاسوۃ والاقتدار برسول اللہ صلعم۔ اس کے تحتانی ابواب کے عنوانات اس قبیل کے ہین:۔ باب وصف اہل الصفوۃ فی الفہم والموافقہ والاتباع للنبی صلعم، باب ما روی عن رسول اللہ صلعم فی اخلاقہ وافعالہ واحوالہ التی اختارہا اللہ تعالیٰ لہ، باب ما ذکر عن المشایخ فی اتباعہم رسول اللہ صلعم وتخصیصہم فی ذالک۔

(۴) کتاب المستنبطات۔ اتباع قرآن وحدیث کے بعد ترتیباً انھین احکام وشعائر کا ذکر آنا چاہئے، جو ان پر متفرع اور ان سے مستنبط ہوتے ہین، چنانچہ عین اسی فطری ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر یہ حصہ ملتا ہے۔ اس کے ذیل مین اس قسم کے مباحث مندرج ہین، باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیحۃ فی فہم القرآن والحدیث، باب فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل الحقیقۃ فی معنی علومہم واحوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویۃ عن رسول اللہ صلعم من طریق الاستنباط والفہم۔ وغیرہ۔

(۵) کتاب الصحابہ رضوان اللہ عنہم۔ صوفیہ کرام اتباع سنت نبوی کے بعد آثار صحابہ کی

پیروی اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہین۔ اس لئے قدرۃً ایک مستقل حصہ انکی نذر ہی، اس کے ذیلی ابواب
ہین خلفاء اربعہ پر، اصحاب صفہ پر، اور عام اصحاب نبوی، پر الگ الگ عنوان کے تحت مین گفتگو کی ہی۔

(۶) کتاب آداب المتصوفہ۔ اس کے تحتانی ابواب کے چند عنوانات یہ ہین :- باب ادابہم فی الوضو والطہارات، باب فی ذکر آدابہم فی الصلوٰۃ، باب ذکر آدابہم فی الزکوٰۃ والصدقات، باب فی ذکر الصوم وآدابہم فیہ، باب ذکر آدابہم فی الحج، باب فی ذکر آداب الفقراء بعضہم مع بعض، باب ذکر آدابہم فی الصحبۃ، باب ذکر آدابہم عند مجاراۃ العلم، باب ماذکر من آدابہم فی وقت الطعام، باب فی ذکر آدابہم فی وقت السماع والوجود، باب فی ذکر آدابہم فی اللباس، باب فی ذکر آدابہم عند الموت،

(۷) کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ۔ اس حصہ مین صوفیہ کرام کی زبان سے ان سوالات کے جوابات دیے ہین، جنکا حل کرنا فقہاء و علماء ظاہر کے لئے دشوار ہے۔ مثلاً مسئلہ جمع و تفرقہ، مسئلہ فنا و بقا، مسئلہ صدق، مسئلہ اخلاص، مسئلہ ذکر، مسئلہ روح، وغیرہ۔ اس حصہ کو مختلف ابواب مین تقسیم نہین کیا ہے۔

(۸) کتاب المکاتبات والصدور والاشعار والدعوات والرسایل۔ اس حصہ مین، جیساکہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے، حضرات صوفیہ کے مکتوبات، رسائل، اشعار، دعوات، و وصایا کا ذکر کیا ہی، اور ہر ایک کو ایک علحدہ باب مین لکھا ہے۔

(۹) کتاب السماع۔ صوفیہ و علماء ظاہر کے درمیان ایک اہم اختلافی موضوع، مسئلہ سماع ہی۔ یہ حصہ اسی مسئلہ کی توضیح و تشریح کے لئے وقف ہی، اس کے ماتحت چند ابواب کے عنوانات یہ ہین:
باب فی حسن الصوت والسماع وتفاوت المستمعین، باب فی وصف سماع العامۃ واباحۃ ذلک
باب فی وصف سماع الخاصۃ و وتفاضلہم فی ذلک، باب فی ذکر طبقات المستمعین، باب فی
وصف سماع المریدین والمبتدئین، باب فی وصف خصوص الخصوص واہل الکمال فی السماع،

(۱۰) کتاب الوجد۔ اس حصہ کے مباحث کا اندازہ ابواب تحتانی کے ان عنوانات سے ہوگا:۔
باب فی ذکر اختلافہم فی ماہیۃ الوجد، باب فی صفات الواجدین، باب فی ذکر تواجد المشایخ الصادقین
باب فی الواجد الساکن والواجد المتحرک و قیس مثل ہذا۔

(۱۱) کتاب اثبات الآیات والکرامات۔ کرامات اولیار کا مفہوم صحیح، ان کے اثبات کے دلائل
معجزات انبیا سے انکا فرق، یہ سب مباحث بھی ضروری تھے، جو اس حصہ مین آگئے ہین۔ عنوانات
ابواب کا نمونہ یہ ہے:۔ باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات
للاولیار، باب فی ذکر مقامات اہل الخصوص فے الکرامات،

(۱۲) کتاب البیان عن المشکلات۔ اس حصہ مین کل دو باب ہین۔ پہلے باب مین ان الفاظ
کو جمع کردیا ہے، جو صوفیہ کی زبان مین مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہین، مثلاً حال، مقام، مکان،
وقت، مشاہدہ، سیر، کشف، فنا، بقا، توحید، تجرید، وغیرہ اور باب دوم مین ان اصطلاحات کی
تشریح کی ہے۔

(۱۳) کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہرہا مستشنع و باطنہا صحیح مستقیم۔ یہ کتاب
کا آخری حصہ ہے، جو اور پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اس مین شطحیات صوفیہ کی توجیہ و توضیح
ہے، نیز ان غلط فہمیون کی اصلاح جن مین سے اکثر علمار و ظاہر و صوفیہ ناقص مبتلار رہتے ہین۔
چند ابواب کے عنوانات یہ ہین:۔ باب فی معنی الشطح، باب تفسیر العلوم و بیان مایشکل علی فہم
العلمار من علوم الخاصۃ و تصحیح ذلک بالحجۃ، باب فی کلمات شطحیات تحکی عن ابی یزید، باب فی
ذکر ابی الحسین النوری، باب فی ذکر من غلط من المترسمین بالتصوف، ومن این یقع الغلط
وکیف وجوہ ذلک۔ باب فی ذکر من غلط فے الاحوال۔ باب فی ذکر من غلط فی النبوۃ والولایات
باب فی ذکر من غلط فی فنار البشریۃ۔ باب ذکر من غلط فی الانوار، باب فی ذکر من غلط فی الروح

ان عنوانات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ تصوف سے متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہین مصنف نے ان مین سے کسی کو بھی نظر انداز نہین ہونے دیا ہی، ہر ضروری شعبہ کو لیا ہی۔ اور اس پر تفصیل و تحقیق کے ساتھ اظہار خیال کیا ہی۔ حضرت مصنف کی زبان مین بہی خاص سلاست و سادگی ہی، اس لئے جو اشخاص عربی زبان سے (راقم سطور کی طرح) بہت ہی سرسری واقفیت رکھتے ہین۔ وہ بھی مستفید ہو سکتے ہین۔ ذیل مین کتاب کے مختلف مقامات سے چند اقتباسات دئے جاتے ہین، جن سے نوعیت و مرتبہ تصنیف کا پورا اندازہ ہو سکیگا۔

ایک غیر صوفی کے دل مین سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ خود تصوّف کیا شے ہی؟ اور آیا اسلام نے صوفیہ کو کوئی مرتبہ دیا ہی یا نہین؟ حضرت مصنف اس کے جواب مین کہتے ہین، کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید (سورہ آل عمران، آیت ۹۸)

ثم ذکر الله تعالی فضل المؤمنین عنده درجتًا علاهم فی الدین رتبةً فذکرهم بالملائکة وشهد علی شهادتهم له بالوحدانیة بعد ما بدأ بنفسه وثنّی ملائکته فقال عز وجل شَهِدَ اللهُ انه لا اله الّا هو والملائکة واولو العلم قائمًا بالقسط وروی عن النبی صلعم انه قال العلماء وَرَثَةُ الانبیاء وعندی والله اعلم ان اولی العلم القائمین بالقسط الذین هم ورثة الانبیاء هم المعتصمون بکتاب الله تعالی المجتهدون فی متابعة رسول الله صلعم المقتدون بالصحابة والتابعین السالکون

مین تمام مومنین سے بلند مرتبہ ان کا رکھا ہی، جو اولو العلم قائم بالقسط، ہین، اور حضور سرور کائنات صلعم نے بھی علما کو جانشین انبیا ارشاد فرمایا ہی۔ سو یہ القاب ان لوگون کے حق مین وارد ہین۔ جو کتاب اللہ کا سررشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم کی متابعت کے پورے کوشان اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والے ہین، ان اشخاص کو طبقات سہ گانہ مین رکھا جا سکتا ہی: ایک طبقہ ارباب حدیث کا ہے، دوسرا طبقہ فقہا کا، اور تیسرا طبقہ

سبیل اولیا آیہ المتبعین وعبادہ الصالحین هم ثلثة صوفیہ کرام کا ہے۔
اصناف، اصحاب الحدیث والفقهاء والصوفیة فهؤلاء الثلثة الاصناف
من اولی العلم القائمین بالقسط هم ورثة الانبیاء۔ (ص۵)

بہت سے امور صوفیہ اور اصحاب حدیث وفقہا کے درمیان مشترک ہین، مثلاً جو معتقدات ان کے ہین وہی ان کے بھی ہین۔ اتباع کتاب اللہ وسنت نبوی وہ اور یہ دونون اپنے لئے واجب سمجھتے ہین، علوم وفنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہین، یہ بھی لیتے ہین۔

ثم انهم من بعد ذلك ارتقوا الی درجات عالیه و تعلقوا باحوال شریفه ومنازل رفیعة من انواع العبادات وحقایق الطاعات والاخلاق الجمیلة ولهم فی معانی ذلك تخصیص لیس لغیرهم من العلماء… لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیہ جن درجات عالیہ ومنازل رفیعہ کو طے کرنے لگتے ہین، وہان تک علماء، فقہاء، واصحاب حدیث کی رسائی بھی نہین ہوسکتی۔ (ص۱۱)

صوفیہ کے یہ امتیازی خصوصیات جن مین دوسرے طبقات اُن کے ساتھ شریک نہین حسب ذیل ہین۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ

فاول شئ من التخصیصات للصوفیة….. ترک ما لا یعنیهم وقطع کل علاقة تحال بینهم وبین مطلوبهم ومقصودهم اذ لیس لهم مطلوب ولا مقصود غیر الله تعالی، صوفیہ صرف خدا پر نظر رکھتے ہین۔ انکا مقصود ومطلوب تمامتر خدا ہی ہوتا ہے۔ ماسوا اور لایعنی مشاغل سے انھین کوئی واسطہ نہین ہوتا۔

اس کا لازمی اثر ان کی زندگی پر یہ پڑتا ہے، کہ

فمن ذلك القناعة بقلیل الدنیا عن کثیرها و الاکتفاء بالقوت الذی لا بد منه والاختصار وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہین قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہین، غذا، لباس، اور

علی ما لابد منہ من مھنۃ الدنیا
من الملباس والمفرش والماکول
وغیر ذلک واختیار الفقر علی الغنا
ومعانقۃ القلۃ ومجانبۃ الکثرۃ
وایثار الجاع علی الشبع والقلیل
علی الکثیر وترک العلو والترفع وبذل
الجاہ والشفقۃ علی الخلق والتواضع
للصغیر والکبیر (ص۱۰۸)

وحسن الظن باللہ والاخلاص
فی المسابقۃ الی الطاعات والمسارعۃ الی جمیع الخیرات التوجہ
الی اللہ تعالی والانقطاع الیہ
والعکوف علی بلاۤیہ والرضا عن قضاۤیہ
والصبر علی دوام المجاھدۃ ومخالفۃ الھوی
ومجانبۃ حظوظ النفس والمخالفۃ لھا اذ
وصفھا اللہ تعالی امارۃ بالسوء والنظر
الیھا بانھا اعدی عدوک التی بین جنبیک
کما روی عن رسول اللہ صلعم۔
(ص۱۱۰و۱۱۱)

ہر قسم کے سامان دنیوی سے صرف ما یحتاج
کو اختیار کرتے ہین، اور بجائے تونگری کے
تنگدستی، بجائے سیری کے گرسنگی بجائے
افراط کے قلت، بجائے جاہ و ترفع کے ہر
چھوٹے بڑے کے مقابلہ مین، اپنے لیے پسند
کرتے ہین۔

خدا سے حسن ظن رکھتے ہین، تمام علائق
واسباب سے قطع نظر کرکے صرف اسی پر تکیہ رکھتے
ہین۔ نیکیون اور طاعتون کی جانب
خلوص نیت کے ساتھ پیشقدمی و تیزروی
کرتے رہتے ہین۔ بلائے الہی پر صابر اور
قضائے الہی پر راضی رہتے ہین۔ ہمیشہ
مجاہدہ اور مخالفت خواہش نفس مین مشغول
رہتے ہین، اور اس کو یاد رکھتے ہین،
کہ کلام پاک مین نفس کو امارہ بالسوء
سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث نبوی مین
ارشاد ہوا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا
دشمن وہ ہے، جو اس کے دونون
پہلوؤن کے درمیان ہے۔

منکرین تصوّف کا ایک گروہ کہتا ہی کہ قرآن شریف و حدیث مین نہ کہین صوفیہ کا ذکر آیا ہے نہ تصوّف کا، اس لئے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہین ہوسکتا، حضرت مصنف کہتے ہین، کہ قرآن مجید مین بہ کثرت ایسے الفاظ و عبارات موجود ہین جن سے اہل تصوف ہی مراد ہین مثلاً صادقین، صادقات قانتین، قانتات، خاشعین، موقنین مخلصین محسنین، خائفین، وجلین، عابدین، صابرین، راضین متوکلین مخبتین، اولیا، مصطفین مجتبین، ابرار، مقربین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی الخیرات نیز مشاہدین (مثلاً او القی السمع وھو شھید) و مطمئنین (مثلاً الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) اسی طرح متعدد احادیث مین بھی اسی طائفہ عالیہ کی جانب اشارات ہین، مثلاً یہ حدیث کہ

ان من امتی مکلمون ومحدثون وان عمر منھم

یا یہ کہ

یدخل بشفاعۃ رجل من امتی الجنۃ مثل ربیعہ ومضر یقال لہ اویس القرنی

یا پھر یہ کہ

یدخل من امتی الجنۃ سبعون الفاً بلا حساب قیل من ھم یا رسول اللہ قال ھم الذین لایکتوون ولا یسترقون وعلی ربھم یتوکلون (ص۱۶)

معترضین کا ایک گروہ کہتا ہی کہ عہد رسالت پناہ مین کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہین کیا جاتا تھا، اور یہ اصطلاح بہت بعد کو ایجاد ہوئی ہے، اس لئے اسے کوئی مذہبی وقعت نہین دی جاسکتی۔

مصنف نے اسکا نہایت معقول و دلچسپ جواب یہ دیا ہی کہ

فنقول وباللہ التوفیق الصحبۃ مع رسول اللہ صلعم لھا حرمۃ وتخصیص | اصحاب رسولؐ کے لئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہین سکتا تھا، اس لئے

من شمله ذلک فلا یجوز ان یتعلق علیه
اسم علی انه اشرف من الصحبة وذلک لشرف
رسول الله صلعم وحرمته۔ الا تری
انهم ائمة الزهاد والعباد والمتوکلین
والفقراء والراضین والصابرین
والمحبین وغیر ذالک وما قالوا جمیع
ما قالوا الا ببرکة الصحبة مع رسول الله
صلعم فلما نسبوا الی الصحبة التی هی اجل
الاحوال، استحال ان یفضلوا بفضیلة
غیر الصحبة التی هی اجل الاحوال (ص۲۲)

کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے، سب سے اشرف
و اعظم ان کی فضیلت صحابیت تھی، انکا
زہد، فقر، توکل، عبادت، صبر، رضا، جو
کچھ بھی ان کے فضائل تھے، ان سب پر
انکا شرف صحابیت غالب تھا، پس جب
کسی شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا
گیا، تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی،
اور اس کا کوئی محل ہی نہین باقی رہا،
کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ
سے یاد کیا جائے۔

باقی رہا یہ کہنا، کہ یہ اصطلاح بغدادیون کی رائج کردہ، اور متاخرین کی اختراع ہے، سو اسکا جواب یہ ہے، کہ یہ قول بالکل غلط ہے، اس لئے کہ

واما قول القایل انه اسم محدث
احدثه البغدادیون فمحال لان
فی وقت الحسن البصری رحمة الله علیه
کان یعرف هذا الاسم وکان الحسن
قد ادرک جماعة من اصحاب
رسول الله صلعم الخ
... ...

یہ لفظ حضرت حسن بصریؒ کے زمانہ مین
رائج تھا، درآنحالیکہ حسن بصریؒ کا زمانہ
بعض صحابیون کی معاصرت کا تھا، چنانچہ
ان کے اور سفیان ثوریؒ کے اقوال
مین یہ لفظ صوفی مستعمل ہوا ہے، بلکہ کتاب
اخبار مکہ کی ایک روایت کے مطابق یہ
لفظ عہد اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا۔ (ص۲۲)

جو لوگ شریعت و طریقت میں نسبت تضاد قرار دیتے ہیں، انہیں یہ سنکر حیرت ہوگی۔ کہ قدماء صوفیہ کے نزدیک طریقت، شریعت ہی کی تکمیل کا نام تھا، حضرت مؤلف فرماتے ہیں، کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ظاہری و باطنی جب تک اُس کا تعلق زبان و اعضاء سے ہی، اسے علم ظاہری سے تعبیر کرینگے، اور اسی کا نام علم شریعت ہی مثلاً عبادات میں طہارت، نماز، زکوۃ، حج وغیرہ، یا احکام میں طلاق، فرائض، قصاص وغیرہ جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب و باطن تک محیط ہو جاتا ہی، تو اسی کو علم باطن و طریقت سے موسوم کرنے لگتے ہیں۔ اور یہاں عبادات و احکام کی بجائے مقامات و احوال کی اصطلاحیں رائج ہیں۔ مثلاً تصدیق، ایمان، اخلاص، صبر، تقوی، توکل، محبت، شوق وغیرہ۔ خود کلام مجید میں نعمتوں کی ظاہری و باطنی دو قسمیں قرار دی گئی واسبغ علیکم نعمه ظاهرة و باطنة (لقمان - آیت ۲۰) دنیا میں ہر شے کا ایک ظاہری پہلو ہی اور ایک باطن۔ قرآن کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، حدیث کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ کتاب اللہ و سنت رسول کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے۔ (صفحہ ۲۴-۲۵)

لفظ "تصوف" و "صوفی" کی وجہ تسمیہ کیا ہی؟ اس کے جواب میں مؤلف علام نے مختلف اقوال نقل کردئے ہیں۔ ایک قول یہ ہی کہ "صوفی" دراصل "صَفَوی" تھا۔ یہ لفظ ذرا ثقیل تھا، کثرت استعمال سے زبانوں پر "صوفی" چڑھ گیا۔ ابو الحسن قناد کا خیال تھا، کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہی، اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہی۔ ایک اور بزرگ کا مقولہ ہی، کہ جو لوگ کدورت بشریت سے پاک صاف کردئے گئے ہیں، وہ صوفی کہلانے لگے۔ کسی اور بزرگ کی رائے ہیں، ان لوگوں کا لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں صوف کا ہوتا تھا۔ اس لئے یہ صوفی کہلائے۔ ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے، کہ اصحاب صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔ وقس علی ہذا۔ (صفحہ ۲)

متقدمین کے نزدیک فہم و اتباع احکام قرآنی کے بعد سب سے زیادہ اہم و مقدم شے اتباع سنت نبوی تھی۔ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے، کہ ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی کا نچوڑ ہے۔ قرآن میں اتباع سنت نبوی

کا صاف الفاظ مین حکم آیا ہے۔ وان تطیعوه تھتدوا (نور۔ آیت ۵۴) ابو عثمان سعید الحیریؒ کا مقولہ تھا کہ جو شخص سنت نبوی کو قولاً و فعلاً اپنے اوپر حاکم بنالے۔ اس کی بات ہمیشہ حکمت سے لبریز نکلیگی حضرت بایزید بسطامی نے خدا سے دعا کرنا چاہی، کہ گرسنگی و شہوت جنسی کی آفات سے ہمیشہ محفوظ رہین۔ مگر معاً انھین خیال آگیا، کہ جب رسول اللہ صلعم نے اپنے لئے ایسی دعا نہین کی تھی، تو مین کیونکر کرسکتا ہون۔ یہ خیال کرکے وہ اس دعا سے باز رہے۔ اس احترام رسالت کا صلہ انھین یہ ملا، کہ عورت کی خواہش بالکل ہی ان کے دل سے جاتی رہی۔ ذوالنون مصریؒ کا مقولہ تھا، کہ خدا کو مین نے خود خدا کے ذریعہ سے پہچانا، اور باقی سب کو رسول اللہ کے ذریعہ سے سہل بن عبداللہ تستری فرماتے تھے، کہ جس وجد کی شہادت کتاب اللہ و سنت رسول نہ دین وہ باطل ہے۔ اور اسی کے قریب قریب قول ابو سلیمان دارانیؒ کا ہے حضرت شبلیؒ مرض الموت مین مبتلا تھے، نزع کا وقت قریب تھا، گویائی کی طاقت باقی نہین رہی تھی، اس وقت ان کا خادم انھین وضو کرا رہا تھا، وہ داڑھی مین خلال کرانا بھول گیا، شبلیؒ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر داڑھی مین خلال کرائی، کہ سنت رسول کا کوئی جز فروگذاشت نہ ہونے پائے۔ (ص۱۰۲ تا ۱۰۴)

مسائل تصوف تمامتر کتاب اللہ و سنت رسول سے مستنبط ہین، اس استنباط کا طریقہ اور اس کی کیفیت جو حضرت مؤلف نے بیان کی ہے، وہ اس قابل ہے، کہ یہان اسے حرف بحرف نقل کردیا جائے

للمستنبطات ما استنبط اهل الفهم من المحققين بالموافقة لكتاب الله عز وجل ظاهراً وباطناً والمتابعة لرسول الله صلعم ظاهراً و باطناً والعمل بهما بظاهرهم و بواطنهم فلما عملوا بما علموا من ذلك ورثهم الله تعالى علم ما لم يعلموا وهو علم الاشارة و علم المواريث للاعمال التي يكشف الله تعالى لقلوب اصفيائه من المعانى المذخورة واللطايف والاسرار المخزونة وغرايب العلوم وطرايف الحكم فى معانى القرآن ومعانى اخبار رسول الله صلعم من حيث احوالهم واوقاتهم وصفاء اذكارهم قال الله تعالى افلا يتدبرون القرآن ام على

قلوب اقفالها وقال النبی صلعم من عمل بما علم ورثه الله تعالیٰ علم مالم یعلم و

ھو العلم الذی لیس یغیرہم ذالک من اھل العلم و اقفال القلوب مایقع علی

القلوب من الصدأ لکثرة الذنوب واتباع الھویٰ ومحبة الدنیا وطول الغفلة

وشدة الحرص وحب الراحة وحب الثناء والمحمدة وغیر ذالک من الغفلات والزلات

والمخالفة والخیانات فاذا کشف الله تعالیٰ ذالک عن القلوب بصدق التوبة والندم

علی الحوبة فقد فتح الاقفال عن القلوب واثبت الزوائد والفوائد من الغیوب فیعبر عن زوائد الله

وفوائده بترجمانه وھو اللسان الذی ینطق بغرائب الحکم وغرائب العلم فاذا شرحا ھذہ النقط المریدون

والقاصدون والطالبون من تلک الحجوا ھرواذان داعیہ وقلوب حاضرۃ فعاشوا وانتفوا بذالک العشق

(ص ۱۰۵ و ۱۰۶) خلاصہ یہ ہے کہ استنباط کا حق ان محققین و ارباب فہم کو پہنچتا ہے، جو ظاہر و باطن ہر طرح کتاب الله

وسنت رسول کے متبع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جب اپنے علم و معلومات کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں، تو

خدا انھیں وہ علم بھی دے دیتا ہے، جو بیشتر انھیں نہ تھا، اور یہ علم انھیں کے ساتھ مخصوص رہتا ہے اور ان کے

نفس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کر دیتا ہے، اور کثرت معاصی و شہوات، حب جاہ، حرص و طمع

خود پسندی، وغیرہ سے جو زنگ ان کے لوح دل پر چھا ہوتا ہے وہ دھل جاتا ہے۔ اس وقت اسرار

غیب ان پر منکشف ہو جاتے ہیں، اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

اس کے بعد مصنف قرآن مجید کی اس آیت سے واذا جاءھم امر من الامن او الخوف

اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم

یہ لطیف استدلال کرتے ہیں، کہ عام حقائق دین کے جاننے والے اولوالامر یا اہل علم ہیں، اور ان کے طبقہ میں سے

اہل استنباط کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

اسوۂ رسول کے بعد، صوفیہ کے نزدیک سب سے اہم بالشان اسوۂ صحابہ ہے۔ کتاب اللمع

ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہی۔ اس کتاب کے پہلے باب کا صحابہ کی عام مدح و تکریم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات سے آغاز ہوتا ہی۔ جو اعظم الخوف و اعظم الرجا تھے، یعنی خدا سے ڈرتے بھی بیحد تھے، اور اس کی رحمت کے اُمیدوار بھی بیحد رہتے تھے، چنانچہ خود فرماتے تھے، کہ اگر آسمان سے یہ ندا آئے، کہ

لو نادی منادٍ من السماء انہ لن	جنت مین بجز ایک شخص کے اور کوئی داخل
یلج الجنۃ الا رجلٌ واحد ارجو	نہ ہوگا، تو مجھے رحمت باری پر اتنا بھروسہ ہی،
ان اکون انا ھو، ولو نادی مناد	کہ مین سمجھونگا وہ شخص واحد مین ہی ہون۔
من السماء انہ لا یدخل النار	اسی طرح اگر آسمان سے یہ ندا آئے، کہ بجز ایک
الا رجل واحد لخفت ان اکون	شخص کے کوئی دوزخ مین نہ ڈالا جائیگا،
انا ھو۔ (ص۱۲)	تو مین غضب الٰہی سے اس قدر ڈرتا ہون
... ...	کہ وہ شخص واحد بھی اپنے ہی تئین سمجھونگا،

ابوالعباس بن عطاؒ سے جب آیۂ شریفہ کونوا ربانیین کے معنی دریافت کئے گئے، تو انھون نے کہا، کہ "ابوبکر صدیقؓ کے مانند ہوجاؤ" حضرت صدیقؓ ہی وہ شخص تھے جنھون نے اپنا سارا مال و اسباب لاکر رسول اللہ صلعم کی خدمت مبارک مین حاضر کردیا، اور جب آپ نے دریافت فرمایا، کہ اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑا، تو برجستہ جواب دیا، کہ خدا اور اس کے رسول کو؛ حضرت مؤلف کہتے ہین، کہ یہ فقرہ توحید کے رنگ مین ڈوبا ہوا تھا، اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد ہی، جو کسی زبان سے ادا ہوا ہی،

حضرت صدیقؓ کی سب سے بڑی خصوصیات الہام و فراست تھین۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی نمایان خصوصیات ترک شہوات، اجتناب شبہات، اور تمسک بالحق تھین۔ اور حضرت عثمانؓ کی اہم خصوصیات تمکین، ثبات، و استقامت تھین۔ جناب امیر سلاسل تصوف کے شیخ الشیوخ تھے، آپ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے۔ یہ وہی علم لدنی ہی، جو خضر علیہ السلام کو عطا ہوا تھا، وعلمناہ

من لدنا علمًا اور جس کی بنا پر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیمبر سے کہدیا تھا کہ آپ صبر سے میرا ساتھ نہ دے سکینگے انک لن تستطیع معی صبراً (اور یہین سے بعض لوگون نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دے لیا ہی) جناب امیرؑ مراتب توحید، معرفت، ایمان، وعلم مین کامل ترین تھے۔ ان اصحاب اربعہ کے آثار قدم صوفیہ کے لئے دلیل راہ ہین۔

خلفار اربعہ کے بعد قدرۃً اصحاب صفہ کا ذکر آتا ہی جن کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ طالبان طریقت کیلئے درس ہدایت رکھتا ہی۔ یہ وہ مقدس گروہ تھا، جو معاش دنیوی سے قطعاً بے پروا ہوکر شب و روز شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار ہوا کرتا تھا جس کے پاس نہ کھانے کا سامان رہتا تھا، نہ پہننے کا، نہ اوڑھنے کا، اور جس کی زندگی تمام تر فقر و فاقہ، توکل و صبر، عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی۔ اس جماعت کی مدح مین متعدد آیات قرآنی نازل ہوئی ہین۔ مثلاً للفقرا٫ الذین احصروا فی سبیل اللہ (بقر آیت ۲۷۳) ولا تطرد الذین یدعون ربھم (انعام آیت ۵۲) واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم (کہف آیت ۲۸)

اس حصہ کے آخری باب مین عام صحابہ کی زندگی پر متصوفانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے، اور ان کے اقوال اس باب مین نقل کئے گئے ہین۔ اصحاب ذیل کے اسمار مبارک اس حیثیت سے خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہین۔ طلحہ بن عبید اللہ، معاذ بن جبل، عمران بن حسین، سلمان فارسی، ابوالدردار، ابوذر، ابوعبیدہ بن الجراح، عبد اللہ بن مسعود، برار بن مالک، عبد اللہ بن عباس، کعب احبار، حارثہ، ابوہریرہ، انس بن مالک، عبد اللہ بن عمر، حذیفہ بن ایمان، عبد اللہ بن جحش، اسامہ، بلال، منصب بن عمر، عبد الرحمن بن عوف، حاکم بن حزام، عبد اللہ بن رواحہ، عدی بن حاتم، رضی اللہ عنہم۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر صوفیہ کے آداب و معمولات بیان کرکے ضرورت مرشد پر بہت زور دیا ہی، اور اس ضمن مین یعنی بہت گہرے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ بہت سے مبتدیون کا خیال یہ ہوتا ہے کہ مخالفت نفس حصول مقصد کے لئے کافی ہی۔ چنانچہ اپنی ذاتی رائے سے وہ طرح طرح کے مجاہدات اپنے لئے

اختیار کر لیتے ہین، غذا بہت گھٹا دیتے ہین، لذیذ غذائین بالکل ترک کر دیتے ہین، پانی پینا چھوڑ دیتے ہین، آبادی سے نکلکر صحرا مین رہنے لگتے ہین وقس علی ہذا۔ حضرت مولف کا ارشاد ہی کہ جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے، ان چیزون کو اختیار کر لینا قطعاً غیر مفید رہیگا، بلکہ مضرت کا اندیشہ ہی۔ مثلاً ترک غذا کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ انسان فرائض یومیہ، نماز پنجگانہ وغیرہ پوری طرح نہ ادا کر سکیگا نفس امارہ کو زیر کرنا اتنا آسان نہین، کہ بغیر استاد کامل کی توجہ کے انسان تن تنہا یہ ہفتخوان طے کر سکے۔ خود رائی کی تمام صورتین اس راہ مین خطرہ و ہلاکت کی طرف لیجانیوالی ہین۔ (ص۱۷۱ و ۱۸۱)

ان سب اعمال و مجاہدات کے لئے مخصوص آداب و شرائط ہین، بغیر ان کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہے۔

سماع کی بحث گروہ صوفیہ مین بڑی اہمیت رکھتی ہی۔ طریقت کے اس شارح قدیم نے اس پر پوری تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہی۔ اس سلسلہ مین انھون نے سب سے پہلے حسن صوت کو لیا ہی، اور اس کی مدح و توصیف مین متعدد احادیث نبوی نقل کی ہین مثلاً

(۱) ما بعث اللہ نبیاً الا حسن الصوت۔

(۲) زینوا القرآن باصواتکم۔

(۳) ما اذن اللہ تعالیٰ لشئ کاذنہ لنبی حسن الصوت۔

(۴) لقد اعطی ابو موسیٰ مزماراً من مزامیر آل داؤد لما اعطی من حسن الصوت، وغیرہ

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی، سماع شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہی، اور قدماء صوفیہ مین جو حضرات سماع کے شیدائیون مین ہوئے ہین، مثلاً جنید بغدادی، ابوالحسن نوری، حضری، وغیرہم، ان کے اقوال نقل کئے ہین، آگے چلکر اباحت سماع عامہ کے عنوان سے جو باب قائم کیا ہی اس مین عید کے دن سرور کائنات کے دف کے ساتھ سے گانا سننے کا حوالہ دیا ہی

اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت بلالؓ، و دیگر صحابہ کرام کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مالک بن انس، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمر اور امام شافعی نے شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کو جائز رکھا ہے، اور ان سب کی سند جواز سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ سماع خاصہ کے ضمن مین سامعین کے تین طبقات کئے ہین (۱) مریدین و مبتدئین، (۲) متوسطین و صدیقین، (۳) عارفین و اہل استقامت، اس کے بعد محقق مولف نے مسئلہ سماع کے مختلف پہلوؤن کو لیا ہے، اور متعدد ابواب مین ہر پہلو پر تفصیلی نظر کی ہے، جواز کے جو آداب و شرائط و قیود ہین، ان سے کسی حال مین اغماض نہین برتا ہے، آخری باب مین ان حضرات کے خیالات کی ترجمانی کی ہے جو جواز سماع کے منکر ہین، یا اسکی کراہت کے قائل ہین۔ ان چند ابواب کا مطالعہ موجودہ مشائخ کے لئے خاص طور پر سبق آموز ہو سکتا ہے۔

ان اقتباسات و تصریحات سے نوعیت کتاب کا اندازہ ہو گیا ہوگا، جو شخص قدیم تصوف سے باخبر رہنا چاہتا ہے، اس کے لئے اسکا مطالعہ ناگزیر ہے۔



اسلامی ہندوستان کی علمی خوشداری

الدرۃ الثمینہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی

اور

شاہجہان اور نواب سعد اللہ خان

از جناب مولوی حافظ احمد علی خان صاحب شوق، ناظر کتبخانہ ریاست رامپور

کتاب خانہ ریاست رامپور مین مجموعہ ۱۱۳ فن کلام عربی مین یہ مختصر مجلد رسالہ ہے۔ تقطیع کتاب ۱۰ × ۶ انچہ۔ سطر ۳ انچہ۔ تعداد سطر فی صفحہ ۱۹، خط مولویانہ شکست آمیز، صفحات ۲۷ ہین۔ ۱۰۵۷ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس رسالہ کو شاہجہان بادشاہ کے نام پر معنون کیا گیا ہے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اس کے مصنف ہین، آغاز رسالہ یہ ہے، ،، اللهم باسمائك ابتدي، وبنور قدسك اهتدي ،،۔ رسالہ مین مسئلہ علم باری تعالیٰ اور مبحث قدم عالم کو بہایت خوبی سے لکھا ہے۔ ملا صاحب کا انتقال ۱۰۶۸ھ یا ۱۰۶۶ھ مین ہوا ہے۔ اس لئے یہ رسالہ ان کی زندگی ہی کا لکھا ہوا ہے۔ ملا صاحب کے کمالات اور فضائل سے مدارس عربیہ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ ان کی شہرت آج نہین بلکہ ان کی زندگی ہی مین ہندوستان سے نکلکر عرب و روم مین پہنچ چکی تھی، چنانچہ آجکل انکی جس قدر کتابین ہندوستان مین نہین چھپی ہین، اُس سے زیادہ ٹرکی اور قسطنطنیہ مین چھپی ہین، ہندوستان سے ٹرکی ان کتابون کے پہنچنے کی صورت یہ معلوم ہوئی کہ قدیم زمانہ مین جہان سلاطین باہم اور تحفہ تحائف اپنے ملک کی مصنوعات کا بھیجا کرتے تھے وہان، اپنے دربار کے شعرار کی غزلین، قصائد، دواوین اور علماء و فضلا کی

تالیفات و تصنیفات بھی بھیجا کرتے تھے، چنانچہ شاہجہان اور سلطان محمد خان سلطان روم کے درمیان اس قسم کے تعلقات قائم تھے اور اس طرح شاہی تحائف کے ضمن مین ہندوستان کے اس مایۂ ناز حکیم ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصنیفات ٹرکی پہنچی ہین، آج اسی سلسلہ مین ہم ملّا صاحب کے رسالہ الدرة الثمینه کا تذکرہ کرتے ہین،

عراق مین جان نثار خان شاہجہان کی طرف سے کسی خدمت پر مامور تھا۔ محمد فاروق مشرف اور محب علی واقعہ نویس اس کے ہمراہ تھے۔ سلاطین صفویہ کے خاندان کا ایک رکن خلیفہ سلطان ایران سے نکلکر عراق مین آباد ہوگیا تھا، پھر وہ ہندوستان چلا آیا تھا، شاہجہانی تاریخون مین اس کا ذکر متعدد مقامات مین ہے، یہ لائق اور صاحب علم امیر تھا اور وہ وزیر دانشور عراق کے نام سے مشہور تھا، شاہجہانی سفراء جب عراق گئے تو خلیفہ سلطان سے بھی ملے، ان شاہجہانی سفراء کو بھی اپنی جگہ پر دعویٰ فضل و کمال تھا اور اوسکو قائم رکھنا گویا ہندوستان اور سلطنت ہند کی عزت وہ سمجھتے تھے، وزیر نے ان سے دریافت کیا کہ امام غزالی نے (تہافت الفلاسفہ) مین مسئلہ قدیم عالم اور نفی علم واجب تعالیٰ کے سبب سے شیخ ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟ - جان نثار خان نے شاہجہان کو اطلاع کی - بادشاہ نے اپنے وزیر نواب سعداللہ خان کو حکم دیا کہ ملّا عبدالحکیم صاحب کو لکھو کہ اس کے متعلق دس پندرہ دن مین ایک رسالہ لکھکر حاضر کرین کہ عراق کو بھیجا جائے - خدا جانے سلاطین کو اس مسئلہ سے کیا دلچسپی تھی، چنانچہ اسی کے پس و پیش زمانہ مین امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ اور ابن رشد نے جو اس کا جواب تہافت تہافت الفلاسفہ کے نام سے لکھا ہے، سلطان محمد خان روم نے اپنے دربار کے بڑے فلسفی موسیٰ خوارزمی سے اس پر محاکمہ لکھایا ہے جو کتاب الذخیرہ کے نام سے چھپ گئی ہے، بہرحال یہ مسئلہ بہت مہتم بالشان ہے - سیکڑون کتابین اس مبحث پر لکھی گئی ہین - یہ معلوم ہے

کہ شاہان مغلیہ کے الفاظ کو احکام مین بعینہ نقل کیا جاتا تھا۔ شاہجہان کی علمی قابلیت کا یہ نمونہ ہے کہ اس نے اس مسئلہ مین جن امور پر رسالہ لکھوانا چاہا ہے اسکو چند جملون مین ادا کر دیا۔ سعد اللہ خان کے خط کو پڑھیے کہتا ہے کہ کلمات حکما۔ تاویلات علما۔ وجہ تکفیر اہل اسلام۔ اقوال ملت۔ مباحثات۔ مناظرات تشکوک وشبہات۔ ازالۂ اعتراضات۔ سوالات وجوابات، غایت تدقیق ونہایت تحقیق سے لکھے جائین۔ در ہر باب واساس سخن مین اکل کلام پر گفتگو ہو اور ہر جواب مین۔ براہین ہون۔ احاطۂ مسائل متعلقہ بمطلب علم حصولی وحضوری کے مسائل متعلقہ کے بیان مین پورا احاطہ کیا جائے۔ اور نیز اس مسئلہ کو صاف کیا جائے کہ علم عین عالم ہے یا عین معلوم یا غیر۔ اور اسکا تعلق جزئیات سے بوجہ کلی ہے یا بوجہ جزئی وغیرہ،

سعد اللہ خان کی علمی استعداد تو مشہور ہی ہے لیکن شاہجہان کی علمی فضیلت بھی اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ کم نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی علم وفن سے واقف نہو وہ کیا اوسکو سمجھ سکتا ہے، اگر شاہجہان کی تاریخ کے ساتھ اس کے کمالات علمی کی بھی تلاش کیجائے تو کیا اچھا ہو۔

سعد اللہ خان وزیر نے شاہجہان کے حکم سے اس باب مین ملّا صاحب کو جو خط لکھا ہے وہ بھی اس رسالہ کے ساتھ شامل ہے۔ اور اوسکی نقل حسب ذیل ہے،

مفاوضہ جملۃ الملکی مدار المہامی علّامی وفہّامی نواب سعد اللہ خان کہ بہ فاضل یگانہ مولنا عبد الحکیم سیالکوٹی جہتہ تالیف رسالہ الدرۃ الثمینہ حسب الحکم شاہجہان بادشاہ تحریر نمودہ وفاضل مسطور الصدر در جواب آن رسالۂ مذکورہ را ترتیب دادہ

افادت پناہ افاضت دستگاہ جامع معقول ومنقول حاوی فروع واصول۔ وحید العصر فرید الدہر بادراک سعادت نشاتین واحراز کمالات دارین کامیاب باشند۔ حسب الحکم الاشرف می نویسد

کہ چون افراد وقایع ایران زمین مسامع حقائق مجامع رسید کہ افادت پناہ وافاضت دستگاہ خلیفۃ السلطان وزیر دانشور عراق کہ اعلم علما آنجاست۔ از محمد فاروق مشرف ومحب علی واقعہ نویس کہ بابادی ماب۔ جان نثار خان متعین شدہ اند۔ ولیس از دعوی ایان بفضل وکمال پرسید کہ امام محمد غزالی در مسئلہ قدم عالم ونفی علم واجب تعالی شانہ عما یقول الظالمون فی حق انفسھم الخائبین باللہ وصفاتہ بجزئیات ونفی حشر واجساد وتکفیر شیخ ابو نصر فارابی وشیخ ابو علی سینا نمودہ وجمیع تاویل کلام حکما کردہ اند، این مراتب را تحقیق باید نمود کہ مدعیان بے فروغ از مسلک معقولیہ دور در ماندہ اند۔ لہذا کمترین مریدان حکم شد کہ بآن فضائل وکمالات دستگاہ، سطرے چند بنگارد وبرآن آرد۔ کہ آن افادت وافاضت مرتبت را درین مسائل مختصر جامع مفیدے کہ مستجمع کلمات حکما وتاویلات علما، ووجہ تکفیر اسلامیین، واقوال طامین، ومباحثات ومناظرات وشکوک وشبہات وازالات واخراجات واسولہ واجوبہ وغایتہ تدقیقات ونہایت تحقیقات واصل کلام در ہر باب واساس سخن در ہر جواب وانچہ بران ظفر یافتہ باشند وبرہان بران قائم شدہ باشد، واحاطہ مسائل متعلقہ بمطالب علم از حصولی وحضوری بودن، وعلم عین عالم وعین معلوم است یا غیر، وتعلق آن بجزئیات، بوجہ کلی است یا بوجہ جزئی۔ وتحریر آنکہ کلیہ وجزئیہ معلوم، تابع مدرک ویا تابع مدرک است، ونسبتہ الی الواجب جزئی است یا نہ، وبیان آنکہ ادراک تعقلی است نہ احساسی، وشمول علم بمتغیات ومشخصات از ان زمان وغیرآن وبقائے علم با تغیر معلوم وتبدل زمان وحضور زمان بجمیع اجزائہ من ازل الآزال الی ابد الآباد مع کونہ غیر قار وجز آن باشد نوشتہ حضرت خلافت در عرصئہ دہ و پانزدہ روز باید فرستاد، کہ بایران فرستادہ شود وآنچنان باید نوشت کہ قابل فرستادن ولائق اضافت بآن فضائل دستگاہ بود، وبر روزگار از ان آثار گویند و در تاریخ نامہا نوشتہ آید۔ والدعاء والسلام۔ فقط

ہندوستان اور اسلامی عہد حکومت

رائل سوسائٹی آف آرٹس، انگلستان مین فنون لطیفہ سے متعلق ایک اہم علمی انجمن ہے۔ اس کے شعبۂ ہندیہ کے سامنے ہر سال ایک لکچر سرجارج برڈوڈ کی یادگار مین ہوتا رہتا ہی۔ ابکی سال یہ لکچر سرٹامس ارنلڈ نے دیا، اور اس مین اسلامی ہند کی اس تاریخ پر روشنی ڈالی جو قدیم قلمی تصاویر کے ذریعہ سے ہمارے علم مین آتی ہے۔

سرارنلڈ کہتے ہین، کہ اسلامی ہند مین فقراء وصوفیہ کا بیحد اثر و اقتدار تھا۔ ان کے معتقدین کی تعداد بیشمار ہوتی تھی، اور ہر طبقۂ آبادی پر اسکا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ مختلف سلاسل کے بزرگون کی تصویرین اس وقت بہ کثرت موجود ہین۔ بہت سی تصاویر مین یہ منظر دکھایا گیا ہی، کہ سلطان وقت یا شاہی خاندان کے دوسرے ارکان، بہ کمال تعظیم و احترام ان حضرات کی خدمت مین حاضری دیتے رہے ہین۔ شہنشاہ اورنگ زیب ایک مرتبہ اپنی مملکت کا دورہ کرتے ہوئے، ایک مقام پر وارد ہوئے، جہان کسی مقدس بزرگ کا قیام تھا، اور ان کے پاس اپنا اشتیاق ملاقات کہلا بھیجا۔ اس تاجدار فقر و غنا کا جواب آیا کہ "مین اپنا غرلتکدہ نہین چھوڑ سکتا، بادشاہ کو اگر ملنا ہی، تو خود حاضر ہوتے۔" بادشاہ نے تعمیل کی، اور حسب قاعدۂ اسلام پورے آداب احترام کو ملحوظ رکھا۔

یہ مسلمان فقراء و درویش، اکثر ہندوستانیون کی طرح، آبادیون اور بستیون سے دور، دشت نوردی و صحرا پیمائی مین مصروف رہتے تھے۔ ایک مشہور درویش میان حاتم سنبھلی کی بابت روایت ہے، کہ کامل دس سال تک برہنہ پا برہنہ سر دشت نوردی کرتے رہے، اور اس ساری مدت مین ایک مرتبہ بھی بستر پر نہین سوئے۔ ایک دوسرے درویش شیخ محمد غوث جن کا مزار گوالیار مین ہے

بارہ برس تک چنار کی پہاڑیوں مین غاروں کے اندر، اور درختوں کی پتیوں پر گذر کرتے رہے۔
صحرانوردی کے بعد یہ صوفیہ اگر کہین سکونت بھی اختیار کرتے تھے، تو سنسان حجروں یا ویران جنگلون
مین۔ آخری اسلامی دور مین بعض مزارات، اجتماع معتقدین کے مراکز بن گئے تھے، لیکن تصاویر
مین عموماً بن بیا ہے فقرا ہی پر زیادہ توجہ کی گئی ہے۔

قلمی تصاویر مین وجد وحال کے بھی بہت سے مناظر دکھائے گئے ہین۔ "حال" سے مراد وہ
کیفیت رقص ہے، جو اوقات جوش مین مرشدون پر طاری ہوجاتی تھی۔ علماء ظاہر نے ان مظاہرون
کو بہت سختی سے روکا ہی، اکابر صوفیہ مین سے بھی بعض نے اس کی اجازت دی ہے، اور بعض نے
مکروہ جانا ہی، تاہم ہندوستان کے درویشون مین یہ طریقہ بہت عام رہا ہے، خصوصاً بعض سلسلون
مین جو لوگ اس کے جواز کے قائل ہین، وہ اسکی سند صحابہ کے آثار سے لاتے ہین، مثلاً ایک صحابی کی
بابت یہ روایت ہی، کہ ان کے کان مین جونہی آیت قرانی ان عذاب ربک لواقع ما لہ من دافع کی آواز
آئی، انھون نے زور سے چیخ ماری، اور غش کھا کر گر پڑے۔ اسی طرح کی روایات اکابر صوفیہ کی بابت
بہ کثرت مشہور ہین۔

اسلامی عہد حکومت کے ایک اور پہلو پر بھی ان تصاویر سے روشنی پڑتی ہے۔ اسلامی حکومت
کا ابتدائی دور بت پرست ہندوؤن کے حق مین ایک سخت عذاب تھا۔ لیکن جونہی مسلمان ہندوستان
کو اپنا وطن بناتے گئے، بت شکنی و منافرت مین قدرۃً کمی آتی گئی، تاہم اسکی تفصیل، یعنی اسلام نے
کس حد تک ہندوؤن کے ساتھ رواداری برتی؟ اصولاً کہان تک اسے جائز قرار دیا، اور عملاً
کہان تک اسے نباہا؟ حکومت اور حکام کا طرز عمل کیا رہا؟ اور رعایا کے عام افراد باہم کیونکر پیش آتے
رہے؟ اس قسم کے سوالات کا جواب دینا ابھی مورخ کو باقی ہی۔

مسلمانون اور ہندوؤن کے باہمی تعلقات کے سلسلہ مین داراشکوہ کی شکست فاش کی سرگذشت

ایک درد ناک داستان ہی۔ داراشکوہ مثل اپنے پردادا اکبر کے اس فکر مین تھا، کہ ہندو مت اور اسلام کے درمیان مصالحت کا راستہ نکالے تعجب ہے، کہ اس شہزادہ کی مستقل سوانح عمری پر اب تک کسی مورخ نے توجہ نہین کی ہی۔ اسے اپنی روشن خیالی و رواداری کا، جس کے لئے ملک تیار نہ تھا، کفارہ اپنی جان سے دینا پڑا۔ اگر داراشکوہ کو اپنی تجاویز اتحاد مین کامیابی ہوگئی ہوتی تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی۔ اس کو مسلمان فقرا، اور ہندو سنیاسیون، دونون سے یکسان عقیدت تھی، اور اسلام کا تصوف کی نظر سے مطالعہ کرکے وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا، کہ ہندوؤنکا وحدت وجود، اور اسلامی توحید معنیً بالکل ایک ہی، دونون مذاہب کے اصول کے اتحاد واشتراک پر اوسکا ایک رسالہ بھی مجمع البحرین کے نام سے موجود ہے۔

جن ہندو جوگیون سے اسے عقیدت تھی، ان مین سے بابا لال کا نام تاریخ مین محفوظ ہے۔ یہ جوگی سرہند (پنجاب) کے قریب رہتا تھا، اور اس کے گرد مریدین ومعتقدین کا ایک مجمع رہتا تھا، شہزادہ داراشکوہ جسکی عمر اس وقت ۲۴ سال کی تھی، اسکی شہرت سنکر اس کی خدمت مین پہنچا، اور اس سے بارہا مذہبی مذاکرے رہے، ان مذاکرون کو شہزادہ کے دو ہندو ملازمین قلمبند کرتے گئے تھے چنانچہ اس وقت تک یہ محفوظ ہین اگرچہ کبھی طبع نہین ہوئے ہین۔ دو مختلف مذہب والون کے درمیان، اور مذہب بھی ایسے جن کے درمیان خون کی ندیان حائل رہی ہین، اس قسم کی مصالحت وآشتی کی گفتگو ہندوستانکی مذہبی تاریخ کا نہایت دلچسپ واقعہ ہے۔

قلمی تصاویر جس باہمی رواداری کا نقشہ پیش کرتی ہین، اس کے ضمن مین پنجاب کے دو بزرگون، ایک ہندو، دیال بھون، اور ایک مسلمان جمالی سلطان کی دوستی اور انکی پہلی ملاقات کا دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہی۔ گیرت مین دیال بھون پہلے سے سکونت گزین تھے جب جمالی سلطان نے قدم رکھا، تو دیال بھون نے ایک پیالہ دودھ سے لبالب بھرا ہوا ان کو تحفۃً بھیجا، مقصد یہ تھا کہ یہ شہر زاہدون اور فقیرون سے لبریز ہی، آپکے لئے گنجائش نہین جمالی سلطان اس رمز کو سمجھ گئے جواب مین یہ کہا، کہ اسی بھرے ہوئے پیالہ مین گلاب کی ایک پنکھڑی ڈال کر جو اسکی سطح پر تیرتی تھی، واپس کر دیا۔ (انڈین ریویو)

شاہان اسلام

اور

شوق حیوانات

از مولوی ابوالنصر سید احمد بھوپالی

آج یورپ بلکہ ایشیا تک کا مشکل سے کوئی ایسا متمدن شہر ہوگا جہان زندہ یا مردہ جانورون کا عجائب خانہ نہو، اسکا مقصود انسانون کے علم مین اضافہ اور عجیب وغریب حیوانات کے خواص اور عادات کا مشاہدہ اور مطالعہ ہے، لیکن زمانۂ قدیم مین چونکہ سلطنتین شخصی تھین اس لئے، سلاطین کا ذاتی شوق ان جانورخانون کے قیام کا اصلی سبب ہوتا تھا، اور اس سے علم وہنر کے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوجاتے تھے، اس زمانہ مین جانورون کے پالنے کے مقاصد مختلف ہوتے تھے، یا تو امرا اور سلاطین اپنی بیکاری کے اوقات ان کے ساتھ کھیلنے یا ان کے کھیل تماشے دیکھنے یا ان کے عجیب وغریب حرکات و خصوصیات کے مشاہدہ مین کاٹا کرتے تھے یا وہ ان کو خاص قسم کی تعلیم وتربیت دیکران سے خاص خاص کام لیتے تھے، چنانچہ کتے اور بندر اور شکاری پرند وغیرہ بکثرت اس غرض سے سدھائے اور سکھائے جاتے تھے،

ان اسباب کے علاوہ گذشتہ سلاطین اور امرا کے اس شوق کا مقصد ایک اور بھی رہا ہے اور وہ یہ کہ کھیل تماشون کے علاوہ دربار مین قوت وسطوت و دبدبۂ شاہی کا اظہار اور لوگون کے دلون مین ہیبت اور رعب بٹھانا۔

خلفا ر شاہان اسلام مین سب سے پہلا شخص جس کے اس قسم کے شوق کا تاریخ مین تذکرہ ہے یزید ابن معاویہ ہے۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جو جانورون کے پالنے کا شوق رکھتا تھا۔ اسکو سب سے زیادہ

شوق تسکا کا تھا اس کے یہان بندر، چیتے، کتّے اور شکاری پرند بکثرت تھے۔ ابن طباطبا نے اپنی کتاب الفخری مین کہا ہے:

وکان یلبس کلاب الصید الاساور من	اور وہ کتون کو سونے کے طوق پہناتا اور
الذہب والجلال المنسوجۃ من الذہب	سنہرے کام کی جھولین انھین اڑھاتا اور ہر
ویہب لکل کلب عبداً یخدمہ	کتے کیلئے ایک خادم مقرر کرتا جو اسکی خدمت کرتا تھا

ابن طباطبا نے اس کے متعلق ایک طویل وظریفانہ حکایت لکھی ہے جسکو خوف طوالت سے ہم یہان بیان نہین کرتے جسکو دیکھنا ہو وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کرلے[1]۔

یزید ابن معاویہ کے متعلق جو عجیب بات بیان کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ اسکا ایک بندر تھا جسکی کنیت "ابوقلیس" تھی۔ یہ اوسکی اکل وشرب کی مجلسون مین موجود رہا کرتا اور اس کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ اور دوڑ مین گھوڑون اور شہسوارون پر سبقت لیجایا کرتا تھا اسوقت وہ ایک جنگلی گدھی پر سوار ہوتا اور بیش قیمت اور فاخرہ لباس پہنے ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور دیگر مضحکہ خیز اور عجیب عجیب روایتین اس کے متعلق بیان کیجاتی ہین۔ مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہے:

"اسکا ایک بندر تھا جس کی کنیت "ابوقلیس" تھی وہ اُسکی اکل وشرب کی مجالس مین موجود رہتا تھا اور ایک ہوشیار وشریر بندر تھا۔ وہ "ایک وحشی گدھی پر سوار ہوتا تھا جو سدھائی ہوتی تھی اور زین ولگام کے ذریعہ سے اُسکی مطیع رہتی تھی۔ وہ اُس کے ساتھ "گھوڑ دوڑ کے دن" گھوڑونکا مقابلہ کرتا اور بعض مرتبہ آگے نکل جاتا اور گھوڑون سے پہلے گھوڑ دوڑ کی حد تک پہنچ جاتا اور حجرہ مین داخل ہوجاتا۔ ابوقلیس کے سرخ اور زرد رنگ کے مشہور ریشم کی قبا زیب تن ہوتی تھی اور اُسکے سر پر رنگ برنگ

[1] دیکھو الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ صفحہ ۴۹ و ۵۰

کی دہاریون دار ریشم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ اور اسکی گدھی پر حریر سرخ کا زین ہوتا تھا جو قسم قسم کے رنگون سے چمکدار و منقش ہوتا تھا اسی کی نسبت کسی شامی شاعر نے کہا ہے:

تمسك ابا قليس بفضل عنانها ۔۔۔ فليس عليها ان سقطت ضمان

الا من رأى القرد الذي سبقت به ۔۔۔ جياد امير المؤمنين اتان ہلہ

خلفائے بنی امیہ و بنی عباس مین سے اکثر نے باوجود اختلاف مذاق کے اس جانور پر دری مین یکسان توجہ ظاہر کی ہے ان کو عمدہ اور بیش قیمت کپڑے پہنائے جاتے تھے زیورات سے ان کو آراستہ کیا جاتا تھا، یہانتک کہ بیگمات بھی اسکے اثر سے نہین بچ سکی ہین۔ چنانچہ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ ام جعفر زبیدہ خاتون زوجہ خلیفہ ہارون الرشید کا ایک بندر تھا جس کی خدمت کے لئے تیس آدمی ملازم تھے وہ اُسے انسانو نکا لباس پہناتے اور تلوار اس کے زیب کمر کرتے اور جب وہ سوار ہوتا تو سب اس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے اور جب اس سے ملنے جاتے تو اُسکا ہاتھ چومتے۔ ایک مرتبہ یزید ابن مزید اپنے سفر سے پہلے زبیدہ خاتون کو الوداع کہنے کے لئے آیا تو وہ بندر اس کے نزدیک لایا گیا اور اس سے اُسکا ہاتھ چومنے کو کہا گیا یزید ابن مزید کو یہ بات نہایت شاق گذری اور تلوار نکالکر اس کے دو ٹکڑے کردئے اور چلدیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسکو بلایا اور اُس پر خفا ہوا اس نے جواب دیا کہ "اے امیرالمومنین! کیا خلفا کی خدمت کے بعد مین بندرونکی خدمت کرون؟ نہین! قسم ہے خدا کی یہ ہرگز نہین ہوسکیگا!" خلیفہ نے یہ جواب سنکر اُسے معاف کردیا۔ اسی طرح سے تمام خلفائے عباسیہ، فاطمیہ، اور امویہ اندلس اور ان کے علاوہ دیگر سلاطین مثل سلجوقیہ اور آلِ بویہ کے متعلق بھی یہی قیاس کرنا چاہئے۔ چنانچہ ابن طباطبا نے ذکر کیا ہے کہ سلطان مسعود سلجوقی کو بھی اسکا بیحد شوق تھا وہ کتون کو منقش اطلس کی جھولین اڑھاتا تھا اور سونے کے طوق پہناتا تھا اور کبھی

ہلہ مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ صفحہ ۶۰

امین الدولہ کی طرف کہ جو نصرانی طبیب کے شاگرد کا بیٹا اور ایک ظریف فاضل تھا التفات کم کر دیتا تو وہ کہتا ہے

من کان یلبس کلبہ — وشیا ویقنع لی بجلدی
فالکلب خیر عندہ — منی وخیر منہ عندی [1]

لیکن سانپون چیتون اور ہاتھیون وغیرہ کا بادشاہون اور خلفا کا اپنے محلسراؤن کے دروازون پر بند ھوانا جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے کہ یہ ان کے اُسی قسم کے شوق سے تعلق رکھتا ہے جو وہ اپنی ہیبت و رعب اپنی رعایا کے دلون مین جاگزین کرنے اور اپنے ملک و قوت کے دبدبہ اور سطوت و قدرت کے اظہار کے لئے رکھتے تھے۔ سب سے پہلا شخص جس نے خلفائے عباسیہ مین سے اس کی جانب توجہ کی خلیفہ منصور تھا جو بہت کچھ اہتمام ہاتھیون کے جمع کرنے مین کیا کرتا تھا کیونکہ ہندوستان و ایران کے اگلے بادشاہ ہاتھی کی سواری کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ خود خلیفہ ہارون الرشید کے بہت سے پنجرے (قفس) تھے جن مین سانپ، چیتے اور شیر وغیرہ بند رہتے تھے۔[2]

عرصہ تک خلفا اور ارکین کے شوق کا یہی حال رہا یہان تک کہ دار الخلافہ اقسام اقسام کے درندون چیتون اور کتون سے بھر گیا جب خلیفہ المہتدی نے عنان خلافت ہاتھ مین لی تو وہ چونکہ زہد پیشہ اور متقی تھا اس نے ان درندون کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ ابن اثیر نے اپنی تاریخ مین حوادث ۲۵۵ھ ہجری کے بیان مین لکھا ہے کہ:

امر المھتدی العباسی باخراج — خلیفہ المہتدی نے تمام گویون کو سامرا سے
المغنین من سامرا ونفاھم عنھا — نکالدیئے اور وہان سے ان کو جلا وطن کر کے

---

[1] وہ شخص جسکا کتا منقش کپڑون سے ملبوس کیا جاتا ہے مجھ سے میری کھال پر قناعت کراتا ہے۔ پس اسکا کتا اس کے نزدیک مجھ سے بہتر ہے اور میرے نزدیک اُس سے بہتر ہے۔ الفخری صفحہ ۵ [2] عقید الفرید جلد ۱ صفحہ ۱۵۰۔

وامر ايضاً بقتل السباع التي كانت	حکم دیا اور شیران درندون کو جو دار الخلافة
ببغداد الخلافة وطرد الكلاب[1]	مین تھے قتل کرنے اور کتّون کو نکالدینے کا حکم دیا

لیکن یہ روک عرصہ تک قائم نہین رہی جب خلیفہ المہتدی نے انتقال کیا تو امرا و خلفا دوبارہ ان شکاری جانورون کو جمع کرنے لگے یہانتک کہ ان مین سے بعض نے ان کو اپنے دربارون تک مین بند ہوایا خصوصًا اسوجہ سے اور بھی کہ اُن زمانون مین چلتی ہوئی سیاسی تدبیر (پالیسی) رعب و ہیبت کو رعایا کے قلوب مین جاگزین کرنا اور اس کے ذریعہ سے ناموس مملکت کی حفاظت کرنا تھی چنانچہ اسی نظریہ سیاسیہ کی تشریح مین ابن طباطبا نے کہا ہے:

"کہ ہیبت ہی نظام مملکت کی حفاظت کرتی اور رعایا کے طمع اور لالچ کی نگرانی کرتی ہے اسلئے بادشاہ قیام ہیبت و ناموس مین اژدہون، چیتون، اور ہاتھیون کو باندھکر، بڑے بڑے بگل اور نقارے بجوا کر اور ان کے سرون پر جھنڈے بلند کرا کے مبالغہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ رعب قائم کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ جیسا کہ عضد الدولہ بن بویہ جب اپنے تخت پر بیٹھا تو اژدہے، چیتے اور ہاتھی زنجیرون مین جکڑے ہوئے حاضر کئے گئے تاکہ اس سے لوگون پر خوف و دہشت طاری ہو[2]"

یہ سیاسی تدبیر تمام پھیلی ہوئی تھی اور اس قسم کے جانورون کا انتخاب صرف مشرق ہی مین رائج نہ تھا بلکہ اسکا اثر اندلس تک پہنچ چکا تھا مقری نے کہا ہے:

وقد اتخذ الخليفة الناصر الاموي	اور خلیفہ ناصر اموی نے شہر زہرا مین وحشی
في مدينة الزهراء محلات للوحوش	جانورون اور درندون کیلئے بڑے بڑی
والسباع واسعة الارجاء	گرداؤ کے محلات بنوائے تھے جنکی چہار دیواریان
متباعدة السياج[3]	دور دور پھیلی ہوئی تھین۔

---

[1] الکامل لابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳ ، [2] الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ صفحہ ۲۰ ، [3] مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۲۷۰

اس سے بھی زیادہ دلچسپ خمارویہ ابن طولون کا وہ شوق و توجہ ہے جو اُسکو ان شکاری جانورون کے جمع کرنے اور انکی تربیت و تعلیم مین تھی یہانتک کہ اس نے ان کے لئے ایک خاص مکان بنوایا تھا جسکا نام ”دارالسباع“ رکھا تھا جس کے اوصاف و انتظامات کے دلچسپ حالات مقریزی نے اس طرح بیان کئے ہین:-

”اس ”دارالسباع“ مین طویل طویل مکانات تھے اور ہر مکان مین ایک درندہ اور اسکی مادہ کے رہنے کی گنجایش تھی۔ ان مکانون مین دروازے تھے جو ان کے اوپر سے حرکت دینے سے کھولے جاتے تھے اور ہر مکان مین ایک چھوٹا سا دریچہ تھا جس مین سے وہ آدمی جو اس مکان کی خدمت پر مامور تھا داخل ہوتا اور اس مین زبل کا فرش کرتا۔ ہر مکان مین ایک جانب سنگ مرمر کا ایک حوض تھا جسمین ایک تانبے کے نل سے پانی آتا تھا۔ ان مکانون کے سامنے ایک عریض و وسیع میدان تھا جسمین ریت بچھی ہوئی تھی، اس میدان کی ایک جانب ایک بڑا سنگ مرمر کا حوض تھا جس مین ایک بڑے نل سے پانی آتا تھا۔ جب ان درندون مین سے کسی درندے کا نگران اس کے مکان کو صاف کرنا یا اس کے کہانے کے لئے گوشت کی خوراک رکھنا چاہتا تھا تو مکان کے اوپر کسی ترکیب سے دروازہ کہولدیتا اور جانور پر چلاتا تو وہ جانور میدان مذکور کی طرف نکل جاتا اور پھر وہ اوپر سے دروازہ لگا دیتا۔ جانور بھی اسکو جان گیا تھا پس جون ہی نگران دروازہ کھولتا شیر اس مین داخل ہو جاتا اور گوشت سے جو کچھ اس کے لئے مہیا کیا جاتا اسے کہاتا یہان تک کہ سیر ہو جاتا اور ضرورت کے مطابق پانی پی لیتا۔ یہ تمام مکانات درندون سے بھرے ہوئے تھے اور ان کے اوقات مقرر تھے جن مین ان درندون کے تمام مکانات کھولے جاتے اور یہ جانور اس میدان کیطرف نکالے جاتے اور اس مین چلائے جاتے پس وہ نکلتے اور کھیلتے اور ایک دوسرے پر دبکتے تھے وہ اس مین اسی طرح سے دن بھر

رات تک رہتے یہان تک کہ ان پر نگران پھر چلاتا تو ہر ایک جانور اپنے مکان مین داخل ہوجاتا اور دوسرے کے مکان مین جانیکی غلطی نہ کرتا۔[1]

خمارویہ کے ان جانورون مین سے ایک جانور تھا جو اس سے بہت مانوس ہوگیا تھا اس کا نام اس نے "زریق" رکھا تھا۔ یہ جب خمارویہ سو جاتا تو اسکی حفاظت مین پہرہ دیتا اور مکان مین کھلا ہوا آزاد پھرا کرتا مگر کسی کو نہین ستاتا تھا۔ مقریزی نے اسکی نسبت بیان کیا ہے :-

"اور ان تمام درندون مین ایک درندہ تھا ازرق چشم جسکو "زریق" کہتے تھے۔ یہ خمارویہ سے مانوس ہوگیا تھا اور مکان مین آزاد پھرا کرتا کسی کو ستاتا نہین تھا۔ اسکو اس کی خوراک روزمرہ کی غذا مین سے دیجاتی تھی۔ جب خمارویہ کا دسترخوان بچھایا جاتا تو زریق اس کے ساتھ آجاتا اور خمارویہ کے سامنے بیٹھ جاتا۔ خمارویہ اس کے سامنے مرغی پر مرغی اور بکری کے نوعمر بچے کی گوشت کا اچھا اچھا فضلہ یا اسی کے مانند اور جو دسترخوان پر موجود ہوتا پھینکتا جاتا اور وہ اسکو مزے کے ساتھ کہاتا جاتا۔ اسکی ایک مادہ بھی جو ایسی مانوس نہ تھی جیسا کہ وہ تھا پس وہ اپنے ہی مکان مین بند رہتی تھی اور ایک خاص وقت تھا جسمین یہ اس کے ساتھ اس مین رہتا تھا۔ جب خمارویہ سو جاتا "زریق" آتا اور اسپر پہرہ دیتا۔ اگر وہ تخت پر سو جاتا تو یہ تخت کے سامنے بیٹھ جاتا اور اس کی نگہبانی جب تک کہ وہ سوتا رہتا کرتا رہتا۔ اور اگر وہ زمین پر سو جاتا تو وہ اس کے پاس رہتا جو شخص داخل ہوتا اور خمارویہ سے ملنے کا ارادہ رکھتا اسکو وہ آگاہ کر دیتا اور اس سے ایک لحظہ کے لئے بھی غافل نہین رہتا یہی اسکی عادت تھی اور وہ اس سے مانوس اور اسکا خوگر ہوگیا تھا۔ اسکی گردن مین سونیکا ایک طوق پڑا رہتا تھا۔ کوئی خمارویہ کے قریب جبتک کہ وہ سوتا رہتا زریق کی

---

[1] المقریزی صفحہ ۳۱۷ جلد ۱۔

نگہبانی اور پہرہ داری کی وجہ سے نہین جاسکتا تھا، حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے خمارویہ کی موت کا حکم نافذ فرمایا تو خمارویہ دمشق مین تھا اور زریق اس سے علحدہ مصر مین لہ۔

بعض امرا اور سلاطین کو دوسرے مہلک جانورون مثلاً سانپ وغیرہ سے شوق تھا، تواریخ مین اس عشق و شوق کے واقعات بکثرت مدون ہین، چنانچہ مقریزی نے خطط مین اور صلاح الکتبی نے "فوات الوفیات" مین وزیر جعفر بن فضل بن فرات کی نسبت کہ جو اخشید المعروف بہ ابن خرابہ کا مصر مین وزیر تھا روایت کی ہے کہ :-

"وہ حشرات الارض مثل سانپ، بچھو، اژدہے، اور کنکھجورون یا اس کے مانند دیگر حشرات کے دیکھنے کی بہت ہوس رکھتا تھا۔ در مصر مین اس کے مکان مین نہایت عمدہ سنگ مرمر کے فرش کا دو میدان تھا اس مین یہ سانپ سوراخون مین رہتے تھے اور ان کے لئے نگران فراش اور منتردان مقرر تھے جو حکم ملنے پر ان سانپون کو ادھر ادھر ہٹانے اور منتقل کرنے پر نوکر تھے۔ اور ہر ایک منتردان مصر مین جسقدر بھی اس سے ہو سکتا تھا سانپون کو پکڑتا تھا اور وہ لوگ زیادہ تر انکی ان اقسام مین سے پکڑتے تھے جو پسندیدہ، بڑے، اور عجیب ہوتے تھے۔ اور وزیر ان کو اس پر بڑے بڑے انعام اور بہت کچھ مال و دولت دیتا تاکہ وہ ان کے حصول مین کوشش کرین۔ اور اسکا ایک خاص وقت تھا کہ اسوقت مین وہ ایک بلند چبوترہ پر بیٹھتا تھا اور پھر یہ نوکر اور منتردان وہان داخل ہوتے تھے اور سانپون کو لڑواتے تھے اور وہ اس سے خوش ہوتا اور پسند کرتا تھا" ۲۔

اس کے علاوہ کثرت سے ایسی مثالین موجود ہین جو تاریخون کے اوراق مین بکھری پڑی ہین جن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سے مختلف بادشاہون کو مختلف زمانون مین خاص

لہ المقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۴۱۔ ۲ المقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۴۲۔

خاص اقسام کے حیوانات سے شوق رہا ہے اور نہ صرف خاص خاص اقسام کے بلکہ بعض بادشاہون کو تو جمیع اقسام کے حیوانات کا شوق رہا ہے۔ جیساکہ ابن خلکان نے خلفائے فاطمیہ مین سے خلیفہ العزیز باللہ فرمانروائے مصر کی نسبت بیان کیا ہے:

وکان عندہ من غرائب الحیوانات	اور اس کے نزدیک انواع واقسام کے
مالم یجتمع عند غیرہ وذکروا	حیوانات تھے جو کسی دوسرے کے نزدیک
بینھا العنقاء[1]	جمع نہ ہوئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان
" " " " "	حیوانات مین "عنقاء" بھی تھا۔

ہندوستان کے تیموری سلاطین مین اکبر اور جہانگیر کو حیوانات کا بہت شوق تھا،

اکبر جو ابتدا سے بڑا دلیر، بہادر اور جفاکش تھا حیوانات سے عموماً اور کبوترون، گھوڑون ہاتھیون اور چیتون سے خصوصاً بے انتہا شوق رکھتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے دنیائے فانی سے کوچ کیا تو اس کے ذاتی متروکات مین سے حیوانات کا ایک بڑا ذخیرہ بھی تھا، جیساکہ خافی خان نے منتخب اللباب مین لکھا ہے:

"در وقت وفات محمد اکبر بادشاہ زیادہ از پنج ہزار فیل کہ گاہ قریب شش ہزار می رسد در فیلخانہ او موجود بود و دوازدہ ہزار اسپ در طویلہ و ہزار یوز در چیتہ خانہ داشت[2]"

اکبر نے اپنی زندگی مین ہر چند اس امر کی کوشش کی کہ چیتونکی تعداد کسی طرح ہزار تک پہنچائے لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس کو کبھی اس مین کامیابی نہ ہوئی۔ جب کبھی اس نے کوشش کرکے انکی تعداد پوری کی، ان مین سے دو چار بیمار ہو کر ضرور مر گئے چنانچہ خافی خان نے آگے چل کر لکھا ہے کہ:

---

[1] تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۶، [2] منتخب اللباب مطبوعہ کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۳

"واما گویند کہ ہرچند خواست ہزار چیتہ شود میسر نی آمد یک دو یوز را آفت رسید"[1]

یہ تمام چیتے، ہاتھی، اور دیگر جانور نہایت سدھے ہوئے تھے۔ اشارون پر کام کرتے تھے، زردوزی کمخواب ومخمل کے لباسون مین ملبوس رہتے تھے اور سونے چاندی کے طوق وزنجیرین اُن کے گلون مین پڑی رہتی تھین۔

اکبر ہاتھیون، اور گھوڑون، اور چیتونکا بڑا ہی دلدادہ تھا جہان کہین ملتے فوراً لے لیتا تھا شیر چیتے، بارہ سنگھے، ہرن، اور کبوتر وغیرہ وغیرہ ہزارون جانور اس نے بڑے شوق سے پالے تھے۔

جانورون مین مست ہاتھیون، شیرون اور ہاتھیون، ارنے بھینسون، گینڈون اور ہرنون کی لڑائی دیکھنے کا بڑا ہی شائق تھا باز بہری، جرے اور باشے بھی اس نے پال رکھے تھے ان کو بھی وہ اڑاتا تھا۔ اکثر جانورون کے نام اس نے انکی کیفیت لڑائی وسیرت کے مطابق رکھے تھے۔

ان مین سے ہر قسم کے جانورون کے لئے اُس نے علٰحدہ علٰحدہ مکانات بنوائے تھے۔ چنانچہ فتحپور سیکری مین ان مین سے بعض کے آثار اب تک باقی ہین۔ ان مین سے ایک اصطبل خانہ ہے جو بیربل کے محل کے قریب سنگین بنا ہوا ہے۔ اس مین شرقاً و غرباً تیئیس تیئیس در والے دو دالان اور جنوباً، در والا ایک والان بنا ہوا ہے۔ اور ہر در مین دو گھوڑونکے تھان کی جگہ ہے۔ صحن مین گھوڑون کے پانی پینے کے لئے ایک پختہ وسنگین نالی اور ہر گھوڑے کے لئے گھاس کے واسطے دیوار مین کچھ بلندی پر ایک الماری بنی ہوئی ہے۔ اس مین خاصہ کے نایاب وبہترین گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اسی سے ملا ہوا ایک شتر خانہ ہے جس مین خاصے کے اونٹ رہتے تھے[2]۔

نیز فتحپوری مین سکتال (حوض شیرین) کے سامنے نگر کی سڑک کے شمالی جانب ایک فیل خانہ بنوایا تھا۔ افسوس کہ یہ اب بالکل منہدم ہوگیا اور اس کے آثار مین سے اب صرف

---

[1] منتخب اللباب مطبوعہ کلکتہ جلد اصفحہ ۲۴۳ [2] آثار اکبری صفحہ ۱۲۴ و ۱۲۵۔

چند ستون باقی ہین[1]

اکبر کو کبوترون کا بھی کچھ کم شوق نہ تھا چنانچہ اُس نے اُن کے لئے ایک علحدہ کبوتر خانہ بنوایا تھا جس مین انواع و اقسام کے کبوتر دور دور سے منگوا کر رکھے تھے عبداللہ خان اُذبک والی توران کو لکھکر اکبر نے وہان سے گرہ باز کبوتر منگوائے تھے۔ اس کبوتر خانہ کے آثار فتحپوری مین ہتیاپول اور سنگین برج کے پاس اب تک باقی ہین[2]،

آئین اکبری مین جہان دیگر مختلف امور کے ضوابط و آئین لکھے گئے ہین وہان کبوترون کے بھی ہین۔ اور ابوالفضل نے انھین "آئین نشاط بازی" کے عنوان سے لکھا ہے[3]۔ نیز اکبر نامہ مین ابوالفضل نے ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ "ایک دن کبوتر اُڑ رہے تھے اور بازیان کر رہے تھے اور اکبر انھین دیکھ رہا تھا ایک خاصہ کے کبوتر پر ایک بھری گری۔ اکبر نے للکار کر آواز دی کہ خبردار! بھری جھپٹا مارتے مارتے رُک کر ہٹ گئی اور پھر نہ آئی[4]"۔ رقعات ابوالفضل مین بھی ایک فرمان عبدالرحیم خانخانان کے نام درج ہے جس مین شروع سے لیکر آخر تک کبوترون ہی کا تذکرہ ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ ایک ایک کبوتر کا نام بنام حال لکھا ہے[5]،

علاوہ اس سیر و تفریح کے اکبر ان جانورون سے اظہار دبدبہ اور شان و شوکت کا بھی کام لیتا تھا۔ جب اسکی سواری نکلتی تو اس کے ساتھ ان مین سے اکثر جانور سونے چاندی کے زیورون سے آراستہ اور زر قبرتی کپڑون مین ملبوس نکالے جاتے تھے۔ دربار اکبری مین مولوی محمد حسین آزاد مرحوم نے اپنے مخصوص طرز بیان مین سواری کا حال خوب بیان کیا ہے:-

"اب دولھا کے سامنے عروس دولت کی بارات گذرتی ہے۔ نشان کا ہاتھی آگے اس کے

---

[1] آثار اکبری صفحہ ۱۳۹، [2] ایضاً صفحہ ۱۴۱ [3] دیکھو آئین اکبری [4] اکبر نامہ

[5] دیکھو ابوالفضل دفتر اول صفحہ ۴۸، ۴۹، ۵۰

بعد اور ہاتھیون کی قطار۔ پھر ماہی مراتب اور اور نشانون کے ہاتھی۔ جنگی ہاتھیون پر فولادی پاکھرین پیشانیون پر ڈھالین۔ بعض کی مستکون پر دیوزادی نقش ونگار۔ بعض کے چہرون پر گینڈون، آرنے بھینسون اور شیرونکی کھالین کلون سمیت چڑھی ہوئی۔ ہیبت ناک صورت ڈراونی مورت۔ سونڈون مین گرز۔ برچھیان تلوارین لئے۔ سانڈنیونکا جن کے سوسوکوس کے دم سلسلۂ گردن کھنچی سینے تنی جیسے لقا کبوتر۔ پھر گھوڑون کی قطارین عربی، ایرانی، ترکی ہندوستانی آراستہ پیراستہ سازو یراق مین غرق۔ چالاکی مین برق اچھلتے، مچلتے، کھیلتے، کودتے شوخیان کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر شیر پلنگ چیتے گینڈے بہتیرے جنگل کے جانور سدھے سدھائے شائستہ۔ چیتونکے چھکڑون پر نقش ونگار گل گلزار۔ آنکھون پر زردوزی غلاف۔ وہ اور بیل کشمیری شالین مخمل وزربفت کی جھولین اڑھے۔ سرون پر کلغیان اور تاج۔ سینگ مصورونکی قلمکاری سے قلمدان کشمیر۔ پاؤن مین جھانجن گلے مین گھنگرو چھم چھم کرتے چلے جاتے تھے۔

پھر خاصے کے ہاتھی آتے ان کی زرق وبرق کا عالم اللہ اللہ آنکھون کو چکا چوندی آتی تھی، موتی اور جواہر ٹنکے۔ زیورون مین لدے پھندے قوی ہیکل سینون پر سونیکی ہیکلین لٹکی سونے چاندی کی زنجیرین سونڈون مین ہلاتے۔ جھومتے جھامتے خوشیان مستیان کرتے چلے جاتے تھے[۱]۔

اکبر خود اس قدر دلیر تھا کہ بسا اوقات جنگلون مین شیر کا تلوار سے مقابلہ کرتا تھا اور مست سرکش اور خونی ہاتھیون کو جن کے زیر کرنے سے سب عاجز آچکتے تھے وہ آن کی آن مین زیر کر لیا کرتا تھا چنانچہ جہانگیر نے تزک مین لکھا ہے:

شجاعت ودلیری ودلاوری ایشان بغایتے بود کہ بر فیلان مست وسرکش سواری

---

[۱] دربار اکبری صفحہ ۴۳۴ و ۴۴۱،

می فرود ند و بعضے فیلان خونی را کہ مادہ خود را نزد خود نمی گذاشتند با آنکہ ہر چند فیل بدخو باشد تعرض بمادہ فیل و فیلبان نمیرساند در حالتے کہ فیلبان و مادہ فیل را کشتہ باشد و او را نزد خود نگذارد در قید اطاعت در می آوردند و بر دیوارے یا درختے کہ رہگذران فیل بعادت را کشتہ از قید اطاعت آن برآں می بود و از پہلوئے آن دیوار یا درخت می گذشت تکیہ بر لطف ایزدی نمودہ خود را برپشت او می انداختند و بمجرد سوار شدن او را بقید ضبط آوردہ رام می نمودند مکرر این معنی مشاہدہ شدہ[1]

غرضیکہ اکبر کو حیوانات کا بے انتہا شوق تھا اور اس نے ہر قسم کے جانور چرند پرند وغیرہ جمع کئے تھے جنکا مفصل حال ابوالفضل نے آئین اکبری مین ایک علحدہ باب کے تحت مین درج کر دیا ہے جسے ہم خوف طوالت اور قلت گنجایش کی وجہ سے یہان نقل نہین کر سکتے ناظرین کتاب مذکور مین ملاحظہ فرما سکتے ہین۔

جہانگیر بھی بفحوائے "الولد سر لابیہ" حیوانات کا کچھ کم شوقین نہ تھا لیکن اسکا میلان زیادہ تر نادر و عجیب الخلقت جانورون کے جمع کرنے کی جانب تھا اس لئے اسکا جانور خانہ حقیقت مین ایک "عجایب خانہ" تھا اگرچہ مورخین نے اپنی کتابون مین اس کے اس شوق کے متعلق اس تفصیل کے ساتھ حالات کو یکجا جمع نہین کیا ہے جیساکہ اکبر کے متعلق مگر تاہم اس کے متعلق ہمین جستہ جستہ حالات خود جہانگیر کی زبانی تزک جہانگیری مین ملتے ہین۔

جہانگیر کو بمضمون "جوئیندہ یابندہ" جانور بھی ایسے مل جاتے تھے جو بالکل عجیب و نادر اور غیر معمولی خلقت کے ہوتے تھے چنانچہ ۳ جلوس مین راجہ نرسنگ دیو نے ایک سفید چیتا پیش کیا تھا جس کے متعلق وہ لکھتا ہے:-

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۰

"راجہ نرسنگ دیو یوز سفیدے آوردہ گذرانید اگرچہ دیگر انواع حیوانات پرندہ وچرندہ جنس سفید کہ آن را طویغان گویند پیدا می شود غاتیا یوز سفید دیدہ نہ شدہ بود[1]"

نیز اس کے علاوہ اس کے چڑیا خانہ مین شاہین - باشہ - شکرا - کنجشک - کوا - بٹیر - تیتر - پودنہ - طاؤس اور باز بھی خلاف معمول سفید رنگت کے موجود تھے[2]

اس کے جانور خانہ مین ایک عجیب وغریب بکرا تھا جو ایک چائے کے پیالہ کی مقدار کے برابر ہر روز دودھ دیتا تھا جہانگیر اسے اسطرح بیان کرتا ہے:

"یکے از نربابیان کہ قبیلہ مقرراند بر خصی بنظر گذرانید کہ بطریق نرمادہ پستان داشت ومقدار یک پیالہ قہوہ خوری ہر روز شیری داد[3]"

اسے قریباً طوطی کے برابر وزیرآباد سے ایک ایسا پرند ملا تھا جس کے عجیب وغریب خواص تھے مثلاً وہ پانی مطلق نہین پیتا تھا کیونکہ پانی اس کے حق مین زہر قاتل کا کام کرتا تھا۔ اور وہ رات بھر درخت کی شاخ سے الٹا لٹک کر چہچہاتا رہتا تھا اور صبح سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا تھا[4]

اس کے فیل خانہ مین ایک سب سے بلند ہاتھی تھا جسکو اکبر نے پکڑوایا تھا اس ہاتھی کا نام گجراج تھا - جہانگیر نے اسکا قد سات گز شرعی اور آٹھ انگل تبلایا ہے (ایک گز شرعی ۲۴ انگل کا ہوتا تھا)[5]

اگرچہ اکبر کو بہ نسبت جہانگیر کے جانورون کا شوق زیادہ تھا اور اس نے کثرت سے نر اور مادہ جانور اس تمنا مین جمع بھی کئے کہ اس کے جانور خانہ ہی مین وہ بچے جنین لیکن باوجود اسکی ہر کوشش وتمنا کے شیرنی نے اور ہتھنی نے کبھی بچے نہ دئے مگر جہانگیر کے زمانہ مین شیرنی اور ہتھنی دونون نے بچے دئے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:

[1-2] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور صفحہ ۶، [3] تزک جہانگیری صفحہ ۷۵،

[4] تزک جہانگیری صفحہ ۱۴۴، [5] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ۲۴۶،

"... مادہ شیرے آبستن شد و بعد از سہ ماہ سہ بچہ زائید و این ہرگز نہ شدہ کہ شیر جنگلی بعد از گرفتاری بہ جفت خود جمع شدہ باشد"[1]

ہتنی کی نسبت لکھتا ہے:

"شب یکشنبہ مادہ فیلے از فیل خانہ خاصہ درحضور من زائید۔ مکرر فرمودہ بودم کہ تحقیق مدت حمل نمایند آخر الامر ظاہر شد کہ بچہ مادہ یک سال و شش ماہ و بچہ نر نوزدہ ماہ در شکم مادر می ماند بخلاف تولد آدمی کہ اکثر بچہ از شکم مادر بہ سر فرو می آئند بچہ فیل اکثر از پا بر می آید"[2]

یہ تمام شیر و ہاتھی وغیرہ اکثر تربیت یافتہ اور سدھائے ہوئے تھے اور اس طرح سے مانوس و مطیع کر لئے گئے تھے کہ آدمیون مین چھٹے پھرتے تھے لیکن کسی کو مضرت نہین پہنچاتے تھے چنانچہ جہانگیر لکھتا ہے:

"شیران بہ نوعے رام گشتہ اند کہ بے قید و بے زنجیر گلہ گلہ درمیان مردم میگردند و ضرر ایشان بمردم نمی رسد"[3]

اس کے چیتہ خانہ مین ایک ایسا شیر بھی تھا جو بالکل خلاف امید ایک بکری سے اس قدر مانوس تھا کہ بلا اس کے بسر نہین کر سکتا تھا چنانچہ وہ دونون اس لئے ایک ہی پنجرہ مین بند کئے جاتے تھے جہانگیر نے اس کے متعلق بیان کیا ہے کہ:

"... با بزالفت گرفتہ در یک قفس می باشد و باآن بز نہایت الفت و محبت ظاہر می سازد۔ و بہ دستورے کہ حیوانات جفت می شود در بز را در آغوش گرفتہ حرکت می کند حکم کردند کہ آن بز را مخفی داشتند فریاد و اضطراب بسیار ظاہر می ساخت"[4]

نیز ایک بکری تھی جو ایک لنگور سے مانوس تھی حتیٰ کہ اگر وہ اس سے جدا کیا جاتا تھا تو وہ بکری اسکی جدائی کی وجہ سے نہایت درد کے ساتھ چلاتی تھی علیٰ ہذا یہی حال اس لنگور کا بھی ہو جاتا تھا[5]۔

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۸۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۱ [3] ایضاً صفحہ ۴۰۹ [4] ایضاً [5] ایضاً صفحہ ۲۲۳

غرضیکہ جہانگیر کو حیوانات کے پالنے کا کامل شوق تھا چنانچہ جب کوئی اسکو سلطنت کے امرار و رؤسا مین سے اس قسم کی کوئی چیز پیش کرتا تو وہ اس سے بہت خوش ہوتا تھا ساتھ ہی اسکے وہ اپنے اس شوق کے پورا کرنے مین بے دریغ روپیہ بھی صرف کرتا تھا چنانچہ مقرب خان کو بندر کھمبات مین بھیجا تو تاکید کی کہ:

"ہر نفائسے کہ درآن جا بدست آید جہت سرکار خاصہ شریفہ خریداری نماید حسب الحکم باستعدادِ تمام بکودہ رفت و مدتے درآنجا بودہ نفائسے کہ درآن بندر بدست افتاد اصلا روئے زر ندیدہ ہر قیمت کہ فرنگیان خواستند زر دادہ گرفت[1]"

زمانہ کا ابتدا سے یہ دستور رہا ہے کہ حاکم وقت کا جسطرف رجحان و میلان ہوتا ہے، جن چیزونکا وہ شوق کرتا ہے تمام امرا، و رؤسا، اور رعایا بھی اسی طرف مائل ہوجاتے ہین اور سب انھی چیزونکا شوق کرنے لگتے ہین عربی کی مشہور مثال الناس علیٰ دین ملوکھم کے یہی معنی ہین چنانچہ اس زمانہ مین بھی تمام ارکین و امرا، رؤسا، وحکام اسی قسم کا شوق رکھتے تھے۔

لیکن آج جبکہ زمانہ کے انقلابات سے سلطنت مغلیہ اسطرح سے مٹ چکی ہو کہ اس کے حالات واحوال دریافت کرنے کیلئے بجائے اسکے کہ ہم اس کے شاہی خاندان کی بچی کھچی نسل سے سینہ بسینہ آنیوالی روایات سنتے ہین کتابون، پرانی عمارتون اور کھنڈرونکی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہی جنکی زبان حال انکے بانیون کی عظمت و بزرگی کی شہادت دے رہی ہے، اس اٹھارہ لاکھ مربع میل کی سطح پر اب بھی شاذ و نادر بعض ایسے مناظر موجود ہین کہ جو باوجود باد خزان کے پے درپے آنیوالے طوفان کے کسی نہ کسی طرح ابتک بچے ہوئے ہین۔ کلکتہ کا چڑیا گھر اب بھی ہمین مرحوم واجد علیشاہ اور نہ صرف واجد علیشاہ بلکہ عہد مغلیہ کے صوبہ داروں کے شوق و شغف کی یاد دلا رہا ہی جلپور کا عجائب گھر اب بھی ہمارے دلون مین مغلیہ خاندان شاہی کے اس فیضان صحبت کی یاد تازہ کر رہا ہی جس نے والیان جلپور مین اسکے قائم کرنے کا شوق پیدا کیا،

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۰۵

تلخیص و تبصرے

پیڈوا یونیورسٹی اور ہندوستان

حال ہی مین اٹلی کی قدیم ترین جامعہ پیڈوا نے ۱۴ مئی سے، آٹھ اپنی ساتوین صدی کی برسی منائی، اس موقع پر ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون اور مشرقی انجمنون کو دعوت دی گئی تھی، یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اطالوی و ہندوستانی یونیورسٹیان ایک دوسرے سے قریب تر ہوتی جاتی ہین؛ ہندوستان کے نام رقعہ دعوت سنسکرت مین تھا، کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سراسوتوش مکرجی نے اس دعوت کی اہمیت اور اس کی بین الاقوامی خصوصیت دیکھکر اپنی یونیورسٹی کے تین فرزندون کو اپنی مادر علمی کی نمایندگی کے لئے نامزد کیا، تاکہ وہ پیڈوا کی علمی و تاریخی مجلس مین، جس مین تقریباً چالیس ملکون کی علمی مجالس کے نمایندے موجود تھے شریک ہون؛ یہ تین بزرگ ڈاکٹر ڈی۔ این ملک، ڈاکٹر پھنندر ناتھ گھوش پروفیسر طبیعیات اور پروفیسر سنتی کمار چٹرجی، پروفیسر السنہ ہندیہ تھے، یہ تینون بزرگ لندن، برلن اور پیرس مین موجود تھے اور انھون نے دنیا کی اس بے نظیر مجلس مین کلکتہ یونیورسٹی اور ہندوستان کی نمایندگی کی؛

اگرچہ تمام کام رسمی تھے، لیکن یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یورپ کی ایک قدیم ترین یونیورسٹی نے دنیائے علم مین، ہندوستان کو بھی مساویانہ درجہ کے قابل سمجھا ہے؛ خاص رسوم جن مین خود شہنشاہ اٹلی شریک تھے ۱۵ مئی کو ادا کی گئین؛ نمایندون مین منتخب لوگون کو پیڈوا کو مبارکباد پیش کرنے کا موقع دیا گیا تھا؛ ان کے لئے مختلف جماعتین بنائی گئی تھین اور ہر جماعت مین کئی کئی ملک شامل تھے

اور ہر مقرران تمام ملکون کی نمایندگی کرتا تھا، (۱) ایشیا (ہندوستان وچین) (۲) لاطینی اقوام (فرانس بلجیم ،اسپین، پرتگال، رومانیہ اور جنوبی امریکہ کی ریاستین،) (۳) شمالی ومشرقی یورپ کی اقوام (ہالینڈ، ڈنمارک، ناروے، سیوئیڈن، فنلینڈ، استھونیا، لیٹونیا، لیتھونیا اور ہنگری) (۴) حکومت برطانیہ کی انگریزی بولنے والی اقوام (انگلستان مع اسکاٹلینڈ، ویلس، کناڈہ، اسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور جنوبی افریقہ،) (۵) جرمنی (۶) ریاستہائے متحدہ امریکہ (۷) سلویک اقوام (روس پولینڈ، زیکوسلاویک، یوگوسلاوک اور بلغاریہ) (۸) جامعہائے اطالیہ،

ہر مقرر کو اپنی زبان مین تقریر کرنی پڑتی تھی اور اس مجلس کی بین الاقوامی خصوصیت کے شایان شایان بھی یہی تھا؛ مقررون کی ترتیب قرعہ کے ذریعہ طے کی گئی اس مین سب سے پہلے ایشیا پڑا، اور ہندوستان کو ایشیا کی نمایندگی کا فخر عطا کیا گیا، چنانچہ اولین مقرر کلکتہ یونیورسٹی کا نمائندہ تھا؛ مناسب موقع ایک اڈریس تیار کیا گیا تھا اس مین ہیڈوا کو مبارکباد دینے کے علاوہ یہ بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کی یونیورسٹیان جہان ملک کے قدیم ذوق وشوق علم کی مظہر ہین، وہین انکا یہ بھی خیال ہے کہ موجودہ سائنس اور جدید طریقون کو بھی اپنے یہان روشناس کرکے اپنی ٹکسیلہ و نالندہ کی قدیم یونیورسٹی کی طرح پھر طالبان علم کو اپنی طرف متوجہ کرینگے اڈریس اپنشد کی مشہور دعا کے الفاظ "سہانواداتو دوہ" کے الفاظ پر ختم ہوتا ہے؛ اس کے ساتھ اس بات کی بھی امید ظاہر کی گئی تھی کہ مشرق ومغرب کی یونیورسٹیون کے نمایندون کے اس اجتماع سے جو علم کی زیارت گاہ کے مساوی زائر ہین، دنیائے علم وحکمت مین بہت کچھ مفید نتائج پیدا ہونگے کیونکہ یہی وہ مملکت ہے جس کے حدود مقرر ہین اور حقیقی معنون مین بین الاقوامیت کی بنیاد قائم کرتی ہے؛

نمایندون کا خیال تھا کہ ہندوستانی اڈریس سنسکرت یا ہندوستانی مین ہونا چاہئے لیکن

جب یونیورسٹی کا رقعۂ دعوت سنسکرت مین ملا تو اس کے حق مین فیصلہ کردیا گیا اور پروفیسر پرسرام لکشمن ودیا نے جو فرگسن کالج پونا کے پروفیسر سنسکرت اور کلکتہ یونیورسٹی کے پالی زبان مین ایم اے ہین اور اندنون پروفیسر ڈیلاولی فونسن کے ساتھ بدھی فلسفہ کے مطالعہ مین مشغول ہین، اڈریس کو سنسکرت کا جامہ پہنایا؛ یہ اڈریس دیوناگری خط مین لکھا گیا اور تمام نمائندون سے پہلے پروفیسر چٹرجی نے، ہندوستانی یونیورسٹیون کی طرف سے اسے پڑھا؛ لاطینی، فرانسیسی، اطالوی، انگریزی اور جرمن زبانون مین تقریرین ہوئین اور سنسکرت کی شمولیت نے ایک خاص اثر پیدا کردیا؛

مختلف یونیورسٹیون کے نمائندون نے ہندوستان کے متعلق بہت کچھ دلچسپی کا اظہار کیا اور طلبہ تو بہت ہی پاؤگرویدہ نظر آئے، وہ ڈاکٹر ٹیگور کے بڑے مداح ہین، طلبائے یورپ کے دلون مین جگہ پانے کے لئے ٹیگور کا نام پاس پورٹ (پروانۂ راہداری) ہے؛ تمام لوگون نے اس علمی مجلس مین تین ہندوستانی پروفیسرون کی شرکت کو بڑی خوشی سے دیکھا، ڈاکٹر ملک، گھوش اور چٹرجی کو پروفیسرون اور طالب علمون سے ہندوستان کی علمی بیداری اور موجودہ علمی مجالس کے کارنامون پر گفتگو کرنیکا موقع ملا؛ اکثر طلبا نے بہت کچھ سرگرمی کا اظہار کیا اور ان پروفیسرون کو ان طلبار کے لئے سینکڑون مرتبہ دیوناگری یا رومن مین ہندی حروف تہجی لکھنے پڑے؛ انکا خیر مقدم نہایت پرجوش تھا؛ پیڈوا کے اساتذہ، طلبا اور باشندون نے جو اپنی یونیورسٹی کی قدامت کو فاخرانہ نظر سے دیکھتے ہین خوب دل کھولکر اس مین شریک ہوئے؛ یونیورسٹی کے رکٹر ڈاکٹر لوکنلس جو اس مجلس جشن کے سکرٹری بھی تھے اور پروفیسر بلینی (پیڈوا کے استاد سنسکرت) مجسم اخلاق و سراپا تواضع تھے، پروفیسر بلینی علم ہندیات کے ماہر کامل ہین اور ہندوستانی تمدن کی تمام خوبیون کے معترف ہین؛ بعض نمائندون کو پیڈوا یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹریٹ کا اعزاز بھی دیا گیا اور ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر پی۔ این گھوش کو یہ عزت حاصل ہوئی

ہندوستان مین ایسے لوگ بہت کم ہین، جواس بات سے واقف ہون کہ اہل اطالیہ کے لئے ہندوستان مین کس قدر کشش ہے؛ مشہور مستشرق گوریشو کے وقت سے جس نے گذشتہ صدی کے نصف آخر مین، رامائن کو اطالوی زبان کا جامہ پہنا کر پیش کیا ڈاکٹر ٹیسی ٹوری کے وقت تک، جنکی بے وقت موت نے ہم سے السنۂ ہند و ہندیات کا بہترین ماہر چھین لیا، اٹلی مین جو یورپ کا ہندوستان ہے کتنے ہی طالبان ہند پیدا ہوئے ہین؛ جرمنی کے علاوہ جتنی جگہ اٹلی مین سنسکرت کی تعلیم ہے شاید ہی کسی دوسرے حصۂ یورپ مین ہو؛ پروفیسر بلانی (پیڈوا) پروفیسر بلانی (پیسا) پروفیسر سولی (فلاونس) ڈاکٹر ویلوری اور ڈاکٹر ٹوسی وہ چند اہل علم ہین جو جامعہ رومہ کے سنسکرت کے ماہر ڈاکٹر کارلو فامبشی کے زیر ہدایات تعلیم پاکر علم ہندیات کے مطالعہ و تحقیقات مین مشغول ہین؛ ڈاکٹر کارلو نے جنہون نے اپنے کو ہندوستان کی ادبیات اور وہان کی سائنس کے لئے وقف کر دیا ہے، ۱۹۲۲ء مین رومن اکاڈمی کے علم الالسنہ کی اعلیٰ ترین اعزازی ڈگری حاصل کی ہے؛ پس ہماری یونیورسٹیون اور علمی مجالس کے لئے یہ بہت آسان ہے کہ وہ اس اتحاد مذاق کی بناپر ایطالیہ سے علمی ارتباط و اتفاق پیدا کرلین؛

یہ اس مشہور قدیم ایطالی یونیورسٹی کی وہ روداد تھی جو ماڈرن ریویو نے شائع کی ہے، اس روداد کا ایک ایک حرف مسلمانون کے لئے درس عبرت ہے، یہ وہ یونیورسٹی ہے، جہان سب سے پہلے اسلامی فلسفہ کا خیر مقدم ہوا تھا، ابن رشد کے فلسفہ کی تعلیم کا یورپ مین یہ واحد مرکز تھا، اور ابن رشدی ہونا یہان کے اساتذہ کا فخر تھا، ان خصوصیات کو پیش نظر رکھکر ہم مذہبان ابن رشد کیلئے آج یہ کس قدر حسرت و افسوس کا باعث ہے کہ آج اس یونیورسٹی کے شرکاء اور مدعوئین کی فہرست مین ان کا ایک فرد بھی شریک نہ تھا، اور ایشیا کے مشہور اسلامی ملکون کا کوئی نمائندہ نظر نہین آتا

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

قدیم تاریخ ہند کے دو مسئلے

ہندوستان کی تاریخ قدیم کے دو مسئلون مین ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے اور اجتک انکے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہین ہو سکی ہے،

ایک تو آریون کی آمد کے متعلق ہے کہ انھون نے شمالی مغربی حدود کو فتح کرنے کے بعد کس طرف پہلے رخ کیا، بعض کا خیال ہے کہ وہ پانچ یا سات دریاؤن والی زمین "جو اب پنجاب کے نام سے موسوم ہے" مین آباد ہوئے اور بعض کہتے ہین کہ نہین وہ وسط ہند مین آکر رہی،

دوسرا مسئلہ رگ وید کے متعلق ہے، بعض کا خیال ہے کہ یہ مناجاتین ہندوستان مین آنے کے بعد عالم وجود مین آئین، اور بعض کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان آنے کے پہلے ہی اسکا اکثر حصہ مرتب ہو چکا تھا اور آرین اسکو اپنے ساتھ لائے تھے،

لیکن اب مسٹر پرگیٹیر (Mr. Pargiter) نے ان دونون مسئلون کے متعلق نئے نظرئے (Pargiter) پیش کئے ہین، مسٹر پرگیٹیر ایک مشہور مستشرق اور عہد پران کے مستند عالم ہین، ۱۹۱۵ء مین انھون نے پران سے یہ ثابت کیا تھا کہ رگ وید مین جس چندر بنسی خاندان کا ذکر ہے وہ پریاگ (الہ آباد) مین رہتا تھا، حالانکہ دوسرے ذرائع اسکی تردید کرتے ہین، بمبئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل مین اس کے متعلق ایک تردیدی مضمون بھی نکلا تھا،

تاریخ ہند کے شائقین کے لئے اِن دونون نظریون کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہ ہوگی

مسٹر پرگیٹر نے اپنی مفصل تاریخ ہند قدیم مین دونون عام رائون سے اختلاف کیا ہے؛ ان کا خیال ہے کہ یہ آرین جو دراصل ایل (Ailas) ہین، تقریباً ۲۰۰۰ ق م مین کوہ ہمالیہ کے وسطی راستون سے ہندوستان آئے، اور پریاگ (الہ آباد) مین متوطن ہوئے۔ یہان سے نکلکر انھون نے جنوب مغربی، مغربی اور شمالی حصونکو فتح کیا اور وہان رہگئے؛ چنانچہ مہاراجہ ترتجی کے عہد تک یہ مفتوحہ ممالک مدھیادیش (وسط ہند) آریہ ورت (آریون کا ملک) کے نام سے مشہور ہو چکے تھے۔

مسٹر موصوف کی یہ بھی رائے ہے کہ ہند قدیم کے متعلق جس قدر کتابین موجود ہین ان مین سے کوئی بھی جنوب مغربی سرحد کی زمین کو قدیم ترین اہمیت دیتی ہے اور نہ اس کے تقدس کی مظہر ہین، البتہ کیلاش اور کدار کے مقامات ایسے ہین جنکو ابتداء سے مقدس سمجھا جاتا ہے اور یہی دو جگہین ایسی ہین جو ہندوستان کی عام سرحد سے پرے ہین؛ یہ ایلون کے مقدس مولد ہین اور ہمالیہ کے کوہستانی حصہ مین واقع ہین؛ یہی وہ جگہین ہین جہان رشی اور راجہ زیارت کے لئے آتے تھے؛ انھون نے کبھی اس خیال سے (یعنی زیارت کے خیال سے) جنوب مغربی حصہ تک کا رخ نہین کیا؛ مسٹر موصوف اپنے اس دعوی کے ثبوت مین چند دلائل بھی پیش کرتے ہین؛ ان کا قول ہے کہ ویدی تصانیف مین کہین بھی جنوب مغربی سمت سے آنیکا تذکرہ نہین ہے؛

دوسرے مسئلہ کے متعلق ان کا خیال ہے کہ رگ وید کے ریچاؤن (مناجاتون) کو نہ تو آریون نے تصنیف کیا اور نہ برہمنون نے؛ وہ غیر آرین رشیون اور راجاؤن کے نتائج افکار ہین؛ کسی ایک نظم کے متعلق بھی یہ نہین کہا جاسکتا کہ اس کو جنوب مغربی حصہ کے کسی شخص نے لکھا ہے؛ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظمین منوؤن اور ان کے رشیون کی لکھی ہوئی ہین؛

اس کے ماسوا ان کا تعلق تمامتر مدھیا دیش (وسط ہند) سے ہے اور پنجاب سے انکو کچھ بھی لگاؤ نہین ؛ اس کے بعد انھون نے ریچاؤن کو نقل کرکے یہ دکھایا ہے کہ وید، وید آرین اور برہمنی مذہب سب کے سب غیر آرین اقوام کے اثرات کے نتائج ہین ؛ ان کو ایرن یا اُن کے تمدن سے کسی قسم کا بھی کوئی تعلق نہین ؛

قوت حافظہ کی ایک حیرت انگیز مثال

بنگال علمی حیثیت سے موجودہ ہندوستان کا سب سے زیادہ مردم خیز خطہ ہے، راجہ رام موہن رائے ڈاکٹر بوس، ہری ناتھ دے، ٹیگور، ڈاکٹر رائے، ڈاکٹر راش بہاری گھوش، سر آسوتوش مکرجی اور لارڈ سنہا اسی خطہ کی خاک سے پیدا ہوئے ان مین کوئی فلسفہ کا استاد ہے، کوئی ریاضیات کا، کسی کے ہاتھ مین سر رشتہ قانون ہے تو دوسرا بنگال سیاست کا مرد میدان، کوئی کیمیا کا ماہر ہے، کوئی طبیعیات کا عالم، ایک کشور ادب کا حکمران ہے تو دوسرا اقلیم سخن کا تاجدار، الغرض اسوقت ہندوستان کا کوئی صوبہ بنگال کا حریف نہین، حال مین ہمکو اس قوم کے ایک فرد کامل سمیش چندر بوس کی ما فوق الفطرت قوت دماغی کا علم ہوا ہے؛ جو حساب و اعداد کے بڑے بڑے مسائل کو زبانی لمحون مین حل کر دیتا ہے، وہ بلا کسی خارجی شے کی مدد کے بڑی بڑی تعداد ون کو ذہن ہی مین فوراً ضرب دے لیتا ہے اس قوت حافظہ کی مثالین شاید دنیا کے معدودہ چند ہی افراد پیش کر سکین،

آج کل بابو سمیش چندر بوس، اپنے چند احباب کے اصرار پر لندن گئے ہوئے ہین، چنانچہ جونہی وہان کے اخبارات کو انکی آمد کا علم ہوا، انھون نے ان سے ملاقاتین کین اور انکا امتحان لینا شروع کیا، اس ضمن مین انگلستان کے مشہور اخبار ایوننگ نیوز (EVENG NEWS) کا نمائندہ

بھی ان سے ملنے گیا اور ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ کا امتحان لیا، نامہ نگار مذکور لکھتا ہے، کہ بوس کے کمالات مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ساٹھ عدد کو ساٹھ عدد سے زبانی ضرب دے سکتے ہین، اخبار مذکور کے نمائندہ نے سب سے پہلے دریافت کیا کہ "کیا آپ (۶۲۲۴) کو (۲۷۵) سے ضرب دینگے؟ انھون نے چند سکنڈ تک غور کیا، ان کے لبون کو جنبش ہوئی اور ایک منٹ سے کم عرصہ مین نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ (۱۷۱۱۶۰۰) -

بعد ازان نمائندہ نے اربعہ متناسبہ کا ایک سوال پیش کیا چند لمحون مین اسی متانت کے ساتھ اسکا بھی جواب مل گیا:

نمائندہ نے دریافت کیا کہ ۱۲۴۵۰۸۷ اور ۶۹۱ کا مکعب کیا ہوگا؟

بوس نے سوال کو اس طرح سنا جیسے کوئی ان سے انکی عمر دریافت کر رہا ہے اور فوراً اس کا صحیح جواب دے دیا:

نمائندہ نے پھر پوچھا- کیا آپ (۳۶۹۵۴۲۲۷) کو (۹۸۲۲۷۵) سے ضرب دیسکتے ہین؟ مسٹر بوس اس ضرب کو دماغ مین حل کر رہے تھے اور نمائندہ اپنے ایک رفیق سے زور زور سے باتین کر رہا تھا، اس گفتگو مین خود بوس بابو بھی چند مرتبہ شریک ہوئے اور ان کی شرکت سے ذرہ برابر بھی اس بات کا پتہ نہین چلتا تھا کہ اس سے ان کے عمل حساب مین کچھ خلل واقع ہوا، اور وہ پھر نہایت اطمینان سے اپنے عمل دماغی مین مشغول ہو جاتے تھے: تقریباً ۵ منٹ مین جس مین گفتگو کا وقت شامل نہین ہے انھون نے جواب دیا، "۳۶۲۹۴۰۴۸۶۲۱۳۰۵" نمائندہ نے متحیر ہوکر پوچھا کہ آپ کس طرح شریک گفتگو بھی ہوئے اور حساب کے اعداد بھی آپکے دماغ مین محفوظ رہے، تو انھون نے جواب دیا کہ "مین ہر عدد کو اسکی جگہ مین اس طرح سے دیکھتا ہون کہ گویا وہ تختہ پر میرے سامنے لکھا ہوا ہے"

مسٹر بوس کا قول ہے کہ ضرب مشکل ترین شئے ہے، اور تقسیم، کسور، مربع وغیرہ آسان

ہین، ان کا دعوی ہے کہ وہ یہ بھی زبانی بتا سکتے ہین کونسی تاریخ کس دن پڑی تھی یا پڑیگی، چنانچہ ۱۱۰۰ء
اور ۲۲۰۰ء کی تاریخون کے متعلق جواب دینے کے بعد انھون نے ذیل کے جوابات بھی دئے؛

۷ جنوری ۱۸۴۰ء بچہار شنبہ کو،

۴ جنوری ۱۹۱۷ء بہ پنجشنبہ کو،

ہر شخص پرانی جنتریون سے ان جوابات کی تصدیق کر سکتا ہے،

ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ ان کو وہ تمام اعداد یاد ہین جو انھون نے ۱۲ ماہ کے اندر ضرب دئیہین
گذشتہ چار سال سے بوس ایک فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہین؛ ان کے احباب کا بیان ہے کہ
وہ ہفتہ مین صرف پانچ مرتبہ کھاتے ہین، ان کی غذا تمامتر نباتی ہے اور اس کو وہ خود پکاتے ہین، اس
سے اگرچہ وہ جسماً کمزور ہو گئے ہین، لیکن انکا دماغ صاف رہتا ہے؛ (مدرلینڈ)

معتزلہ کی تفسیر

اسلام کے فرقۂ معتزلہ نے عقل ونقل اور فلسفۂ شریعت کی تطبیق مین جو بڑی بڑی تفسیرین لکھی تھین، افسوس
کہ وہ سب دنیا سے ناپید ہین، ان مین بہترین تفسیر ابو مسلم اصفہانی کی تھی، یہ کتاب بھی اب ناپید ہے، مگر اسکا جتنا حصہ
فرقۂ اہل سنت کے نزدیک قابل قبول تھا امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر مین اس کو درج کر دیا تھا، مولوی سعید
صاحب انصاری نے دار المصنفین کی طرف سے نہایت محنت وجانفشانی کے ساتھ تفسیر کبیر سے، تفسیر اصفہانی کے وہ
تمام حصے یکجا کئے ہین، اور وہ خوبصورت ٹائپ مین چھپکر شایع ہوئے ہین، مصر، لندن اور فرانس مین اس کتاب
نے وقعت حاصل کی ہے، قیمت عہ، منیجر

اخبار علمیہ

بوہیمیا مین کیویلیر گلاس فیکٹری کے نام سے شیشہ سازی کا ایک کارخانہ ایک صدی سے زائد عرصہ سے قائم ہے۔ اس کے موجودہ منیجر ڈاکٹر ہورک نے ایک عجیب قسم کا شیشہ بنایا ہے، جو نہایت سخت ومضبوط ہے۔ اب تک شیشہ اپنی نزاکت کے لئے ضرب المثل رہا ہے، مگر یہ شیشہ اسقدر مضبوط ہے، کہ اسکا گلاس بناکر اس کے اندر لکڑی بھردی گئی، اور اسے دہکتی ہوئی آگ کے چولھے پر رکھدیا گیا، آگ اس قدر تیز تھی کہ گلاس کے اندر لکڑی جلکر کوئلہ ہوگئی، لیکن گلاس جون کا تون محفوظ رہا۔ اسی گلاس کو زمین کے پختہ فرش پر زور سے پٹکا گیا، پھر بھی کوئی گزند نہین پہنچا۔ (انڈین ریویو)

برطانیہ مین عورتون کی اتنی کثیر تعداد نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا شروع کردی ہے، کہ حکام کو سخت اندیشہ پیدا ہوگیا ہے، کہ اتنی لیڈی ڈاکٹرون کے لئے گنجائش کیونکر نکل سکیگی، ۱۹۱۸ء سے اب تک دس ہزار طالب علم داخل ہوچکے ہین، اور ان مین تعداد غالب عورتون ہی کی ہے، اس وقت اندازہ کیا گیا ہے، کہ تقریباً دو ہزار خواتین خانگی مطب (پرائوٹ پریکٹس) کررہی ہین، ۱۹۱۷ء مین مرد طلبہ جو ڈاکٹری کے مدرسون مین داخل ہوئے، انکی تعداد کل ۲۲۸۲ تھی، برخلاف اس کے عورتون کی تعداد ۴۶۶۷ تھی! (انڈین ریویو)

مغربی ساحل افریقہ کے علاقہ مین عرصہ سے ایک خطرناک مرض، مرض النوم کے نام سے پھیل رہا تھا۔ شروع شروع مریض کو کاہلی واضمحلال محسوس ہوتا، اور نیند زیادہ آنے لگتی، یہان تک کہ کچھ روز کے بعد سوتے سوتے ختم ہوجاتا۔ حال مین ڈاکٹر ڈیل نے رائیل انسٹیٹیوشن (لندن)

کے سامنے ایک لکچر مین بیان کیا، کہ جرمنی کے مشہور کیمیاوی کارخانہ موسوم بہ بے آر نے اسکا ایک قطعی وحکمی علاج دریافت کرلیا ہے۔ (انڈین ریویو)

جاپان سے خبر آئی ہے، کہ وہان کے لوگون نے ایک درخت کی اندرونی چھال سے چمڑا بنانا شروع کیا ہے۔ یہ چرم نباتاتی چرم حیوانی سے مضبوطی مین کم نہین۔ (ماڈرن ریویو)

کاغذ جس قدر مضبوط ہوتا ہے، اور جتنا وزن سنبھال سکتا ہے، اسکا ایک حیرت انگیز تجربہ ابھی حال مین یہ کیا گیا، کہ ایک لکڑی کے ڈہانچہ کو کاغذ کے ایک بڑے تختہ کے ذریعہ سے چھت مین لٹکا دیا گیا، اوراس لکڑی پر پانچ نوجوان عورتین سوار ہوگئین، جنکا مجموعی وزن مع لکڑی کے وزن کے ۷۶۹ پونڈ (۹½ من سے زائد) تھا۔ کاغذ کا تختہ یہ سارا وزن سنبھال لے گیا۔ (ایضاً)

جس طرح ہمارے ملک مین دیمک اپنی بانبی بناتی ہے، بعض ملکون مین چیونٹیون کے بھی گھر اسی طرح کے ہوتے ہین یعنی مٹی کے چھوٹے چھوٹے تودے۔ لیکن جنوبی افریقہ خصوصاً روڈیشیا کے علاقہ مین یہ بانبیان اس قدر عظیم الشان ہوتی ہین، کہ انھین دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ بعض بانبیون کی بلندی ۲۵ فٹ کی ہوتی ہے، اور بعض کی اس سے بھی زاید، جس مٹی کی یہ بنی ہوتی ہین، وہ بہت سخت اور مثل اینٹ کے پختہ ہوتی ہے۔ طول وعرض بھی انکا بہت زائد ہوتا ہے، اور کئی سال کی مدت مین تیار ہوتی ہین۔ (ایضاً)

امریکی صوبہ الینونیس کے شہر پیوریا مین ایک آہنگر نے ایک بڑی گھڑی (کلاک)

ایسی ایجاد کی ہے جس کے سارے پرزہ، کمانیان وغیرہ ہر چیز لکڑی کی ہے۔ اور مزید صنعت یہ کی ہے کہ یہ گھڑی علاوہ وقت بتانے کے تاریخ، ماہ، موسم، وغیرہ تقویمی اطلاعات بھی دیتی رہتی ہے۔ یہ گھڑی تین برس کی مدت مین تیار ہوئی ہے۔ (ماڈرن ریویو)

ہوائی جہازون کی ایک کمپنی اسوقت قائم ہورہی ہے، جو انگلستان، ہندوستان، واسٹریلیا کے درمیان سلسلۂ آمد و رفت رکھیگی۔ ہندوستان و انگلستان کے درمیان سردست ہفتہ مین دو بار جہازونکی روانگی ہوگی، اور ہندوستان واسٹریلیا کے درمیان ہفتہ مین ایک بار۔ اور آئندہ اس تعداد مین حسب ضرورت اضافہ ہوتا رہیگا۔ لندن سے بمبئی تک موجودہ بحری راستہ ڈاک کے جہاز کا ۱۸ دن کا ہے، ہوائی راستہ اسکا ایک ثلث یعنی ½ ۵ دن کا رہجائیگا، انگلستان اور اسٹریلیا کا موجودہ راستہ چار اور پانچ ہفتہ کے درمیان کا ہے، ہوائی راستہ ½ ۱۱ دن کا رہجائیگا۔

(ایضاً)

آج سے تیس سال پیشتر لارڈ کلان نے حساب لگا کر بتایا تھا، کہ کرۂ ارض کو وجود مین آئے ہوئے دو کرور سال سے زائد نہین ہوئے۔ علماء ارضیات وحیوانیات اگرچہ اس مدت کو بہت ناکافی بتاتے رہے، تاہم طبیعین کے نزدیک یہ تخمینہ کم وبیش صحیح تھا، اور اب تک وہ اسی کو مانتے رہے۔ لیکن حال مین ریڈیم وہلیم کے طریق کار کی بابت جو تجربات ہوئے ہین، ان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کرۂ ارض کی عمر اس تخمینہ سے یقیناً بدرجہا زائد ہے۔ چنانچہ اب قدیم ترین احجار کی عمر کا اندازہ ½ ۹۲ کرور سال کا ہے۔ اور یہ مسلم ہے، کہ زمین کا قشر حجرانون سے کہین زائد قدیم ہے۔ اسکی عمر کا تخمینہ معلومات موجودہ کے لحاظ سے ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۶۰۰۰ (چھ ارب) سال سے کم کا نہین ہوتا۔ (ایضاً)

گوشت خوری سے انسان کے قدو قامت مین اضافہ ہوتا ہے، اسکا تجربہ یون ہوا، کہ جاپانی سپاہیون کی غذا مین جب سے گوشت داخل کردیا گیا ہے، اسوقت سے ان کے طول قامت کے اوسط مین بہ قدر دو انچ کے اضافہ ہوگیا ہے۔ (ماڈرن ریویو)



لندن کے طبی حلقون مین یہ واقعہ بہت حیرت کی نظرون سے دیکھا جا رہا ہے، کہ ایک روز ایک فوجی کپتان اَنڈرہے نامی ایک موٹر سائیکل پر جا رہے تھے، کہ سائیکل ایک درخت سے ٹکرا گئی۔ تصادم بہت سخت تھا لیکن کپتان صاحب سائیکل سے نیچے نہین گرے، بلکہ اپنی جگہ پر بیہوش بیٹھے ہوے پائے گئے۔ اس وقت سے اب تک تین مہینہ ہوچکے ہین، اور یہ ساری مدت بیہوشی مین گذری ہے۔ کبھی کبھی صرف اتنا ہوش آجاتا ہے، کہ سوالات کے جواب مین "ہان"، "نہین"، کہہ دیتے ہین۔ باقی اور حیثیت سے ہر وقت بیہوش رہتے ہین۔ رقیق غذا خارجی ذرائع سے پہنچائی جاتی رہتی ہے۔ اتنی طویل مدّت کی بیہوشی اطبا کے لئے حیرت انگیز ہے۔ (ڈیلی میل)



لندن کے ایک سپتال مین ایک ۱۹ سالہ مریض جارج لیسن نامی کا آپریشن (عمل جراحی) ہو رہا تھا، کہ اسکی حرکت قلب رُک گئی، مصنوعی ذرایع سے تنفس جاری کیا گیا۔ اور قلب کی مالش کی گئی، یہان تک کہ ۱۲ منٹ کے بعد قلب مین از سر نو حرکت پیدا ہوگئی۔ لیکن بالآخر مریض زندہ نہ رہ سکا، اور ۴۲ گھنٹہ کے بعد وفات پاگیا۔



لپٹن کا کارخانہ چائے، جسکی شہرت تمام دنیا مین ہے، پچھلے دو برسون مین اسے تعداد ذیل مین منافع حاصل رہے ہے۔

	منافع تجارتی	منافع خالص
۲۱-۱۹۲۰ء	۲۸۰۱۸۴ پونڈ	۲۱۸۱۵۵ پونڈ
۲۲-۱۹۲۱ء	۵۵۵۱۳۸ ″	۳۱۱۷۱۰ ″

(ڈیلی میل)

یورپ مین جہان اور ہر قسم کے مقابلہ ہوتے رہتے ہین، اور ہر قسم کی "بازیون" مین جیتنے والے کو انعام ملتے رہتے ہین، وہان اسکا بھی مقابلہ شروع ہوا ہے، کہ دنیا مین داڑھی سب سے بڑی کسکی ہے۔ اس امتحان مین سب سے اول برائین کا ایک باشندہ مسمی جان ٹینر آیا ہے، جسکا سن ۸۴ سال کا ہے۔ اسکی داڑھی کا طول پورے نوفٹ کا ہے، یہ شخص پچاس برس سے داڑھی بڑھانے کی فکر مین لگا ہوا ہوا تھا، اور اسکا آرزومند تھا، کہ دنیا مین سب سے بڑی اسکی داڑھی نکلے۔ دس برس ہوئے جب اسکی داڑھی چھ فٹ تک پہنچ گئی تھی، پانچ برس ہوئے جب اسکا طول آٹھ فٹ کا تھا، اسوقت پورے نو فٹ کا ہے۔ ٹینر کی دلی تمنا یہ ہے کہ اسکی عمر اتنی وفا کرے، کہ داڑھی کا طول پورے بارہ فٹ کا ہوجائے

(ڈیلی اکسپرس)

یورپ کی جدت خودکشی کے بھی نئے نئے طریقے ایجاد کررہی ہے، خصوصاً فرانس کے دارالحکومت پیرس اور اس کے اطراف مین۔ کچھ روز ہوئے ایک خوشحال زمیندار صاحب نے جو بدہضمی کی مسلسل شکایت سے تنگ آگئے تھے، ایک دوکان پر جاکر ایک آتشگیر مادہ خرید کیا، اور اسے اپنے سر پر رکھکر اوپر سے وہ ریشمی ہیٹ پہن لی، جو چالیس سال پیشتر شادی کے موقع پر استعمال کی تھی۔ اس کے بعد ہیٹ کے اوپر زور سے ایک ہتوڑی ماری۔ بہت زور کا دھما کا ہوا۔ اور پڑوسیون نے آکر دیکھا، تو سر کے پرخچے اُڑ چکے تھے۔ ایک نوعمر خاتون اپنے منگیتر کی بیوفائی سے اسقدر دلگرفتہ ہوئین، کہ ڈیڑھ سو میل کا سفر کرکے اسٹراسبرگ تک آئین، اور یہان کے کلیسا کے بلند مینار سے

نیچے کود کر جان دی۔ اسی طرح کے اور بیسیون طریقہ خودکشی کے برابر ایجاد ہوتے رہتے ہین۔

انگلستان و ویلیز مین تعلیم پر آج سے آٹھ دس برس پیشتر جتنا خرچ ہوتا تھا، اور اب جس قدر خرچ ہوتا ہے، اسکا اندازہ اعداد ذیل سے ہوگا۔ البتہ یہ واضح رہے، کہ ان اعداد مین زرعی، حربی، بحری، اور بعض حرفتی مدارس کے مصارف شامل نہین۔ ان کے ملانے سے یقیناً ان اعداد مین بہت کافی اضافہ ہوجائیگا:۔

سنہ ۱۹۱۲-۱۳ء	۲۲،۳۰۰،۱۸۶ پونڈ
سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء	۴۳۰،۲۵۱،۱۹۱ "
سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء	۶۵،۹۳۸،۲۴۴ "

سوئزرلینڈ مین کل ۲۲ ریاستین شامل ہین، جنکو کنٹنس کہتے ہین۔ ان مین سے چار پرانے کینٹنز مین جمہوری فرقہ کے ممبر زمانۂ قدیم سے اپنے ارکان اور حکام کا انتخاب کھلے میدان مین کھڑے ہوکر کرتے ہین، چنانچہ یہ رسم ابتک چلی آتی ہے، سال مین ایکدفعہ تمام ممبر جاکر سال رواں کے لئے ارکان منتخب کرلیتے ہین، یہ انتخاب ہر سال کے اپریل کے آخری سنیچر یا مئی کے پہلے سنیچر مین کیا کرتے ہین۔

ہندوستان کے حلقۂ طب مین یہ خبر خوشی کے ساتھ سنی جائیگی کہ بنگال و بہار مین ایک بوٹی ملی ہے جسکا لاطینی نام ونکیس پیڈونکولارس رکھا گیا ہے، یہ بوٹی ملیریا بخار اور کالا آزار کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی ہے اس کے استعمال سے خون ملیریا کے جراثیم سے بہت جلد صاف ہوجاتا ہے، اس نئی دوا کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ کونین کی طرح تلخ نہین ہے، امید ہے کہ یہ دوا بہت جلد کونین کی جگہ لے لیگی۔

ادبیات

فیض زندان

ہوتی ہے روز بارش عرفان مرے لئے
گویا بہشت عشق ہے زندان مری لئے

ناکامئ طلب مین کہ ہے جان عاشقی
گنجینۂ مراد ہے پنہان مری لئے

علم رضائے یار سے جور و جفائے یار
تمسکل ہے سب کے واسطے آسان مری لئے

رہتی ہے روز اک ستم تازہ کی تلاش
بیچین ہے وہ فتنۂ دوران مری لئے

میرا یہ حسن ظن کہ تغافل ہے التفات
دل کی یہ ضد کہ درد ہے درمان مری لئے

فرمان قتل ہو جو نہین اذن پائبوس
آخر ہو کچھ تو اے شہ خوبان مری لئے

نزدیک ہے کہ شوق سنے وعدۂ وصال
لب ہائے ناز یار ہین لرزان مری لئے

عشق بتان و ذوق سماع و ہوائے مے
زاہد کے حق مین کفر ہے ایمان مری لئے

حسرت کوئی مدد نکرے کیا مضائقہ
کافی ہین غوث اعظم جیلان مرے لئے

غزل

جناب عزیز لکھنوی

پہلے تو خلوتکدہ کا مجھکو محرم کردیا
رفتہ رفتہ راز دار ہر دو عالم کردیا

پاس آداب وفا نے مجھکو محرم کردیا
سانس لینا بھی تری محفل مین اب کم کردیا

منزل ہستی کو سمجھے تھے بہت دور و دراز
روک کر سانسونکو ہم نے فاصلہ کم کردیا

قدرت اشک ندامت کی ہے کوئی انتہا
سر داک آنسو نے بازار جہنم کر دیا

غم کشوں کی فرد ازل مین جب رقم ہو نیلگی
مجکو اُس فہرست مین سب سے مقدم کر دیا

دور گردون سے کہو ساقی کی چشم مست نے
اب مجھے رونق فزائے مسند جم کر دیا

ذرہ ذرہ خاک کا میری کہیگا داستان
آپ سمجھے ختم مین نے قصۂ غم کر دیا

عقدۂ لاحل تھی مجھ سے سخت جانکی جانکنی
تم نے آکر اور بھی یہ راز مبہم کر دیا

دل کے ہر ذرہ کو مین نے تنگنائی خاک مین
مایۂ افزائش اسباب عالم کر دیا

عشق کی صورتگری پر جھک گئین پیشانیان
خاک کے پتلے کو جسوقت اُس نے آدم کر دیا

آپ کہتے تھے بنائینگے خدائی ہم الگ
لیجئے دل نے وہ سامان بھی فراہم کر دیا

غم کی یہ مقدار خلقت الحذا کافی نہین
مین نے اب ہر موئے تن کو تشنۂ غم کر دیا

جب حریم ناز سے آئی صدائے دور باش
اضطراب دل نے بڑھکر مجکو محرم کر دیا

دیکھکر گور غریبان دم مرا گھٹنے لگا
الحذا کیا اس بھری محفل کا عالم کر دیا

دل نہوتا جب بھی تیرا عشق ہوتا روح کو
اس گرہ نے اور بھی رشتہ کو محکم کر دیا

دل کے اجزا مین نہین ملتا کوئی جزو نشاط
اس صحیفے سے کسی نے اک ورق کم کر دیا

خاکدان دہر کی بنیاد ہی کیا تھی عزیز
میری ہستی نے فقط عالم کو عالم کر دیا

اوراق پارینہ

مجمع گنج

اتفاق سے مجھے اپنے وطن (دیسنہ بہار) کے کتبخانہ کی ردی کتابون مین مجمع گنج کے نام سے ایک چھوٹی سی اردو کتاب ملگئی جس سے آج ناظرین کو روشناس کراتا ہے، اس کتاب کا نام جیسا کہ ابھی کہا گیا مجمع گنج ہے، اس نام کے نیچے حسب ذیل عبارت لکھی ہے،

عقل روشن کرنے والی تعلیمون کا

اور

دانائی سکھانے والی تلقینون کا

اس مین

اکثر ملکون کی بستی اور شہر اور آدمیون کے احوال کا بیان ہے

ہندوستانی لڑکون کے لئے

انگریزی سے زبان اردو مین ترجمہ کیا گیا

۱۸۴۵ء مین یہ کتاب کمپنی کے عہد مین کلکتہ مین، "کلکتہ اسکول بکس سوسائیٹی پریس" مین چھپی ہے، یہ کتاب کمپنی کے قائم کردہ ابتدائی اسکولون مین پڑھائی جاتی تھی اور اسکول کے طلبہ کو انعام مین دی جاتی تھی، چنانچہ یہ نسخہ بھی ہمارے وطن مین اسی ذریعہ سے آیا، ۱۸۵۵ء مین یعنی غدر سے دو سال پہلے ہمارے یہان کے سب سے پہلے طالب العلم جو انگریزی اسکول مین داخل ہوئے،

(حاجی وزیرالدین صاحب مرحوم) تھے اُن کو گیا اسکول کے مشرقی صینہ کی طرف سے انعام مین ملی تھی،
اور اس نسخہ کے سرصفحہ پر پرانی انگریزی مین قائم مقام ہیڈ ماسٹر کے قلم سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے،

یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے ۲۱۷ صفحات مین ہے اور اس مین ۲۰۸ مضامین اور عنوانات ہین جن مین چھوٹی چھوٹی تاریخی، جغرافی، اور طبعی باتین بیان کی گئی ہین، زبان عموماً صاف ہے مگر کہین کہین، انگریزون کی زبان کا نمونہ موجود ہے، مثلاً " دینے نہین سکتا، مضامین پر ایک نظر ڈالنے سے تین باتین صاف معلوم ہوتی ہین،

۱- مقصود یہ ہے کہ ہندوستانی طلبہ کو جدید معلومات سے روشناس کیا جائے، اس لئے جو باتین اس وقت نئی معلوم ہوتی تھین انکا ذکر ہے،

۲- چونکہ ہندوستان مین اس وقت تک مسلمان طاقتور عنصر تھے، اس لئے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانون اور عیسائی بادشاہون کے درمیان تعلقات جنگ و صلح بہت پرانے ہین، جنگ صلیبی کا ایک باب ہے، فتح اندلس کا ذکر ہے، سلطان روم کا بیان ہے،

۳- اس وقت تک انگریز زیادہ عقلمند یا متکبر نہین ہوئے تھے اس لئے پہلے اپنی وا پنے ملک اور اپنے برِ اعظم یورپ کی جہالت کا ذکر کرکے پھر اپنی عقلمندی او دانشوری اور ترقی کا ذکر کیا ہے، چنانچہ انگلستان کے گذشتہ عہدِ جہالت پر بھی ایک باب ہے۔

اس کتاب کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ ہم کو وہ معلوم ہوتا ہے جہان اس وقت کے ہندوستان کی کیفیت لکھی ہے، مثلاً ہندوستان کے ملکون کے نام حسب ذیل لکھے ہین:

ہندوستان کی سرحدون مین جتنے ملک اور شہر ہین انکے نام

ہند کے دکھن مین جتنی بستیان اور شہر ہین ان کا بیان

اوڈیسہ، تلنگ، دروار، میسور، حیدرآباد، تراون کوٹ، حیدرآباد، مملکت پیشوا

یا رئیس مرہٹہ پونہ، ناگپور سے سب ملک ۱۸۱۹ء میں اسی کمپنی کے دخل میں آئے،

ہند کے اتر کو جو بستیاں اور آبادیاں ہین ان کا بیان،

بنگالہ، بہدیا، بہار، بنارس، بوندیل کھنڈ، بگھیل کھنڈ، متھیلا یا ترہت، خوشل، اودھ متھرا، ہریانہ، میان دوآب، روہیل کھنڈ، جے پور، بیکانیر، ریاست سیندھیا، ریاست ہلکر، پنجاب، ملتان، سندھ، گجرات، سوائے ان کے اور بھی ملک ہین،

آج کل کے "دڑمنڈے" انگریز یہ سنکے حیرت کرینگے، کہ اس کتاب مین اہل یورپ کا یہ نقشہ دیا ہی، "گورا رنگ اور بڑی داڑھی" اور کولمبس کے امریکہ کے اصلی باشندون کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے "سب کے سب ننگ منگے، اور دڑمنڈے تھے"،

اہل ہند کے لئے اس کتاب کا سب سے زیادہ عبرت ناک باب وہ ہے جہان ہندوستان کی پیداوارون اور تجارت کی چیزون کا ذکر کیا ہے، اور اسکی دولتمندی کو دکھایا ہے، یہ اس وقت کا قدیم ہندوستان ہے جب وہ بہت کچھ برباد ہو چکا تھا،

ہند کی سوداگری کے بیان مین

ہند مین جو چیزین پیدا ہوتی ہین دوسرے ملک مین لیجا کے بیچنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور ہند مین دولتمند ہونیکا بڑا وسیلہ سوداگری ہے جو چیزین آدمی کو ضرور ہین ان کی بہتایت سے پیدا ہونے کے سبب ہند کے رہنے والون کو غیر ملک سے کوئی چیز لانے کی احتیاج کم ہوتی ہے بلکہ ملک سے بہت چیزین جو اور ملکون کے رہنے والون کو ضرور ہوتی ہین خواہ کہانے کی چیز ہو، جیسا دہان چاول گیہون خواہ کسی صنعت کے لئے ہو جیسا ریشم روئی دوسرے ملک مین لیجاتے ہین، اور اسی سوداگری کے وسیلے سے بہت دولت دوسرے ملکون سے اس ملک مین آتی ہے

اس کے بعد انگریزون کے عدل وانصاف اور گذشتہ بادشاہون کے مظالم کا ذکر ہے،

اگلے بادشاہون کے وقت مین انھون کے ظلم سے لوگون کے مال اور ملک مین امن چین نہ تھا اور جس ملک مین امن چین نہو اور معاملہ مقدمے مین حق انصاف نہو بلکہ آسامی فریادی مین سے ایک کی طرفداری ہو تو کون آدمی اپنا روپیہ اور اسباب کے لئے اس ملک مین جائیگا اسی سبب سے اور ملک کے سوداگر اس ملک مین کمتر آتے تھے اور یہان کے رہنے والے یورپ کی اچھی اچھی حکمت اور کاریگری سے بے نصیب تھے،

انگریزون کے وقت مین ہندوستان کی سوداگری خوب چمک گئی اور بہت فائدہ مند ہوئی اور اسی سوداگری سے بہتیرے غریب دولتمند ہوئے اور اکثر دولتمند بہت روپئے والے ہوئے، سچ ہے انصاف کے درخت مین بھی پھل ہوتا ہے، اور امن وامان عدل سے ہوتا ہے اور خلائق اور رعیت خواہ نزدیک کے ہون خواہ دور کے سب خوشی سے گذران کرتے ہین،

اس عبارت سے معلوم ہوگا کہ انگریزی اسکولونکی تعلیم مین یورپ کی فوقیت اور بڑائی اور ایشیا کی پستی اور برائی کی تبلیغ (پروپگنڈا) کا کام شروع ہوچکا تھا، یہ کس قدر جھوٹ ہے کہ انگریزون کے آنے سے پہلے غیر ملک کے سوداگر یہان نہین آتے تھے، انگریزون سے ہزارون برس پہلے سے یہان کی سوداگری فروغ پر تھی، اور مسلمانون کے عہد مین ایران، ترکستان روم، مصر، عرب، عراق، جزائر ہند اور چین سے برابر کاروان اور جہاز چلے آتے تھے، اور سندھ سے لیکر گجرات تک کے تمام سواحل بندرون سے آباد تھے، جہان ہر وقت جہاز آتے اور جاتے رہتے تھے، ہان یہ سچ ہے کہ یورپ کے تاجر براہ راست یہان نہین آتے تھے.

کیونکہ خشکی کے راستہ پر مسلمان سوداگرون کا قبضہ تھا اور تری کا راستہ اہل یورپ کو معلوم نہ تھا اور جب معلوم ہوگیا تو ظالم بادشاہون ہی کے عہد مین یورپ کے تاجرون اور سوداگرون کا یہان تانا بندھ گیا، اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی تمام تجارت پر قبضہ کرلیا،

اس کے بعد ہندوستان کی چھ پیداوارون کی کیفیت لکھی ہے، یعنی نیل، روئی، افیون، ململ اور کپڑے، ریشم شورہ اس باب کی تلخیص سننے کے لائق ہے،

۱۔ نیل

بیس برس سے نیل کی کھیتی بہت ہوتی ہے اور نیل تیار کرنے کے کارخانے بھی انگریزون کے عمل مین بہتات سے بنے ہین، کپڑا رنگنے کے لئے نیل بڑا کام آتا ہے اس ملک مین اسی ہزار من کے قریب ایک برس مین نیل پیدا ہوتا ہے اگر ایک من نیل کی قیمت ایک سو پچاس روپئے ہون تو ایک کا محاصل ایک کرور بیس لاکھ روپئے ہونگے، یہان سے بہت نیل انگریز کے ملک مین جاتا ہے اور وہان سے اور اور ملکون مین جاتا ہے،

۲۔ روئی

آگے بنگالے[1] مین روئی بہت پیدا ہوتی تھی لیکن اب دوآبے مین اس کی کھیتی بہت ہوتی ہے ... بہت روئی چین کے ملک مین جاتی ہے لیکن تین چار برس سے انگریزون کی ولایت مین بہت جاتی ہے اور وہان سے اس روئی سے کپڑے بنے جاتے ہین۔ اور بہتیرے لوگ اسی وسیلہ سے روئی کما کھاتے ہین،

اس سے معلوم ہوا کہ کپڑا بننے کا کاروبار انگلستان مین ۱۸۳۰ء سے شروع ہوا اس لئے اس سے پہلے وہان ہندوستان سے خام روئی نہین جاتی تھی، بلکہ کپڑے بنکر جاتے تھے، اور

[1] معارف: یعنی گنگا جمنا کے بیچ کا ملک الہ اباد تک،

اب اس روئی کے جانے سے اور کپڑا بننے سے وہان بہتیرے لوگ ،، روئی کما کھانے لگے،

۴- افیون

صوبے بہار اور بنارس مین بہت افیون پیدا ہوتی ہے، اور کمپنی کے سوا کوئی آدمی پوست کا کھیت کرنے اور افیون مول لینے نہین سکتا ہے[1] مگر کمپنی کے حکم سے .... جب کلکتہ مین افیون آتی ہے سوداگر سب مول لیکے چین اور ملائی بھیجتے ہین ....

اب چوتھی پیداوار کا حال سنئے، اور دیدۂ عبرت سے اشک حسرت بہائیے۔

۴- ململ اور کپڑے

ہند کے ملکون مین ہر برس ململ بہتات سے تیار ہوتا ہے خصوصًا ڈھاکے کی ململ اور گنگ کے اتر کا خاصہ اور لکھی پور کے دکھن پورب کا بافتہ اور میدنی پور اور رادھیہ کا صحن اور مرہٹہ ملک کا اطلاع (شاید اطلس ہو) اور برہبوم کا گھڑا (یعنی گاڑھا اور کھدر) بہت ہی خوب ہوتے ہین،

چونکہ امریکہ ملک مین اکثر آدمی کھیت کرتے ہین وہان سوتی یا ریشمی کپڑا کم ہوتا ہے اس لئے اس ملک کے سوداگر بہت کپڑا کلکتے سے مول لیجاتے ہین اور کپڑا بیچکے وہان سے ڈالر لاتے ہین، لیکن تھوڑے دنون سے یورپ اور امریکہ کے لوگ کپڑا تیار کرنے مین بڑے مشغول ہین،

۵- ریشم

رامپور بھولئے کے کارخانے مین اور کمرکھالی مین اور مالدہ اور قاسم بازار مین اور دوسری جگہون مین ریشم تیار ہوتا ہے،

---

[1] معارف: یہ تھا انگریزون کا عدل و انصاف،

۶۔ شورہ

شورے سے باروت بنتی ہے کمپنی کے باروت خانے مین بہت خرچ ہوتا ہے اور

برطین کی ولایت (انگلستان) مین بھی بھیجا جاتا ہے،

ہند کی انھین چھ چیزون سے سوداگری کرتے ہین، (کون ؟ انگریز!) اور ایک

ملک سے دوسرے ملک مین لیجا کے بہت سے فائدے حاصل کرتے ہین،"

اس کتاب کا ایک اور باب ہم ہندوستانیون کے پڑھنے کے لائق ہے،

خاص ملک ہندوستان مین جو چیزین پیدا ہوتی ہین اور نباتات کی قسم سے جو ہند

مین کثرت سے ہوتی ہین اور انگلینڈ مین نہین اگا یان،

اس عنوان کے تحت مین پانچ چیزین گنائی ہین، گنا، تنباکو، روئی، نیل، اور سن،

پہلے گنا جس سے چینی اور قند یا مصری اور گڑ بنتا ہے۔ انگلینڈ مین گنا ہوتا نہین

اس لئے جسقدر چینی وہان خرچ ہوتی ہے اکثر ہند غربی یعنی پچھان سے لیجاتے ہین؛

اس ملک کی چینی بھی انگلینڈ مین لیجا سکتے اور وہان کے لئے کفایت بھی کر سکتی ہے

لیکن یہان کے لوگون کو چینی صاف کرنے مین سلیقہ کم ہے پچھان کی چینی انگلینڈ

مین لیجانے سے جسقدر فائدہ ہوگا یورپ کی چینی سے اس قدر نہین،

دوسرا تنباکو، انگلینڈ مین تنباکو نہین پیدا ہوتا ہے اگلے زمانہ مین یہان کے لوگ

ابھی تنباکو کیا چیز ہے اور کس طرح کھیت کرتے ہین اس سے واقف نہ تھے؛

امریکہ ملنے کے بعد پر انگریز لوگ وہان سے جلد یہان لائے، امریکہ ملنے کے آگے

کسی ملک مین تنباکو نہ تھا،

تیسری روئی، ہند مین روئی بہتات سے پیدا ہوتی ہے اور انگلینڈ کی

سرحد مین اصلا نہین ہوتی ہے، اس واسطے بہت روئی یہان سے وہان لیجاتے ہین،

چوتھا نیل، انگلینڈ مین نیل اصلا پیدا نہین ہوتا ہے لیکن امریکہ ملک مین اس کا کھیت ہوتا ہے جب ہندوستان مین نیل کم تھا تب امریکہ سے انگلینڈ مین لیجاتے تھے، لیکن چونکہ ان دنون ہندوستان مین نیل بہت اور اچھا ہوتا ہے اس واسطے امریکہ ملک مین نیل کا کاروبار اُٹھ گیا اور اسکی آمدنی موقوف ہوئی،

پانچوان سن، انگلینڈ مین سن نہین ہوتا ہے اس لئے ہر سال یورپ کے اکثر بہت سن انگلینڈ مین لیجاتے ہین سن بھی ہندوستان کی سوداگری کی چیزون مین سے ایک چیز ہے،

کتاب کا ایک باب اسکندریہ کے مشہور کتبخانہ کے جلائے جانے کے متعلق ہے، اور جسکا ملزم مسلمانونکو ٹھہرایا ہے، چونکہ اس وقت اہل ہند کی تعلیم کی اسکیم کلرکون کی جماعت پیدا کرنا نہین تھا، اس لئے اس کتاب کے مصنف نے ۱۸۴۸ء مین اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ہندوستانیون کو چاہئے کہ یورپ کے علوم و فنون کو اپنی مادری زبان مین منتقل کرین،

گاہ گاہے بازخوان این دفتر پارینہ را

سید سلیمان

مطبوعات جدیدہ

تفسیر سورۂ والتین، سورۂ والتین مین مسئلۂ خیر و شر اور جزائے اعمال جس مؤثر اور مدلل طریقہ سے ادا ہوا ہے وہ ہر انسان کے غور و فکر کے لائق ہے، الہلال مین مولنا مظہر الدین صاحب شیرکوٹی اور مولنا **ابو الکلام** صاحب آزاد کے قلم سے اس سورہ کی تفسیرین شایع ہوئی تھین، کتبخانہ محمد شریف عبد الغنی نے ان دونون تفسیرون کا مجموعہ شائع کیا ہے اور آخر مین تکمیل فائدہ کی غرض سے جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کی اردو تفسیر بھی ملحق کردی ہے، یہ مجموعہ ہر مسلمان کے پڑھنے کے لائق ہے، تقطیع چھوٹی، صفحات ۸۰، قیمت ۸/، پتہ: کتبخانہ محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب، کشمیری دروازہ لاہور،

انتخاب زرین، جناب سید راس مسعود صاحب ناظم تعلیمات حیدرآباد کی ذات سے قوم کو بڑی بڑی توقعات قائم ہین، آج پہلا موقع ہے کہ ان توقعات کی پہلی قسط قوم کے سامنے آئی ہے، انتخاب زرین، اردو شعرا کا درحقیقت ایک مختصر سا تذکرہ ہے، جس مین بہ ترتیب زمانہ ولی دکنی سے لیکر موجودہ زمانہ تک کے شعرا کا کسیقدر حال لکھکر کم سے کم انکی ایک ایک غزل یا نظم پوری نقل کی گئی ہے، شعرائے حال کے سوانح بھی جو کچھ لکھے گئے ہین انکی اہمیت کا اندازہ اس عہد کے بعد لوگون کو ہوگا، شعرائے قدیم کے سوانح بھی گو مختصر لیکن حاوی لکھے گئے ہین، تذکرہ کی زبان بھی قابل داد ہے، انتخاب کا عام مروجہ طریقہ تو یہ ہے کہ غزل کی غزل اگر اچھی ہے تو پوری غزل ورنہ ایک ایک شعر دو دو شعر مختلف غزلون سے لے لیتے ہین، سید صاحب نے اپنے مذاق کی بنا پر اس کو زیادہ پسند کیا ہے کہ ہر شاعر کا جو کلام منتخب کیا جائے وہ کامل ہو، اس لئے انھون نے ہر شاعر کے مختصر سوانح کے بعد اس کی کامل ایک غزل جو ان کو پسند آئی ہے منتخب کرلی ہے، انتخاب کا معاملہ

ایسا نازک ہے کہ اختلاف ذوق کی بنا پر ایک کا انتخاب دوسرے کے لئے بمشکل پسندیدہ ہوتا ہے، اور یہ فطرت کی معذوری ہے، کل ۲۶۲ شعرانے اس انتخاب مین جگہ پائی ہے، آخر مین دو فہرستین شامل ہین، ایک شعرا کی ہے اور دوسری کلام کی، حروف ہجا کی ترتیب سے تمام غزلون کے مطلعون کے سرالفاظ کے لحاظ سے فہرست بنادی گئی ہے، جس سے بآسانی ہر غزل ملسکتی ہے، چھوٹی موزون تقطیع، جلد خوبصورت، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ضخامت ۲۹۴ قیمت

ازہار العرب جامعہ ملیہ اسلامیہ کے علمی کارنامون کی پہلی قسط آج ہمارے سامنے ہے، یہ آسان عربی نظمونکا ایک مجموعہ ہے جوکہ جامعہ کے مبتدی عربی طلبہ کے لئے، مولانا محمد سورتی صاحب استاذ ادبیات عربی جامعہ ملیہ نے ترتیب دیا ہے، اور جامعہ کے مطبعۂ ملیہ نے اسکو خوبصورت ٹائپ مین شایع کیا ہے، اشعار کے انتخاب مین آسانی کے علاوہ اسکا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان کے مضامین اخلاقی، ناصحانہ اور مذہبی ہون، امید ہے کہ قوم کے ارباب نظر اور اہل تعلیم جامعہ کے اس کام کو نگاہ تحسین سے دیکھینگے، ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جامعہ کی طرف سے آئندہ مفید تصنیفات و تراجم کا ایک مستقل سلسلہ قائم کرنے کے لئے بار آور کوششین کی جارہی ہین، پیش نظر مجموعہ امید ہے کہ عام عربی مدارس مین بھی رواج پائیگا ضخامت ۸۰ صفحات قیمت ۸ر، پتہ: شعبۂ تصنیف و تالیف جامعۂ ملیہ علی گڈھ،

اتحاد اسلام، اس عنوان سے مسلم اوٹ لک لندن مین ایک ترک اہل قلم نے جس نے اپنا نام نہین ظاہر کیا ہے، بلکہ صرف ایک "اناطولی مسلمان" لکھا ہے، سلسلۂ مضمون شائع کرایا ہے، جس مین نہایت تدبر اور کامل معلومات کے ساتھ مسئلۂ اتحاد اسلام، ٹرکی اور ہندوستان، مسئلۂ انتظام حج اور ٹرکی، حجاز اور ٹرکی، انگلستان کا رویہ مسئلۂ حج کے ساتھ، سفیر ٹرکی متعین ہندوستان اور مسئلۂ حج کا ہندوستانی رتبہ، ٹرکی اور مصر، ٹرکی اور ایران، اور انگریزی مداخلت وغیرہ

اہم مسائل کے چہرہ سے نقاب کشائی کی ہے، متعدد وجوہ کی بنا پر ہم اس راز کی پردہ دری کرتے ہین کہ یہ مضمون مشہور ترک مصنف **خلیل خالد** بے مصنف ہلال وصلیب وغیرہ کے قلم سے نکلا ہے، موصوف جنگ بلقان کے پس وپیش زمانہ مین ہندوستان مین سفیر رہ چکے ہین، اور ان کے یہ تمام معلومات ان کے ذاتی تجربہ اور واقفیت پر مبنی ہین، ہماری کونسلون کے ممبرون کو اور خصوصًا جو سرکاری حج کمیٹی کے ممبر ہون ان کو خصوصیت کے ساتھ یہ رسالہ پڑھنا چاہئے، جامعہ ملیہ کے شعبۂ تالیف و تصنیف نے اسی انگریزی مضمون کا یہ اردو ترجمہ اس نام سے شایع کیا ہے، قیمت ۴ر، پتہ: بدرالدین حسین، جامعہ ملیہ علی گڈھ،

خزینۃ المیراث، اردو مین علم فرائض پر متعدد کتابین شائع ہو چکی ہین، یہ کتاب بھی اسی علم مین ہے، اور مولوی فتح الدین صاحب خوشابی اس کے مؤلف ہین، اس کتاب کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس مین عملی طریق سے علم فرائض کی تعلیم کی گئی ہے، مسائل کی ہر ممکن صورت کو فرض کرکے اس کے جوابات کے عمل بتائے گئے ہین، شروع مین اصطلاحات کی تصریح اور ہر حصہ دار شرعی کی مختلف حالتون کی تفصیل کی گئی ہے، کتاب مفید ہے، قیمت عہ/، پتہ محمد اسمٰعیل صاحب کشمیری دروازہ لاہور۔

حیات کامل، مولانا مظہرالدین صاحب شیرکوٹی اڈیٹر الامان نے حیات کامل کے نام سے مرحوم مصطفی کامل پاشا مصر کے قومی فرقہ کے بانی ورہبر کے حالات زندگی ترتیب دئے ہین، اس عہد مین جب مسلمان قومین تجدید ترقی کیلئے بجان ودل کوشان ہین، اس مصری رہبر کی زندگی سبق آموز ہوگی، مولانا نے نہایت تفصیل سے مصر کے سیاسی حالات اور کامل مرحوم کے کارنامے لکھے ہین، اسی ضمن مین مسئلۂ مشرقیہ کی تشریح بھی آگئی، بہتر ہوتا اگر مولنا اپنی عربی ماخذ و نکا بھی دیباچہ مین تذکرہ فرما دیتے، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۹۲، قیمت عہ/، پتہ: دفتر الامان گلی قاسم جان دہلی،

مجلد دہم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۲ء	عدد پنجم

مضامین

شذرات

الہ آباد یونیورسٹی کے مسلم ہوسٹل کے طلبہ نے ایک انجمن اردو کی بنیاد ڈالی ہے، جس کا مقصد اردو زبان کے علوم و ادبیات کی ترقی ہے، اِس تحریک کا جس قدر جوش سے خیر مقدم کیا جائے وہ کم ہو، کہ اِس صوبہ کی یونیورسٹی مین جہان کی اردو زبان صحت کا معیار ہے، اور جہان وہ بلا استثنا، ہر فرقہ کی مادری زبان ہے اوسکا اعتبار اور احترام سب سے زیادہ، کم ہو، گو کہ طلبہ اور چند پروفیسرون کی یہ توجہ محض اون کی ذاتی حیثیت اور ذاتی شوق کی بنا پر ہے، تاہم توقع بندھ سکتی ہو کہ شاید وہ زمانہ بھی آئے جب خود یونیورسٹی سرکاری حیثیت سے بھی اِس زبان کی دستگیری کی طرف التفات کرے،

واقعاً یہ کس قدر حیرت اور حیرت سے حسرت کا مقام ہے کہ اردو زبان کی قدر اور اوس کی ترقی کی کوشش ہندوستان کے اون صوبون نے کی جہان وہ نسبتہً کم رواج پذیر تھی، اردو کی طرف سب سے پہلے توجہ کلکتہ نے کی، اوس کے بعد پنجاب نے کی، اور اِس قدر اوس کی خدمت کی کہ اوسی کے ذریعہ سے اردو پنجاب کی مادری زبان بن گئی، پنجاب یونیورسٹی نے اردو مصنفین کی ہمت افزائی کی، جدید علوم و فنون پر اردو مین کتابین تصنیف کرائین، اردو کے ارکان خمسہ مین سے حالی اور آزاد کو اوسی نے چمکایا، عمدہ تصنیفات پر انعامات دیئے، حتیٰ کہ مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیون نے اوس کی طرف توجہ کی، لیکن توجہ نہ ہوئی تو اوس صوبہ کے تعلیمی ایوان مین جہان کی یہ اصلی زبان ہے، ایک سے دیگر سر ولیم میور کا عہد ہے اوس کو چھوڑ دیجیے تو سرکار الہ آباد کی ادبی تاریخ کا ہر صفحہ آپ کو سادہ نظر آئیگا، شکر ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی نے ایک حد تک اِس کی تلافی کی، اب مجوزہ آگرہ یونیورسٹی پر نظر ہے، جہان کی سرزمین کو

میراور غالب کے پیدا کرنے پر ناز ہے،

مشہور محدث امام **خطابی** جن کی تصنیفات روایت اور درایت، لغت و ادب، فقہ و تاریخ کا بہترین سرمایہ ہین، حدیث مین اونکی دو مشہور تصنیفین ہین ایک اعلام السنن اور دوسری معالم السنن، ان دونون کتابون کی ہم کو سخت تلاش ہی مگر اب تک اون کا کوئی نسخہ ہم نہین پہنچا، مصر کے سید رشید رضا (المنار کے اوڈیٹر) مصر کے مشہور محدث اور عالم بالحدیث ہین، اونھون نے ہمارے ذریعہ سے یہ کتاب ہندوستان مین تلاش کرائی ہی، معالم السنن جو سنن ابوداؤد پر تعلیق ہے اوس کی پہلی جلد جونپور کے مشہور عالم خاندان مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب کے کتبخانہ مین دستیاب ہوئی ہی، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ہے، اور یمن سے یہان آیا ہی، اس جلد کو دیکھکر امام خطابی کی تصنیفات کی حرص اور زیادہ بڑھ گئی ہے، اگر ہمارے ناظرین مین سے کوئی صاحب علم اس گوہر شبچراغ کا پتہ لگا سکین تو غایت عنایت!

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے چند مہینون سے اپنی زندگی کا پھر ثبوت دینا شروع کیا ہے، اوس کا قابل تعریف ماہوار تعلیمی رسالہ **کانفرنس گزٹ** پھر شائع ہونے لگا ہے، اسی کے ساتھ **اصلاح تمدن** کا صیغہ جو مرحوم خواجہ غلام الثقلین کی وفات کے ساتھ مرگیا تھا، اب پھر اوس کو "نشاۃ ثانیہ" دئیے جانے کی کوشش کی جارہی ہے اس کے دفتر کی طرف سے ایک فارم مع ایک معاہدہ نامہ کے اس غرض سے شائع ہوا ہے کہ مسلمان اس معاہدہ نامہ پر دستخط کرکے یہ عہد کرین کہ وہ آیندہ سے سادہ زندگی بسر کرینگے، اور ہمیشہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرینگے، اور دیگر اقتصادیات کو مدنظر رکھینگے، لیکن اگر کہین ان اشتہارات سے قوم کی عملی زندگی اور اخلاق راسخہ مین فرق پیدا ہوسکتا تو آج ہماری قوم کہان سے کہان پہنچ گئی ہوتی، ہم تربیت کا کام ایک عارضی اشتہار و اعلان سے لینا چاہتے ہین، خوش قسمتی سے ہماری کانفرنس کے

ہاتھ مین سالہا سال سے ایک بہترین تربیت گاہ ہے، قوم کے لئے کس قدر مفید ہوتا اگر اس کی عملی دعوت پہلے وہان سے شروع کی جاتی،

معارف کے پچھلے نمبرون مین شانتی نکیتان پر ایک مسلسل مضمون شائع ہوا ہے، اوس مین جہان کتبخانہ کا ذکر ہے، یہ شکایت کی گئی ہے کہ اوس مین عربی اور فارسی کی کتابین نہین، مدرسۂ مذکور کی طرف سے ایم ضیاء الدین صاحب اس شکایت کی تردید کرتے ہین، اور لکھتے ہین کہ کتبخانہ مین عربی وفارسی زبانون کی کتابون کی طرف بھی توجہ کی جاتی ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین اون چالیس پچاس عربی وفارسی کتابون کے نام لکھکر بھیجے ہین، جو کتبخانۂ مذکور مین موجود ہین، یہ کتابین زیادہ تر بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات ہین، بہرحال اگر یہ چالیس پچاس نسخے وہان موجود نہ بھی ہوتے تو یہ قصور شانتی نکیتان کا نہین بلکہ ہمارا ہی، اگر اوس درسگاہ مین مسلمانون کی علمی یا تعلیمی شرکت معتدبہ ہوتی اور پھر بھی ادھر توجہ مبذول نہوتی تو جائے شکایت تھی، اگر اب بھی بالفرض وہان ان زبانون کی بڑی تعداد مین کتابین جمع کردی جائین لیکن وہان ان کے پڑھنے والون کا وجود نہ ہو تو چند روز مین یہ بھری الماریان پھر خالی کی خالی نظر آئینگی !
علاوہ ازین کتبخانۂ مذکور مین زیادہ تر وہ کتابین ہین جو لوگون نے وہان بطور ہدیہ بھیجی ہین، اگر ان بانون کے ہمدرد وہان یہ اپنے قومی تحفے بھیجتے تو شکریہ کے ساتھ قبول ہوتے، اور ہمارے "چشم دید شاہد" کو وہ نظر آسکتے، اسی سلسلہ مین یہ بات بھی سننے کے قابل ہو کہ ڈاکٹر ٹیگور کو جرمنی اور فرانس سے جو کتابین ہدیہ ملی ہین اون مین عربی وفارسی مطبوعات یورپ کا بھی خاصہ ذخیرہ ہے،

ہمارے مخدوم مولنا حبیب الرحمان خان شروانی نے مدت کے بعد معارف کو یاد فرمایا ہی، لیکن ہمین خوشی ہو کہ یاد تو فرمایا، مولنا ایک خاص طرز تحریر کے مالک ہین، جو سوز وگداز اور شوخی وتاثیر کا

مجموعہ ہے، اون کی تحریر کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ باہمہ رنگینی اور شوخی بزرگون کے ساتھ ادب و وقار اور عقیدت کا ایک خاص جذبہ نمایان ہوتا ہے، وہ قدیم زمانہ کی حسرتناک یاد کے ساتھ جدید زمانہ کے عبرتناک منظر کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہین، چنانچہ آج اون کا جو مضمون مقالات مین شائع ہوا ہے وہ خود ان خصوصیات کی مثال ہو، قدیم اور نادر کتابون کے ساتھ اونکا شغف وذوق حد عشق تک پہنچا ہوا ہے، شاید ہی کسی دن کا آفتاب وہ کسی نادر علمی تحفہ کے بغیر دیکھتے ہون، اور ہر سال اونکا اچھا خاصہ سرمایہ اون کے اس شوق پر صرف ہوتا ہے، اس وقت ہمارے خیال مین پانچ چھ ہزار عمدہ کتابین اون کے "کتابخانہ حبیب گنج"، (علی گڈھ) مین فراہم ہونگی، جن مین بہت سے علمی نوادر قلمی تحائف اور تاریخی آثار جمع ہین، خصوصاً فارسی ادبیات کا جتنا نادر اور عمدہ مجموعہ اِس کتبخانہ مین ہے اور کہین نہ ہوگا،

یادگارِ زمانہ ہین یہ لوگ

سُن رکھو تم، فسانہ ہین یہ لوگ

مساجد، اشاعت توحید و دین حق کی نمایان ترین علامات ہین، اِن کی تعمیر، اِن کی آبادی، اور ان کی خدمتگذاری کے فضائل احادیث نبوی مین بہ کثرت وارد ہوئے ہین، حقانیت اسلام کی جہانگیری کا ایک اثر یہ بھی ہے، کہ مادیت و تثلیث پرستی کے بڑے بڑے ظلمت کدہ تک شعاع انوار ہدایت سے منور ہو جاتے ہین، یورپ کو اسلام سے جیسی کچھ محبت و دوستی ہے، ظاہر ہے، باانیمہ یہ سرزمین بھی اکتساب فیض سے بالکل محروم نہین، چنانچہ جرمنی مین ایک شاندار مسجد، مضافات برلن مین، بہ مقام ڈنڈرسڈورف مدت سے موجود ہو، جس کی تعمیر حکومت کی جانب سے ہوئی تھی، اور جس کے مصارف حالیہ کا بھی خزانۂ سرکاری ہی کفیل ہو، پچھلی عید الفطر کے موقع پر یہان بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نماز ادا کی گئی، اور مسلمانان ہند نے اپنے برادران ترک و ایران، مصر و افغانستان کے ساتھ اپنے خالق کے آگے سرنیاز جھکایا، حال مین فرانس سے

خبر آئی ہے کہ وہان بھی حکومت ہی کے زیر اہتمام پیرس مین ایک عظیم الشان مسجد مع اپنے تمام متعلقات (حمام، کتبخانہ وغیرہ) کے تعمیر ہوگئی ہے،

جرمنی کے زیر حکومت ایک رعیت بھی مسلمان نہین، فرانس کے ماتحت چار کرور رومن ہستیان بستی ہین، یہ حکومتین اسلامی جذبات کا اسقدر پاس رکھتی ہین، لیکن انھین کی ہمعصر ایک اور "پُر قوت" "صاحب جبروت" سلطنت بھی ہے، جو اپنے تئین سب سے بڑی اسلامی حکومت کہتی ہے، جس کے ماتحت واقعةً دنیائے اسلام کی سب سے بڑی تعداد آباد ہے، اور جسے حجاز و عراق، مصر و ہند، افغانستان و ایران، سب کہین اسلام و پیروان اسلام سے قدم قدم پر سابقہ رہتا ہے، باانیہمہ اوسے جذبات اسلامی سے اعتنا کرنے کی ابتک اِس قدر بھی توفیق نہین ہوئی ہے!

اِسلام اپنی عبادتگاہون کی تعمیر و تحفظ کے لیئے بیگانون کا محتاج نہین، دوسری اقوام کا دست نگر ہونا اس کے لیئے باعث ننگ ہے، اوس کا کھلا ہوا فرمان موجود ہے کہ

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ	مشرکون کو اس کا حق ہی نہین، کہ خدا کی مسجدین
عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ	آباد رکھین، درآنحالیکہ اپنے قول و کردار سے اپنے
وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ـ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے رہین، یہ تو وہ لوگ ہین
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ	جن کے اعمال سب ضائع، اور جن کا دائمی ٹھکانا
اٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ،	دوزخ ہی، خدا کی مسجدون کو آباد رکھنے والے تو وہ
(توبہ - ع ۳)	ہین، جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور نماز
.. ..	پڑھتے اور زکوۃ دیتے ہین، اور بجز خدا کے کسی سے نہین ڈرتے،

البتہ جو قومین خلوص و حُسن نیت سے یہ کار خیر انجام دینا چاہتی ہین وہ شکریہ سے محروم نہ رہینگی،

اسلام نے معابد کے باب مین وہ رواداری ملحوظ رکھی ہے، جس کی نظیر دنیا کا کوئی دوسرا مذہب نہین پیش کرسکتا، انتہا یہ ہے کہ دوسری قومون کی عبادت گاہون کی حرمت بالکل مساجد کے مساوی مدنظر رکھی ہی، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، کہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا، (حج - ع ۶)	اگر خدا لوگون کو ایک دوسرے سے نہ بچاتا رہتا تو عیسائیون کے صومعہ اور کلیسا اور یہودیون کے عبادت خانے اور مسلمانون کی مسجدین، جن مین بکثرت ذکر خدا ہوتا ہی، سب ڈھائے جاچکے ہوتے،

اور سب عبادت کے طریقون کے یکسان احترام کی تعلیم دی ہے، کہ

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ، (حج - ع ۹)	"ہم نے ہر قوم کے لیے ایک طریقۂ عبادت تعلیم دیا ہے کہ اس پر چلتے رہین، تو ان کو چاہیے کہ تمھارے طریقہ عبادت (اسلام) مین جھگڑا نہ کرین"

سرور انبیاء صلعم و خلفاء راشدین کے عہد مین اس تعلیم پر جس پابندی کے ساتھ عمل ہوتا رہا، اس کے تذکرون سے سیر و تاریخ کے دفتر لبریز ہین، لیکن شکر ہے، کہ اس دور انحطاط مین بھی مسلمان اپنے مذہب کے اس حکم کی تعمیل مین بدستور ثابت قدم ہین، ٹرکی کی رواداری، اس حیثیت سے، اب مخالفین تک کو مسلّم ہوتی جاتی ہے، سلطان مصر نے حال ہی مین ایک کلیسا کی تعمیر کے لیے ایک وسیع قطعہ زمین مرحمت کیا ہی، ریاست بھوپال کی حدود مین شاید گنتی کے چند مسیحی رہتے ہون، لیکن ان کے لیے چند روز ہوئے ریاست کے خزانہ سے ایک وسیع کلیسا تیار ہوا ہے، اور مملکت آصفیہ حیدر آباد کا خزانۂ عامرہ تو

ہر سال لاکھون کی رقم مسیحی کلیساؤن اور ہندو مندرون پر صرف کرتا رہتا ہے، ایک طرف یہ واقعات وحالات ہین اور دوسری طرف یہ حقیقت پیش نظر ہے کہ مساوات پسند، مذہبی معاملات مین ناطرفدار، حریت دوست، جمہوریت نواز، معدلت پرور، حکومت برطانیہ ہر سال تیس لاکھ کی رقم ہندوستان کی رعایا سے وصول کرکے ہندؤن، مسلمانون، بدہون، پارسیون، سکھون، کے معبدون پر نہین، بلکہ تمامتر ہندوستان مین پچاس لاکھ بسنے والے عیسائیون کے کلیسا پر بے دریغ صرف کرتی رہتی ہے!

مولانا حالی مغفور کی قدردانی خود اون کی قوم مین تو یہ ہوئی تھی کہ "خالی" "خیالی"، "ڈفالی" جیسے سنجیدہ حریف اون کے زیر کرنے کو اکھاڑہ مین اُتارے گئے، اور علی گڈھ، لکھنؤ و گورکھپور سے مہینون بلکہ برسون اون کے نام پر آوازے کسے جاتے رہے، لیکن دوسری قومین، اسقدر تنگ نظر نہ تھین، اون کی رباعیات کا ترجمہ مدت ہوئی انگریزی مین ہوچکا ہے، اون کی تصانیف نثر پر انگریز محققون نے تبصرہ لکھے ہین، اون کی مناجات بیوہ کا ہند و بیرون ہند کی کل دس زبانون مین ترجمہ ہوچکا ہے، حال مین ان کی شاعری پر ایک مستقل کتاب ہندی زبان مین پنڈت جوالا دت شرما کے قلم سے انڈین پریس الہ آباد سے شائع ہوئی ہے، جس مین اون کے کلام کے بہ کثرت اقتباسات دیئے ہین، عین اسی زمانہ مین گرنتھ بھنڈار لیڈی ہارڈنگ روڈ، بمبئی نے اون کی مناجات بیوہ کو بھی ودھوا پرارتھنا کے ہندی عنوان سے شائع کیا ہے،

قابل ذکر امر یہ ہے، کہ یہ کتاب مولانا حالی کی نظم کا ہندی ترجمہ نہین، بلکہ بعینہ اوسی نظم کو

دیوناگری رسم الخط مین شائع کردیا ہے، لطف یہ ہے کہ ہندو اخبارات ریویو مین زبان کی سلاست وصفائی کی داد دے رہے ہین، گویا ہمارے ہندو احباب کے نزدیک بھی ملک کی اصل زبان وہی ہے جو اِس کتاب کی زبان ہے، جسے اردو و دیوناگری دو طرح کے رسم الخط مین لکھا جاسکتا ہے، یہ ملکی زبان عربیت کی آمیزش سے جس قدر پاک ہے اوس کا اندازہ نظم کے پہلے شعر سے ہوگا ؎

اے سب سے اوّل اور آخر　　　جہان تہان حاضر اور ناظر

الفاظ زیرخط کھُلے ہوئے عربی زبان کے ہین، جو احباب ملکی زبان کو عربی و فارسی اثرات سے یکلخت بے تعلق کرلینا چاہتے ہین، کاش وہ اب بھی انصاف سے کام لین،



مقالات

دُنیائے اِسلام مین ذہنی اِنقلاب

گذشتہ چند برسون کے اندر دنیائے اِسلام مین جو سیاسی اِنقلاب ہوا ہے، اوس پر تو سب کی آنکھین لگی ہوئی ہین، مگر اس ہمہ گیر مادۂ آتشین کے نیچے، ذہنی انقلاب کی جو بارود بچھ رہی ہی، کیا اوس کو بھی آپ نے دیکھا ہ؟ قوم افراد سے مرتب ہوتی ہی، ہر فرد انسان اپنا تجربہ پیش کرسکتا ہی، کہ وہ اوسی وقت سرگرم عمل ہوتا ہے، جب اوس کے دل و دماغ مین کسی خاص جد وجہد کا خیال ہنگامہ آرا ہوتا ہی، ہمارے گذشتہ تعلیمی مصلحون نے چیخ چیخ کر قوم کو جگایا کہ اگر وہ اپنی ذہنی حالت درست نہ کریگی تو اوس کو فنا کا سامنا ہے، مگر مجموعۂ افراد، متفرق افراد کے برابر عاقبت اندیش اور آخر بین نہین ہوتا، اسلئے قوم نے عموماً، آنے والے سانحۂ زوال کی پوری اہمیت محسوس نہین کی، مگر گذشتہ جنگ عظیم پر پردہ گرنے کے بعد تمام دنیائے اِسلام کو اپنی فنا اور تباہی کا جو ہولناک سمان نظر آیا، اوس نے اوس کے قوائے جسمانی کی طرح اوس کے قوائے دماغی کو بھی بیحد متاثر کیا، اور سیاسیات کے اشتعال نے اپنے ساتھ دنیائے اِسلام کے قوائے ذہنیہ کو بھی مشتعل کر دیا،

دنیائے اِسلام کے اِس ذہنی انقلاب کے حسب ذیل چھ جلی مظاہر ہین:-

۱- **اتحادِ اسلامی یا اتحادِ مشرقی**، یہ نظر آتا ہی کہ ہر اسلامی اور ہر مشرقی ملک کے اندر یہ احساس اوس کی رگ و پے تک مین سرایت کرگیا ہے، کہ بغیر اتحاد کے ہماری تنہا زندگی معرض خطر مین ہے، اسلیئے کابل، طہران، بخارا، باکو، انگورا، قاہرہ، دمشق، بیت المقدس، الجزائر، فارس، ریف، سب ایک

زنجیر مین بندھے ہوئے معلوم ہوتے ہین، اور اِس ترانۂ محبت کے آرگن اتحادِ اسلام مزار شریف، اتفاقِ اسلام ہرات، اتحادِ مشرقی جلال آباد، اللواء قاہرہ، المنار قاہرہ، الفجر تونس، توحیدِ افکار اناطولیہ لواء الاسلام قسطنطنیہ، فتی العرب دمشق، الحقیقۃ بیروت، آزادیِ مشرق جرمنی، مسلم اسٹینڈرڈ، لوائے اسلام لندن، ایکو دی اسلام (صدائے اسلام) پیرس ہین، افسوس کہ اِس موضوع کی تفصیل کا یہان موقع نہین۔

۲- احساس مذہبی، چونکہ اِس اتحاد کی بنیاد مذہب پر ہے، اسلیئے مذہبی بیداری کے مناظر بھی علانیہ نظر آتے ہین، ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ اصحاب مین متمدن یورپ کی تقلید مین مذہب سے بیزاری اور ارکان مذہب سے لاپروائی فیشن مین داخل ہوگیا تھا، اور خصوصاً قیام یورپ کے زمانہ تک تو وہ چند سال دین ایمان فراموش کردیتے تھے، ایسی حالت مین نماز روزہ کا خیال آنا ایک بے سود توقع تھی، اور اون کو کسی یورپین ملک مین نماز پڑھنے سے شرم آتی تھی، مگر اِن چند برسون کے اندر یہ بھی عظیم انقلاب ہی کہ مسلمان نوجوان مذہب کی طرف رجوع ہو رہے ہین، خدا کا نام لیتے شرماتے نہین، اور کسی یورپین ملک مین نماز پڑھنے سے اون کو ندامت نہین ہوتی، جہان تک انگلستان کا تعلق ہی، اِس بارۂ خاص مین خواجہ کمال الدین صاحب کا نام نہ لینا احسان فراموشی ہی، خاص لندن مین ایک مکان کرایہ پر لیکر ہر جمعہ کو طلبہ کو نماز پڑہاتے ہین، ووکنگ کی مسجد مین ہر روز نمازین ادا ہوتی ہین، جنگ کے زمانہ مین جرمنی مین بمقام وُنڈرسڈورف ایک عظیم الشان مسجد ترکون کی محبت مین قیصر نے بنوائی تھی، عثمانی سفارتخانہ کے امام متولی ہین، عیدین کی نمازین جوش وخروش سے وہان ادا کی جاتی ہین، پیرس مین ایک مسجد کے بنوانے کا خیال شمالی افریقہ کے مسلمان اُمراء اور سپاہیون کی یادگار مین جنھون نے گذشتہ جنگ مین فرانس کو وفادارانہ مدد دی چند سال سے تھا، وفد خلافت کے قیام یورپ کے زمانہ مین کئی دفعہ اِس تحریک کے بانی فرینچ جنٹلمین ملنے کو آئے، اور اِس مجوزہ مسجد کا نقشہ دکھایا جس کا ایک فوٹو راقم کے پاس اوسکا ہر یہ موجود ہے، اب یہ مسجد تیار ہوگئی ہے، اور مسلمان نمازیون کا سجدہ گاہ ہی، چنانچہ اس مہینہ کے ریوٹر کے

تارون مین بیسیون مسلمان امرا، اور سفرا کے مجمع مین اِس کے افتتاح کی خبر آئی ہے،

اِس مذہبی تحریک کے نشو و نما مین افغانی حکومت اور افغانی سفرا کا بھی بڑا حصہ ہی، یہ سفرا یورپ کے جس ملک مین بھی متعین ہوئے، وہان اونھون نے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ وہ مسلمان ہین، سفیر افغان متعین اٹلی نے اپنی پہلی تقریر مین روم کے اندر یہ کہا کہ مین فخر کے ساتھ یہ اظہار کرتا ہون کہ مین ایک مسلمان ہون اور ایک اسلامی حکومت کا نمایندہ ہون، جرمنی کی مسجد کے فروغ مین بھی "منبر و محراب" کے علم افغانی کو بڑا دخل ہے، ۱۳۴۱ھ کی عید اضحیٰ دنیائے یورپ مین پہلی عید تھی، جس مین مسلمانون نے قربانی کا فریضہ یورپ کی سرزمین مین بیٹھکر انجام دیا، یہ انگلستان مین سفیر افغانی کی طرف سے قربانی تھی جس کی رسم مسلمانون کے بھرے مجمع مین ادا کی گئی،

ٹرکی مین اسلامی توانین کا اجراء، یورپین سلطنتون کی مداخلت سے سست ہی، یہان کے قہوہ خانون مین جام مے کا دور کافی کی پیالیون کے پہلو بہ پہلو چلتا تھا، لیکن قبضہ سمرنا کے بعد سب سے پہلا اصلاحی کام ریو ٹرکی خبرون مین یہ مشہور ہوا ہے کہ شرابخانے اور میخانے بند کیئے جارہے ہین، اور قرآن کے احکام کا اجرا کیا جارہا ہے، اور شراب پینے والے کی سزا تیس دُرّے مقرر ہوئی ہی، علماء ایران نے اسی مہینہ شراب نوشی، شراب فروشی کے امتناع کا مطالبہ کیا ہی، اور اخبارات مین مذہبی آزادانہ مضامین کے خلاف احتجاج کیا ہی،

۳- یورپین تمدن سے سرتابی، اس انقلاب ذہنی کا تیسرا مظہر یہ ہے کہ چونکہ اس جنگ عظیم نے یورپین تمدن کے مفاسد کو علی الاعلان آشکارا کردیا ہی، اور نیز صاف کہنا چاہیئے کہ یورپ کی قومون کی طرف سے مسلمانون کے اندر ایک نفرت سی پیدا ہوگئی ہی، اسلیئے یورپین تمدن سے اون کو وہ اگلی سی محبت نہین رہ گئی ہی، اور نہ اب وہ وقار اور عظمت کا آئینہ بردار باقی رہا ہے، خود مشرق کی سرزمین مین ایک اصلاح یافتہ مشرقی طرز تمدن اور طرز لباس زندہ ہو رہا ہے، پہلے ہر مشرقی مسلمان خاک یورپ کو

جاتے ہوئے اپنا مشرقی لباس اپنے ملک کے بندرگاہ مین اُتار ڈالتا تھا، اور یورپ مین جاکر صافہ، یا پگڑی، یا ٹوپی پہنتے ہوئے اوسے شرم آتی تھی، مگر اب وہ فخر وغرور کے ساتھ اپنے صافے اور ٹوپی کو یورپ مین استعمال کرتا ہے، خاص مجمعون مین پورا مشرقی طرز خصوصیت کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہی، اور اسلامی شان کو نمایان کیا جاتا ہے، آج سے چند سال پہلے ایک فارسی ایرانی رسالہ برلن سے کاوہ نامی نکلتا تھا، تقی زادہ ایرانی اوس کے اڈیٹر تھے، ایرانی قوم کو ترقی کے لئے اوس کا مشورہ یہ تھا کہ "در ہر چیز فرنگی آب شوید و بس" اب چند مہینون سے اوسی برلن سے ایرانی ہی اڈیٹر (طاہر زادہ) کے زیر ادارت ایرانشہر رسالہ نکلتا ہی "وہ ایرانیون کو مذہب، اخلاق اور تربیت اسلامی کی تلقین کرتا ہی، اور تمدن فرنگی کے معائب سے اون کو آگاہ کرتا ہے" سنگاپور کا رسالہ مسلم اور مصر کا المنار بھی یہی پیغام پھیلا رہا ہے، افغانستان نے قانوناً یورپ کے فیشن کی چیزون کو باہر سے منگوانا بند کر دیا ہے، علمائے ایران کے مطالبہ اور اصرار سے سکرات اور یورپین وضع کے تفرجگاہون کی بندش مجلس نے منظور کی ہی،

۴- **تعلیمی ترقی**، ہر اسلامی اور مشرقی ملک مین تعلیم کی اشاعت کا عام جذبہ پیدا ہو گیا ہی، بڑے شہرون مین مدارس کھل رہے ہین، گاؤن مین مکاتب قائم ہو رہے ہین، جدید طرز پر صیغۂ تعلیمات کی تنظیم ہو رہی ہے، غریبون اور مزدورون کے لیئے مکاتبِ شبانہ (رات کے اسکول) کھلتے جاتے ہین، "ٹائمس کے ایک نامہ نگار نے **افغانستان** کی نسبت لکھا ہی کہ "یہان مدارس اور مکاتب گھاس کی طرح پورے ملک مین اُگ رہے ہین" ہر جگہ مدارس اور مکاتب قائم ہو رہے ہین، کابل مین ایک زنانہ مدرسہ بھی کھل گیا ہی، اناطولیہ کے متعلق چند مہینے ہوئے ایک امریکن سیاح نے اپنا مشاہدہ لکھا تھا کہ پورے ملک مین مدارس اور مکاتب قائم ہو رہے ہین، اور صبح کو معصوم بچے اور لڑکیان قطار در قطار اسکولون اور مدرسون کو جاتے ہوئے نظر آتی ہین، سید اقبال علی شاہ (مقیم انگلستان) نے سرزمین اناطولیہ کے حالات پر جو دلچسپ مضمون ابھی حال مین لکھا ہی اوس مین لکھتے ہین کہ "ہر اکتوبر ۱۹۱۳ء کو یہان لازمی تعلیم کا قانون منظور ہو گیا تھا، ہر بچہ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، سات برس کی عمر سے لیکر سولہ برس کی عمر تک اوس کے لیئے تعلیم لازمی ہی، حکومت کی طرف سے اسکول اور مدرسے جا رہے ہین"

عراق کی جدید حکومت بھی مدارس اور مکاتب کھول رہی ہی معہد علمی کے نام سے ایک جدید درسگاہ کی بنا پڑ رہی ہے، سوق عکاظ کے نام سے علم ادب کا ایک نیا بازار قائم ہوا ہے، ۲۱ ردسمبر ۱۹۲۱ء کو، شام و فلسطین کے نمایندون نے جینوا مین جمعیۃ لیگ آف نیشنس کے نام جو مراسلہ بھیجا تھا، اوس مین لکھا تھا کہ ہمارے ملک مین مشرقی صدی تعلیم ہی مصر کی تعلیمی ترقی بھی پیچھے نہین ہے، سرکاری مدارس کو چھوڑ کر محکمۂ اوقاف یا اشخاص اور انجمنون کی طرف سے مدارس اور مکاتب قائم ہو رہے ہین،

حکومت عراق، بغداد مین جامعۂ آل البیت کے نام سے ایک یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھ رہی ہے جس مین چھ شعبے ہونگے، دینیات، قانون، طب، ہندسہ، (انجنیری) فنون (آرٹس) علم تعلیم، (ٹریننگ) اس یونیورسٹی کے لیئے ایک خوش قطعہ مقام منتخب کیا گیا، جو آب و ہوا اور حسن منظر کے لحاظ سے بہترین ہے، خیال ہی کہ اسی کے پہلو مین تجربہ گاہ، عجائب خانہ، اور کتب خانہ قائم ہوگا، مشہور و ماہر فن اساتذہ کا اس کے لیئے انتخاب ہو رہا ہے، اور اس مین ممالک عرب کے ہر صوبہ کے طالب علم داخل کیئے جائینگے،

کیا ہم امید کرین کہ پانچوین صدی کا نظامیہ یا چھٹی صدی کا مستنصریہ، اس چودھوین صدی مین پھر زندہ ہوگا؟

مکہ معظمہ مین جیسا کہ القبلہ کے صفحات سے ظاہر ہوتا ہے، پانچ چھ مدرسے جدید طرز پر وہان قائم ہوئے ہین، مختلف موقعون پر ان مدارس کے طالب علمون کی جو عربی تقریرین، تحریرین، اور قصائد القبلہ مین چھپتی رہتی ہین، اون کے دیکھنے سے اون طلبہ کی ادبیت، عالی خیالی، وسعت معلومات، غیرت دینی، اور حمیت قومی کا ثبوت ملتا ہی، ان مدارس مین سے سب سے بڑا مدرسہ مدرسۂ ہاشمیہ ہے، جو جبل قیعان پر جس کو اب جبل ہندی کہتے ہین واقع ہی، اواخر ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ مین اس مدرسہ کے سالانہ امتحان کے نتائج ظاہر ہوئے تھے، ایک بڑے جلسہ مین جس مین خود شریف حسین اور دیگر وزرار اور عمائد شریک تھے ان طلبہ کو انعامات تقسیم کیئے گیئے، اس جلسہ مین محمد عبد اللہ بن محمد اجادہی ایک آٹھ برس کے لڑکے نے

جو تقریر کی، وہ ہر طرح تعریف کے لائق ہی، اس امتحان مین حسب ذیل طلبہ مختلف علوم وفنون مین خاص طور سے کامیاب ہوئے، حسین بن ربیع، حساب مین، حمزہ مرزوقی، ہندسہ مین، محمد قماش، جغرافیہ مین،

مشرقی ممالک سے گروہ درگروہ مسلمان طلبہ یورپ کی یونیورسٹیون کو روانہ ہو رہے ہین، تمام اسلامی ملکون مین سے مصر اس میدان مین سب سے آگے ہے، اس کا سبب یہ بھی ہی کہ وہ یورپ سے قریب تر ہے مصریون نے ممالک یورپ مین سے اپنے لئے سب سے زیادہ اٹلی کو پسند کیا ہی، کہ وہ پورٹ سعید سے صرف دو دن کی راہ پر واقع ہی، انگلستان مین بہت کم مصری طلبہ جاتے ہین، تاہم اڈنبرا کے طبی کالج مین ۱۹۲۰ء مین (یعنی وفد خلافت کے قیام کے زمانہ مین) کم از کم ۲۰ طالب العلم تھے، ایرانی اور افغانی طلبہ نے اپنا مرکز تعلیم جرمنی کو بنایا ہے، اور ترکی طالب علمون کا زیادہ حصہ پیرس مین ہے، طاہرزادہ ایرانی اڈیٹر ایرانشہر برلن نے جرمنی مین جو مشرقی طلبہ زیر تعلیم ہین، اون مین سے ہر ملک کے سفارت خانون سے معلوم کرکے محرم ۱۳۴۱ھ کے رسالہ مین حسب ذیل تعداد شائع کی ہی،

افغانی طلبہ جو جرمنی مین زیر تعلیم ہین،	۳۰
ایرانی " " "	۴۰
مصری " " "	۷۰

اڈیٹر نے لکھا ہی کہ ترکی سفارت خانہ نے اپنے طلبہ کی تعداد نہین بتائی،

کراچی کے ایک ایرانی کارخانہ حسن علی اینڈ کمپنی نے برلن بنک مین ایک معتدبہ رقم ابھی حال مین جمع کی ہی، اور ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ کے "آزادی مشرق" مین اعلان کرایا ہی کہ اس رقم کا منافع، فارس کے اون طلبہ کے وظیفہ مین صرف ہوگا جو برلن جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہینگے، ان طلبہ کو وہان آقا حسن عباس خان ایرانی تاجر مقیم برلن کے زیر نگرانی رہنا ہوگا، فارس سے برلن تک کا سفرخرچ بھی یہ کارخانہ ادا کریگا، جو اسی غرض کے لیے شاہی بنک ایران مین امانت رکھدیا گیا ہی، ہر سال تین طلبہ اس رقم سے بھیجے جائینگے، امسال تین

آیندہ سال تین اور اسی طرح ہر سال تین تین طالب العلم جائینگے، پہلے سال یہ وظیفہ قشقائی قبیلہ کے تین طلبہ کو دیا جائیگا، دوسرے سال بہار لو، کے تین طالب علمون کو، تیسرے سال تین عرب لڑکون کو، چوتھے سال باصریون کو دیا پانچوین سال فارس کے مختلف قبائل کے طلبہ کو، مدت تعلیم چار سال ہوگی، اور منظوری درخواست کے شرائط حسب ذیل ہونگے،

۱- طالب العلم کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہو،

۲- ابتدائی علوم اسلامیہ سے واقف ہو، اور فارسی زبان بخوبی لکھ پڑھ سکتا ہو،

۳- برلن جاکر حسب ذیل علوم مین سے ایک اختیار کرنا ہوگا، علم زراعت، علم معماری (انجینیرنگ) علم طب، علم برقیات، علم نظام، علم بلدیات (میونسپلٹی کے کامون مین جن چیزون کی ضرورت ہوتی ہی

۴- تکمیل کے بعد ایران واپس آکر ملک کی خدمت انجام دینی پڑے گی،

فخری پاشا سابق محافظ مدینہ منورہ چار مہینے ہوئے کہ وہ ٹرکی کی طرف سے سفیر ہوکر افغانستان آئے ہین، اور اون کے خیر مقدم کی خوشی مین مکتب حبیبیہ اور مکتب حربیہ کے طلبہ نے اونکا پرجوش استقبال کیا، اور اون کو ایڈریس دیا، ایڈریس کے جواب مین ممدوح نے ان عزیزان اسلام کے سامنے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، فخری پاشا ایک ترک سپاہی ہین، مگر افغانی عزیزون کو جو اونھون نے نصیحت کی وہ یہ تھی

"اے فرزندانِ معنوی من! تعلیم حاصل کرو، تعلیم، تمہارا ملک اس کا دست نگر ہی، اور یہی اسلام کی ترقی کا زینہ ہی، مین یورپ گیا ہون، وہان کے مدارس مین یورپین لڑکون کو قطار در قطار جاتے دیکھا ہے، مین تمہارے سامنے صاف کہتا ہون کہ" رشکہا بردم رشکہا"

یہ ایک ترک تیغ آزما کے خیالات ہین جو افغانی شجاعت پیشہ عزیزون کے سامنے اوس نے دہرائے، کیا یہ فقرے دنیائے اسلام کے انقلاب ذہنی کا پتہ نہین دیتے؟

مسلمان اقوام مین سب سے زیادہ جاہل اور بیخبر سرحد اور یاغستان کے پٹھان ہین، لیکن یہ

سنکر آپ کو حیرت ہوگی کہ چمرقند یاغستان کا جدید درسگاہ بن رہا ہے، جہان جدید خیالات اور جدید علوم کی علمی تعلیم پرورش پا رہی ہی، محرم ۱۳۴۱ھ سے اِس مقام سے المجاہد نام ایک اخبار مولوی فضل الٰہی خان اور مولوی محمد یٰسین خان بی اے کے زیر اہتمام جاری ہوا ہی۔ اِس اخبار نے اپنی پہلی اشاعت مین اپنے مقاصد یہ ظاہر کیے ہین،

۱- عام قومون اور خصوصًا مسلمان اقوام کے عروج و زوال اور ترقی و تنزل کے اسباب کی تحقیق،

۲- قبائل سرحدی کے تمدن و معاشرت کی اصلاح،

۳- سرحدی قبائل کے لڑکون کی ذہنی تربیت اور اون مین اشاعت تعلیم،

کیا یہ انقلاب مایۂ حیرت نہین؟

ایران کے متعدد شہرون مین رات کے اسکول غربا اور مزدور پیشہ اشخاص کے لیے قائم کیے گئے ہین، اِن مین مشہور تر مشہد کا مکتب شبانۂ رہنما ہی، جہان غربا اور مزدورون کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہی اور اون کے لیے اخبارات اور رسائل بھی مہیا کیے جاتے ہین، یہ مدرسہ مشہد کے مشہور صحیفۂ رہنما کے زیر اہتمام چل رہا ہے، شیراز مین انجمن دانشوران کے نام سے عشاقِ ادب کی ایک مجلس اِس غرض سے قائم ہوئی ہی کہ فارسی ادبیات کی حفاظت کیجائے، اور اون کی ترقی و اشاعت کا سامان کیا جائے، روسی مسلمانون مین بھی تعلیمی رہنماؤن کی خبرین موصول ہو رہی ہین، کریمیا سے لیکر بخارا تک تعلیمی تحریک پُر زور طریقہ سے جاری ہی، زنانہ تعلیم نے خصوصًا یہان زیادہ نشو و نما پائی ہی، کریمیا، قازان، داغستان، آذربائجان، جینوا، سمرقند، فرغانہ، بخارا ہر جگہ تعلیمی انقلاب رونما ہی، ایک آذربائجانی مسلمان مفتی زادہ وف نے پیرس مین مجھ سے کہا تھا کہ جمہوریۂ آذربائجان نے اتنے ہی دنون کے اندر ملک کے گوشہ گوشہ مین لڑکے اور لڑکیون کے اسکول کھولدیے ہین،

۵- اقتصادیات کی طرف توجہ، دنیائے اِسلام کے انقلاب ذہنی کا ایک اور نتیجہ اقتصادیات کی طرف توجہ ہی، ابتک آزاد دنیائے اسلام کی زندگی کا سہارا صرف تلوار تھی، مگر اس جنگ عظیم مین اوسکو

نظر آگیا کہ تلوار سے بھی زیادہ تیز ایک ہتھیار ہی جس کا نام "قومی دولت" ہے، اس قومی دولت کے حصول کے تین ذرائع ہین، زراعت، تجارت، اور صنعت، یہ محسوس اور بین طریقہ سے معلوم ہوتا ہی کہ اب یہ حقیقت مسلمانان عالم کے ذہن نشین ہوگئی ہی کہ ان ذرائع سہ گانہ کے بغیر اون کی زندگی معرض خطر مین ہے، اور آزاد ہونے کے باوجود وہ یورپ کے غلام رہینگے،

اٹلی کے سفر مین میلانو مین قسطنطنیہ کے رئیس بلدیہ حسنی بے سے ملاقات ہوئی تھی، موصوف کی حتمی رائے تھی کہ اقتصادی ترقی کے بغیر، ہماری نجات ناممکن ہی، چنانچہ اسی یقین کی بنا پر وہ یہان آئے اور یہان ایک اٹالین کی شرکت مین ایک تجارتخانہ قایم کیا تھا، رومہ مین نوری عزیز بے ایک ترک ایک بہت بڑی جہازی آمد و رفت کی تجارت مین مصروف تھے، لندن مین کئی ترک تاجر چھپ چھپ کر تجارتی کاروبار مین مصروف ملے، جن مین سے ایک کا نام طلعت از میرلی بادہی، وینس مین سالم بے ایک اور ترک تاجر کا ساتھ ہوا تھا، اور ان کے ملنے جلنے سے معلوم ہوا کہ جنگجو ترکون مین یہ احساس سرعت سے پھیل رہا ہی،

اناطولیہ کی حکومت مین اس احساس کا سب سے بڑا مظہر نمایان معلوم ہوتا ہے، مجلس ملی کی تقریرون اور رودادون سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہی، کہ اون کی سب سے بڑی توجہ اس وقت زراعت اور معدنیات کی طرف ہے، حال کی خبرون مین یہ اطلاع بھی شائع ہوئی ہی کہ غیر ملکیون کو اب ملک کے اندر ٹھیکے نہین دیئے جائینگے، اور خود ملک کا سرمایہ ملک کے اوپر لگایا جائیگا، کیپی چولیشن یعنی دیورپین تاجرون کے حقوق قدیم جو سلطان سلیمان اعظم نے اپنے زمانہ مین احساناً اون کو عطا کیئے تھے، اور وہ اب تک اضافۂ مزید کے ساتھ زمانۂ جنگ تک قائم تھے، اور وہ ترکون کی اقتصادی ترقی کی راہ مین سب سے بڑی روک تھے) اب اناطولی ترکون نے ہمیشہ کے لیئے اوس کا خاتمہ کردینے کا عزم کرلیا ہے،

ایک فرنچ مضمون نگار نے انگورہ کے مشاہدات پر ایک مضمون لکھا تھا، محرم ۱۳۴۱ھ کے الفجر تونس مین اوسکا ترجمہ شائع ہوا تھا، اوس مین وہ لکھتا ہی، "شہر سے باہر ایک ٹیلہ پر آمنے سامنے دو بلند عمارتین

نظر آتی ہین، ایک مین جابجا مختلف آلات دکھائی دیتے ہین، اور دوسرے مین تار اور ٹیلیفون کی بیشمار قطارین نظر آتی ہین، پہلی عمارت مدرسۂ زراعت ہے، اور دوسری دفتر جنگ ہے، اِن دونون کا آمنے سامنے وقوع، مجاہد انگورہ کے مستقبل ارادون کی خاموش توضیح ہی، اِس مدرسۂ زراعت مین طلبہ کو جدید ترین فن زراعت کی تعلیم دی جاتی ہی، اور اوسی کے سامنے طلبہ کی عملی مشق کے کھیت اور باغ ہین، اِدھر ادھر جدہر نظر اوٹھتی ہے کھیتون اور کاشتون کا عمدہ اور معقول نظام نظر آتا ہے،

ایران کی سست اور ناتوانی قوم بھی اِس حقیقت سے آشنا ہورہی ہے، جرمنی مین متعدد ایرانی تجارتخانے اور کارخانے اونھون نے کھولے ہین، اون کے ایک تجارتخانے کا نام رضا تربیت پرسوپولس برلن ہی بہت سے ایرانی طلبہ برلن کے مدرسۂ زراعت مین تعلیم پارہے ہین، بعض فارغ التحصیل ہوچکے ہین، بعض فارغ التحصیل ہوکر برلن مین مقیم ہین اور برلن کے فارسی اخبارات مین اون کے اشتہارات، تلاش خدمت کے لیئے نکل رہے ہین، ابھی صفحات بالا مین کراچی کے ایرانی تاجر کے علمی وظیفہ کا ذکر کیا گیا ہی، اوسکی شرائط کے دفعات ایک دفعہ اور پڑھیئے، خصوصاً تیسری دفعہ کو جو طلبہ اس وظیفہ سے بھیجے جائینگے، اون کو حسب ذیل علوم مین سے ایک علم سیکھنا ہوگا، علم زراعت وفلاحت، علم معماری، علم طب، علم برقیات، علم نظام کارہائے راجع بہ بلدیہ اس سے واضح ہوگا کہ ایران مین بھی اقتصادی انقلاب رونما ہی،

افغانستان بھی اِس جدوجہد مین پیچھے نہین ہی، معدنیات، زراعت، تجارت اور صنعت کی تعلیم کو نہایت سرعت سے وہ ترقی دے رہا ہی، ملکی پیداوار کے نشوونما مین خاص کوششین کی جارہی ہین، ہر سفارتخانے کے ساتھ تجارت خانہ بھی کھلتا جاتا ہی، یورپ مین تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جو افغانی طلبہ بھیجے گئے ہین، فوجی تعلیم کے بعد سب سے بڑی تعداد اقتصادی علوم کے طلبہ کی ہے، **غلام احمد خان** ایک افغانی جو پہلے، افغانستان کے صنعتی مکاتب کے معلم تھے، تکمیل فن کے لیئے جرمنی گئے تھے، اب وہ اپنے ملک مین واپس آرہے ہین، جلال آباد کا "اتحاد مشرقی" راوی ہے کہ جرمنی کے اخبارات نے خان موصوف کے متعلق

جن شاندار الفاظ کا استعمال کیا ہے وہ ہم افغانیون کے لیئے فخر کا باعث ہی، خان موصوف نے جرمنی کے صنعتی مدارس کا سب سے اعلیٰ امتحان پاس کیا ہی، روانگی کے وقت جرمنی کے مشاہیر اساتذۂ صنعت نے اون کو وداعی دعوت دی، جس مین بڑے بڑے صناعون اور کاریگرون نے موصوف کی صنعتی قابلیت کا اعتراف کیا، انکا ارادہ ہی کہ افغانستان پہونچکر وہان ایک بڑا صنعتی مدرسہ قائم کرینگے، ابھی فرانس اور افغانستان مین آثار قدیمہ کے متعلق جو معاہدہ ہوا جس مین فرانسیسی علماء کے ساتھ ساتھ اونھین کے بقدر تعداد مین افغانی علماء بھی اون کے ساتھ ساتھ شریک ہون گے، افغانستان مین معدنی تحقیقات کا ایک نیا باب کھولیگا، کرنل عزیز اللہ رفیق آبادی ہندی، جنھون نے جرمنی اور اٹلی مین اس فن کی کامل تعلیم حاصل کی ہے، اور اب وہ افغانستان کی اسلامی حکومت مین خدمات بجا لارہے ہین، اون کے ماتحت برقیات کی تعلیم افغانستان مین پھیل رہی ہے، افغانون کی سب سے خوش آیند آرزو یہ ہی کہ وہ مشرق وسطیٰ کے جاپان بن جائین،

آپ کو تعجب ہوگا کہ حجاز جیسے ویرانہ مین زراعتی ترقی کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا ہی؟ لیکن اِس انقلاب کو دیکھیئے کہ جمادی الثانیہ ۱۳۴۰ھ مین مکۂ معظمہ مین بمقام جرول، ایک مدرسۂ زراعیہ نہایت دھوم دھام اور تزک و احتشام سے قائم ہوا ہے، جس مین بہت سے طلبہ داخل ہو چکے ہین، مدرسین تمامتر مصری مسلمان ہین، محمد وہبی مصری اِس کے منتظم اعلیٰ ہین، اور حسن شیوی اور سلیمان عباسی، اس کے دو اساتذہ کے نام ہین، اِس مدرسہ مین زمین کی پیداوار، تخم، کاشتون کی بیماریان، اور اون کے طرق علاج، اور اون کی سیرابی کے لیئے پانی نکالنے اور نہرین بنانے کے کام سکھائے جاتے ہین، اس مدرسہ کے افتتاح کے وقت ایک معزز حسین صبّان اڈیٹر القبلہ نے کہا،

"ہم نے سیاسی آزادی تو حاصل کر لی، لیکن آزادی اوس وقت تک قائم نہین رہ سکتی جبتک ہم اقتصادی آزادی حاصل نکرین، حجاز حقیقۃً سے آج تک دوسرے ملکون کا اقتصادی حیثیت سے غلام تھا، مگر اب غلام نہین رہے گا۔"

ٹائمز کے اقتصادی اشاعت مین مصر کا مضمون نگار اطلاع دیتا ہی کہ آجکل مصر مین صنعت وحرفت اور تجارت کی ترقی کا خیال ہر جگہ موجزن ہی، اور لوگون کی کوششین ہین کہ دوسرے ملکون کے ماہرین کو بلوا کر اونکی نگرانی مین یہان کارخانے قائم کیے جائین اور مصر کو ایک صنعتی ملک بنایا جائے،

دو سال سے ہندوستان مین جو کچھ ہو رہا ہی، اوس کے نتائج جیسے بھی ہون، مگر اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اس محدود زمانہ کے اندر دوسری قومون کے ساتھ ساتھ یہان کے مسلمانون مین بھی اقتصادیات کی طرف توجہ پیدا ہو گئی ہی، اب پہلے کی طرح سرکاری نوکریان عزت کا معیار نہین رہ گئی ہین، اب عام مسلمانون مین اور طلبہ مین صنعت وحرفت اور تجارت کا شوق ظاہر ہو رہا ہی، ہماری ایجوکیشنل کانفرنس کا صیغۂ اصلاح ہمارے بخت خوابیدہ کی طرح بیدار ہو رہا ہے، اور مسلمانون کو اقتصادیات کی طرف دعوت دیتا ہی، قومی درسگاہون کو چھوڑ کر سرکاری عمارتون کے اندر کے قومی مدارس بھی کروٹ بدل رہے ہین، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے احاطہ مین ایک صنعتی کالج قائم کرنے کا تخیل پیدا ہے اور اس کے لیے دو مسلمان فیاض رؤسار جناب نواب **مزمل اللہ خان** صاحب (علی گڈھ) اور نواب جنرل **عبید اللہ خان** صاحب (بھوپال) نے ایک ایک لاکھ روپیہ کا گرانبہا عطیہ پیش کیا ہی، ان خیالات کو پیش نظر رکھکر ۱۸۸۶ء کا زمانہ سامنے لاؤ، جب الہ آباد کی ایجوکیشنل کانفرنس مین ہمارے تعلیمی رہنما سر سید احمد خان نے یہ تجویز منظور کرائی تھی کہ "کوئی تبدیلی انگریزی تعلیمی مدارس اور اسکول کی لٹریری خواندگی مین واسطے ترقی دینے ٹکنیکل ایجوکیشن کے نہین ہونی چاہیے"،

مین اوس وقت جب یہ مضمون زیر تحریر تھا، اسلامیہ کالج **پشاور** کے ایک فاضل پروفیسر جناب محمد تیمور صاحب ایم، اے کی مسئلہ تعلیم پر ایک محققانہ تالیف "ضرورتِ وقت" ہمارے پاس پہنچی، اس کتاب کو پڑھکر جہان فاضل پروفیسر کی قابلیت اور لیاقت کی تعریف ناگزیر ہے، وہین مسلمانون کے ذہنی انقلاب اقتصادی کا ایک بیّن ثبوت بھی ہم پہنچا ہے، پروفیسر صاحب نے ۸۰ صفحات مین اعداد و شمار اور دلائل کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے

کہ قوم کی ترقی صنعتی اور تجارتی تعلیم کے بغیر ناممکن ہے، آجکل مسئلۂ تعلیم پر جو اصحاب غور و فکر فرماتے ہین، اون کے لئے اِس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہی،

ابھی یہ سطرین لکھی جارہی تھین کہ اخبارات کے ذریعہ سے جنرل عبید اللہ خان (بھوپال) کے ایک اور تعلیمی فیاضی کی مثال نظر سے گذری، جنرل صاحب نے اپنے جوانمرگ فرزند کی یادگار مین چار لاکھ کی مالیت وقف کی ہی، کہ اوس کے منافع سے طلبہ کے لئے تعلیمی وظائف مقرر کیے جائین، اِن وظائف کے قواعد وضوابط شائع ہوئے ہین، اون مین سے حسب ذیل دفعات ہمارے خیال کی تائید کر رہی ہین،

سائنس کورس یا تجارت یا زراعت کی ڈگری کے واسطے طلبہ کی تعداد نسبتہً، تعداد مقررہ وظائف کے پانچوین حصہ سے کم نہو گی،.... اگر سائنس کورس مین کوئی طالب علم موزون ثابت نہو تو جو صنعت، یا تجارت یا زراعت مین فوقیت رکھتا ہو وہ مستحق متصور ہوگا،.... ہرصورت مین سائنس، یا تجارت، یا زراعت کی سند جس کو حاصل ہوگی، اوس کو بیرون ہند بھیجنے کے لئے ترجیح دی جائے گی،.... اگر دو یا تین طلبہ سند یافتہ سائنس امیدوار وظیفہ ہونگے تو سائنس یا زراعت یا تجارت کے سند یافتہ زائد سے زائد دو طلبہ کو وظیفہ ملیگا، اور صنعت کا تعلیم یافتہ ضرور مستحق وظیفہ سمجھا جائیگا،

اگر آج سے چند سال پہلے یہ تعلیمی وظائف جاری ہوتے تو ترجیح پانے والے طلبہ وہ ہوتے جو بیرسٹری اور آئی، سی، ایس کے لئے انگلستان جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتے! **سبحان مقلب القلوب!!**

۶۔ **علماء اور طلبہ مین سیاسیات،** دنیائے اسلام کے ذہنی انقلاب کا چھٹا منظر ہمارے سامنے یہ ہی کہ گنگا سے اٹلانٹک تک کے تمام ممالک اسلامیہ کے وہ علمی اور مذہبی عناصر جو صدیون سے میدان سیاست سے ہٹکر اپنے اپنے ممبرون اور حلقون مین گوشہ گیر ہوگئے تھے، وہ اب اپنے اپنے دائرون سے باہر نکل رہے ہین، اور سیاسیات عالم اور خصوصاً سیاسیات اسلامیہ مین حصہ لے رہے ہین، اِس سے یہان بحث نہین ہی کہ حالت اچھی ہی یا بُری، کہنا یہ ہی کہ واقعہ اور صورت حال یہ ہی، مصر کا جامع ازہر اس وقت

مصر کی آزادی کا علمبردار ہے، وہان کے طلبہ اور مدرسین مظاہرون مین حصہ لے رہے ہین، احتجاجون مین شریک ہو رہے ہین، یہان تک کہ پچھلے دنون چند روز کے لیے جامع ازہر اور تمام اس قسم کے مدارس کو بند کر دینا پڑا، تونس کا جامع زیتون، انقلاب کی حالت مین ہے، اور سند یافتگان زیتون کا رسالۂ بدر اس کی بہترین شہادت ہے، دو سال ہوئے اہل تونس نے بائی تونس کی خدمت مین طلب دستور کا عریضہ پیش کیا، جس وفد نے یہ عریضہ پیش کیا اوس کے میر وفد، تونس کے مشہور مدرسہ صادقیہ کے مدرس اعظم تھے، چنانچہ فرانسیسی حکومت کی طرف سے اون کو چھ مہینہ کے لیے معطل کیا گیا افغانستان کے طلبہ نے فخری پاشا اور دوسرے نامدارون کی آمد مین، نیز جشن آزادی کے موقع پر جو پُرجوش تقریرین کین، اور جو علمی و تعلیمی دلچسپیان اونھون نے لوگون کو دکھائین وہ اون کے سینون مین لبریز جوش و خروش کو نمایان کرتی ہین، ابھی اسی مہینہ مین افغانی سفیر جب جامع ازہر پہنچا تو وہان کے طلبہ اور مدرسین نے جس طرح اوس کا خیر مقدم کیا، اور جو الفاظ اپنی زبان سے ادا کیے، وہ اس انقلاب کا بہترین منظر ہے، اسی ہفتہ کی خبرون مین بیت العلوم قسطنطنیہ کے طلبہ کی دلولہ انگیزی اور سیاسی ہیجان کی خبر آپ کی نظر سے گذری ہوگی،

آج ہی کے اخبارات مین علمائے ایران کے سیاسی جوش و خروش کا حال پڑھا، کہ اونھون نے تمام مسجدون اور درسگاہون کو اپنی صدائے احتجاج سے معمور کر دیا ہے، اور مجلس سے یہ مطالبہ کرتے ہین، کہ تمام ملک مین مسکرات کی دوکانین اور تفرجگاہین بند کر دی جائین، مذہبی مسائل مین اخبارات کی آزادی محدود کی جائے، اور مجلس مین علمائے دین کے نمایندے بھی لیے جائین، ہندوستان کے اندر جو کچھ دو سالون مین گذرا ہے وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہین، منتظمین، مہتممین، اور ارکان کی پوری کوشش کے باوجود دیوبند، ندوہ، اجمیر، علی گڈھ، کلکتہ وغیرہ مین جو کچھ گذرا اور ہو رہا ہے اوس کے دُہرانے کی ضرورت نہین، خود جمعیتہ العلما، اور جمعیتہ الطلبہ کا وجود، اونکے مقاصد، اور اون کے جلسون کی روداد ین اس

انقلاب کا اعلان عام ہین،

اسی حالت کو دیکھکر ہم کو یورپ کا وہ زمانہ سامنے نظر آتا ہی جب فتح قسطنطنیہ کے بعد وہ اسلام کے مقابلہ کے لیئے تیار ہو رہا تھا، "مورخین عالم کی تاریخ" کے مصنفین کے الفاظ مین "یہ یورپ کا وہ انقلابی زمانہ تھا جب بحری سپاہیون کی محنت، فلسفیون کی جد وجہد، طالب علمون کی مساعی، مدبرین کی دماغ سوزی، اور سپاہیون کی جانبازی سب اسی مقصد کے لیئے تھین کہ صلیب کو (ہلال کے مقابلہ مین) عروج نصیب ہو"

کیا آج وہی انقلابی زمانہ اسلام کے لیئے آگیا؛ تلک الایام نداولھا بین الناس،

اسوۂ صحابہ جلد دوم

از مولانا عبد السلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ جس مین صحابہ کرام کا نظام سیاسی اور ملکی انتظامات اور علمی خدمات کی تفصیل ہی، تفسیر، حدیث، فقہ، اسرار دین، تصوف وغیرہ علوم جسقدر صحابہ کے عہد مین پیدا ہو چکے تھے اونکی تفصیل ہی، ضخامت ۴۵۰ صفحات

قیمت للعہ

مینجر

فارسی کے دو نایاب دیوان

از

جناب مولنا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی، صدر الصدور دولت آصفیہ

میرے مختصر سے کتاب خانہ مین فارسی کے دو دیوان قلمی مین جو اپنے اوصاف اور خصوصیات کے لحاظ سے نایاب خیال کئے جاسکتے ہین۔ ان دونون کو مرحوم علامہ شبلی کی یاد سے تعلق ہو۔ نیاز منزل دل کا تقاضا ہو کہ معارف کے ناظرین کرام سے ان کا تعارف ہو۔ اس طرح "استاذ محترم" کی یاد تازہ ہوجائیگی اور "تلمیذ مکرم" کی فرمائش کی تعمیل۔ مانا کہ یہ ہدیہ ع

پائے ملخے پیش سلیمان بردن۔ ٹھہرے "تاہم مور ضعیف" کا تحفہ ہی ہوسکتا ہو۔ حسرت شروانی

۱۔ دیوان عرفی شیرازی

عرفی شیرازی نے وفات کے وقت اپنے مسودات کا مجموعۂ پریشان خانخان کی خدمت مین بھجوادیا تھا کہ اس کی سرپرستی مین مدون ہوجائے۔ چنانچہ عرفی کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ علامہ شبلی، شعر العجم مین فرماتے ہین۔ "افسوس یہ نسخہ آج نایاب ہو ورنہ بہت ہی دلچسپ باتین معلوم ہوتین یہ اثر نیاز دیکھو۔ علامۂ مرحوم کی آرزو حسرت کے حق مین پوری ہوئی۔ وہ نسخہ ان کے نیازمند کے ہاتھ آگیا۔ پارسال دلی کے ایک بزرگ، قدیم خاندان، ہنر کی یادگار بہت سے قطعات اور یہ نسخہ فروخت کے لئے لائے تھے، مین نے دیکھا تو خوبیِ خط وغیرہ کے لحاظ سے نادر معلوم ہوا۔ لے لیا، ثابت ہوا کہ یہ نسخہ اسی دیوان کا ہو جو وفات عرفی کے بعد خان خانان کے حکم سے محمد قاسم سراج نے مدون کیا تھا۔ اور مآثر رحیمی کے مؤلف عبد الباقی نے اس پر دیباچہ لکھا تھا۔ اس کا سنہ کتابت ہے ۱۰۰۲ھ۔ محب علی بن حاجی یوسف شیرازی کاتب ہے۔ خانخانان

کے حکم سے جو نسخہ مرتب ہوا تھا وہ تقریباً سنہ ۱۰۲۶ھ مین مکمل ہوا۔ اس طرح میرا نسخہ اصل دیوان کی ترتیب کے چوالیس برس بعد لکھا گیا ہی جو بہت زمانہ نہین ہے۔ خط، کاغذ اور نقاشی کے لحاظ سے یہ نسخہ اس عہد کی قلمی کتابون کا ایک عمدہ نمونہ کہا جا سکتا ہی۔ اوسط تقطیع پر باریک قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جو صفحہ پورا لکھا ہی اس مین ۱۶ سطرین ہین۔ ضخیم ۶۲۴ صفحات کا ہی قصائد کے چند صفحات درمیان مین معدوم ہین ترتیب کلام حسب ذیل ہی:

دیباچہ عبدالباقی (۱۵ صفحہ) رسالہ نفسیہ (۱۳ ص) مثنوی مجمع الابکار (۵۰ ص) مثنوی فرہاد و شیرین (۲۷ ص) قصائد (۶۲ عدد) ترکیب بند (ایک) ترجیع بند (ایک) قطعات (۳۲ عدد) ساقی نامہ۔ غزلیات (۵۱۹ عدد) رباعیات (۲۲۲ جن مین بعض ناقص ہین) کل تعداد اشعار ۸۱۱۲ ہے۔ اصل دیوان مین ۱۴۰۰۰ اشعار تھے۔ اس طرح چھ ہزار شعر عرفی کے چند ہی سال مین پھر معدوم ہو گئے۔ چھ ہزار کے دیوان اس کی زندگی مین تلف ہو چکا تھا جس کے افسوس مین اس نے کہا تھا ؎

رصد شرع ہنر چون نشود محو کہ من ، شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام

دیباچہ مین عبدالباقی نے لکھا ہی کہ عرفی نے وفات کے وقت اپنے مسودات کا پریشان مجموعہ خانخانان کے پاس اس التماس کے ساتھ بھجوا دیا تھا کہ مدون کرا دیا جائے۔ یہ اوراق عرصہ تک خانخانان کے کتابخانہ مین (جو "مکتب خانۂ اہل عرفان" تھا) محفوظ رہے اور مختلف موانع کی وجہ سے خانخانان کو ان کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ ملی۔ آخر سنہ ۱۰۲۴ھ مین عرفی کی وفات کے پچیس برس بعد عرفی کے حقوق یاد آئے اور "اس مربی کمال و اہل کمال" نے محمد قاسم خلف خواجہ محمد علی اصفہانی کو "جو سراجا" کے لقب سے مشہور تھا حکم دیا کہ مسودات مذکورہ کی تدوین کرے۔ "سراجا" کی تعریف عبدالباقی نے ان الفاظ مین کی ہے۔ "آزادی زادگان اصفہان است" ڈیڑھ برس کی سخت محنت کے بعد اس نے دیوان ترتیب دیا۔ اس دیوان مین قصیدہ، غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، ترکیب بند اور ترجیع بند کے چودہ ہزار شعر تھے۔ عبدالباقی نے ترتیب و مقابلہ کے زمانے مین ان مسودات کو دیکھا تھا۔

اس کا بیان ہو کہ نہایت ابتر تھے۔ اسی بنیاد پر سراجا کی محنت کی داد ان الفاظ مین دی ہے "الحق درین کار ید بیضا نمود"۔ بعد ترتیب سراجا نے یہ مجموعہ خانخانان کے ملاحظہ مین بمقام برہان پور (خاندیس) پیش کیا۔ اس وقت عبدالباقی بھی جو اسی نشینان بزم فیض مین سے تھا۔ خانخانان نے دیکھکر پسند کیا اور انواع واقسام کے صلے اور انعام دیکر سراجا کی عزت افزائی کی۔ یہ نسخہ خانخانان کے کتابخانہ مین رکھا گیا۔ اہل استعداد کو نقل کا شوق ہوا تو وہین سے نقلین حاصل کین۔ اس عہد مین "مستعدانِ ہندوستان" کے نزدیک جو نسخہ معتبر تھا وہ اسی نسخہ کی نقل تھی" (انتہی خلاصۃً)

عرفی کے واقعات حسب ذیل اس دیباچہ سے معلوم ہوتے ہین۔ عرفی کا نام خواجہ سیدی محمد تھا باپ کا نام خواجہ زین الدین علی شیرازی۔ اس کا خاندان ولایت فارس مین صاحب "قدر و منزلت" تھا۔ خواجہ زین الدین علی عہد ہائے "پیشوائے حرسۂ شیراز" اور "وزیر داروغہ شہر" پر ممتاز رہا۔ اسی زمانے مین عرفی نے "بعض مقدمات علمی" حاصل کئے اور "حیثیات عالیہ" خط نسخ "خوب" لکھتا تھا۔ فن موسیقی مین دخل تھا۔ اسی دوران مین شعرا کی ہمنشینی کا شوق پیدا ہوا اور شعر وشاعری کے میدان مین قدم رکھا چونکہ اس کے والد "وزیر داروغہ شہر" تھے اس لئے شرعی دعرفی کی مناسبت پر لحاظ کرکے عرفی تخلص پسند کیا دارالافاضل شیراز کے موزون طبعون کی صحبت مین تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ عرفی کے جوہر چمک اٹھے اور اشعار آبدار سامعہ افروز ہونے لگے۔ چونکہ طبیعت ایجاد پسند پائی تھی اس لئے تازہ گوئی کے میدان مین اتر آیا۔ اب اس کو ایک "استاد و مرشد" درکار تھا جو شیراز مین نہ تھا۔ اسی اثنا مین اس نے ہندوستان کی سخن سنجی و نکتہ دانی کا غلغلہ سنا اور اسی کے ساتھ اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ شکیبی اصفہانی نظیری نیشاپوری انیسی۔ شریعت کاشی۔ کامی سبزواری۔ بقائی خراسانی۔ نحوی۔ غنی ہمدانی۔ اور "مستعدان روزگار" کے جوہر خانخانان کے دربار مین جلا پاپا کر عالم افروز ہو رہے ہین۔ اور "سپہ سالار" کی خدمت مین جس طرح ان نکتہ دانون نے ترتیب پائی تھی اس کی حقیقت بھی منکشف ہوئی۔ یہ حالات سنکر عرفی نے

ہندوستان آنے اور خانخانان کی ہمنشینی سے فیض حاصل کرنے کا قصد مصمم کرلیا۔ اور اسی شوق مین وارد ہندوستان ہوا۔ اوّل چندروز حکیم ابوالفتح گیلانی کی خدمت مین رہا۔ اس زمانے مین حکیم ابوالفتح کی بزم ادب حسین ثنائی۔ سید محمد نجفی۔ حیاتی گیلانی اور اور بہت سے شعرائے نامی سے آراستہ تھی۔ عرفی نے اس انجمن مین اپنی قادر الکلامی کا سکہ بٹھا دیا۔ اور صدر نشین سے لیکر ارکان تک سب نے اس کے کلام کو پسند کیا۔ اسی عرصہ مین اس کی ملاقات فیضی سے ہوئی جو شاہزادون کا استاد اور بادشاہ کا مقرب تھا۔ اس کو بھی عرفی کی طرز جدید مرغوب ہوئی۔ ان منازل کو طے کرتا ہوا عرفی خانخانان کی درگاہ مین باریاب ہوا۔ اور اس بزم گرامی کے شعرائے نامور کی صحبت سے فیضیاب۔ خانخانان نے عرفی کی پوری قدر کی۔ چنانچہ معمولی آداب اور کورنش سے اس کی باریابی مستثنیٰ تھی۔ اور مجالس مین نشست بالاتر۔ اس زمانے مین عرفی کا میلان طبع کلام عاشقانہ عارفانہ" کی طرف رہا اور اسی مین ترقی کرتا رہا۔ نہایت بلند ہمت اور عالی فطرت تھا۔ اور اہل زمانہ بلند ہمتی اور حسن کلام کی وجہ سے اس کا اعزاز کرتے تھے۔ سنہ ۹۹۹ھ مین بمقام لاہور رحلت کی۔ کسی نے تاریخ کہی "استادِ البشر" (۹۹۹) لاہور ہی مین دفن ہوا۔ سنہ ۱۰۲۸ھ مین میر صابر اصفہانی نے اس کی لاش نجف اشرف مین لیجاکر دفن کردی۔ یہ اس حسن عقیدت کا صلہ تھا جس کا ظہور اس شعر مین ہوا ؎

به کاوش مژه از گور تا نجف بردم | اگر بهند بخاکم کنند وگر به تتار

(انتہی خلاصۃً)۔ عجب اتفاق ہے۔ تقریباً سنہ ۱۰۲۶ھ مین عرفی کا کلیات مرتب ہوا۔ سنہ ۱۰۲۸ھ مین اس کے جسم نے بھی ہندوستان کو خیرباد کہدی۔ گویا وہ اس انتظار مین تھا کہ اس کا ادبی کارنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچ لے تو وہ اس سرزمین سے قطع تعلق کرلے۔

عرفی کا انداز سخن مؤلف دیباچہ عبدالباقی نے مختلف ادوار کے طرز سخن سے بحث کی ہے۔ لکھتا ہے کہ شعرا کے طبقۂ پیشین مین عنصری، رودکی وغیرہ نے کوس استادی بجایا۔ اس طبقے کے

بعد سلسلۂ بیان مولٰنا نظامی اور امیر خسرو تک پہنچا دیا ہی۔ اس طبقے کے بعد اور اساتذہ ہوئے یہان تک کہ "بادشاہِ دانا دل سخن شناس" سلطان حسین مرزا فرمان روائے ہرات کا زمانہ آیا۔ اس عہد کے اساتذہ مولٰنا جامی۔ میر علی شیر نوائی۔ بابا فغانی۔ اہلی شیرازی نرگسی۔ خواجہ آصفی اور میر شاہی نے انداز کلام مین ایک گونہ جدت پیدا کر کے ایسی طرز ایجاد کی جو روشِ متقدمین سے متجاوز اور اس عہد کے مستعدون کی طرز سے ملتی جلتی ہی۔ (واضح ہو کہ اس موقع پر دیباچہ نگار نے خلط بحث کر دیا ہے۔ دراصل تجدید روش کا سہرا فغانی کے سر ہے۔ باقی جن اساتذہ کا نام لیا گیا ہے ان کی طرز عرفی وغیرہ کے کلام سے بالکل جدا و متغائر تھی، بابر خواجہ آصفی کے کلام کی بے نمکی سے سخت نالان ہے) اس طرز کو اہل ذوق نے پسند کیا۔ اور طرزِ قدما طاق و صندوق مین آرام گزین ہو گئی۔ اس طبقے کے بعد ایک اور طبقہ بزم سخن مین آیا۔ مثلاً مرزا اشرف جہان۔ لسانی۔ شریف تبریزی۔ محتشم کاشی۔ وحشی یافقی۔ ان استادون نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور انداز متاخرین سے قریب تر آگئے۔ اب نوبت مرزا علی قلی میلی خواجہ حسین ثنائی۔ ولی دشت بیاضی۔ ملک قمی۔ مرزا حسابی۔ نظیری۔ عرفی وغیرہ۔ شعرائے بلاد خراسان کی آئی۔ یہ طبقہ یکسر طرزِ متقدمین سے منکر ہو گیا۔ خواجہ حسین ثنائی نے سب سے زیادہ طرز تازہ مین گام زنی کی۔ تمام ایران اس طرز کے دل دادہ ہو گئے اور اس طبقے کے اشعار کو سفینۂ سینہ مین ثبت کر لیا۔ جو کلام ان کی زبان سے نکلتا تھا باد صبا کی طرح ایران کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا تھا۔ مولٰنا عرفی کا دور آیا تو اس نے طرز متقدمین و متاخرین دونون کو منسوخ کر کے وہ طرز اختیار کی جس کے سننے سے گوشِ اہل ہوش مخزنِ دُرِّ عدن بن گئے۔ اور وہ انداز سخن رائج کیا جس کا سکہ اب ربع مسکون مین روان ہے۔ ہندوستان مین فیضی نے اور ایران مین حکیم رکنائے مسیحی۔ حکیم شفائی۔ شانی تکلو نے اپنی اپنی طرز کو طرز عرفی سے آشنا کر دیا۔ اس طرز مین عرفی سے پہلے کسی نے استقلال پیدا نہین کیا تھا۔ ابتدا ئر عرفی کی جدت طرازی کو نہ صرف لوگون نے

ناپسند کیا بلکہ اس پر اعتراض کرتے تھے۔ خانخانان کی تربیت و سرپرستی نے اس کا سکہ سارے عالم کے دلون پر بٹھا دیا۔ "این چراغ از فکرت طبع او افروخت و این نام نامی بدولت تربیت و اصلاح ایشان بہم رسانید۔"

رسالہ نفسیہ عبدالباقی کے دیباچہ کے بعد کلیات عرفی شروع ہوتا ہے۔ اوّل رسالہ نفسیہ ہے۔ اُسے نفس "اُسے نفس" کہکر نفس کو نصیحتین کی ہین۔ فرصت کو غنیمت سمجھنے۔ ریا و مکر اور خود پسندی سے بچنے، ہمت کو بلند رکھنے، معرفت الہی خالصاً لوجہ اللہ حاصل کرنے وغیرہ مطالب کی تاکید و تشویق پرزور الفاظ مین ہے۔

مثنوی رسالہ بالا کے بعد دو مثنویان ہین۔ ایک مجمع الابکار مولانا نظامی کی مخزن الاسرار کے جواب مین۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ یہ چھپ گئی ہے۔ دوسری فرہاد و شیرین۔ بجواب شیرین خسرو۔ مولانا نے لکھا ہے کہ "آتشکدہ اور مجمع الفصحا مین اس کے اشعار نقل کئے ہین" حق یہ ہے کہ یہ چھوٹی سی مثنوی عرفی کی شیوا بیانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ گرمی سخن ملاحظہ ہو۔

خداوندا دلم بے نور تنگ است	دل من سنگ و کوہ طور سنگ است
دلم را غوطہ دہ در چشمۂ نور	تجلی کن کہ موسیٰ ہست در طور
دگر زین ناسزا دل عار داری	کرم بسیار و دل بسیار داری،
دلے دہ چون محبت پاک دامان	دلے پاکیزہ گوہر تر ز الماس،
دلے مرہم گداز آرام نشناس	لبش مست مکیدن ہائے الماس
دلے ریشے کہ وقت کاوش نیش	نہ او از نیش، نیش از وی شود ریش
برافروز آتشے در سینۂ من،	کہ سوزد راحت دیرینۂ من،
در آن آتش فگن جان مرا فرش	ولیکن شو بپاہ فرش تا عرش،

برونم ز آتش دل دار، در تب ۔۔ درون بحرے کن از آتش لبالب
درآن بحر لبالب ز آتش تیز، ۔۔ چنان طوفان بیتابی برانگیز
کہ ہنگام ہجوم موج بر موج ، ۔۔ خفیفش مضطرب تر باشد از اوج
بپوشان چہرہ ام را خلعت زرد ۔۔ بنوشان سینہ ام را شربت درد
چہ شربت آب کوثر رائمت او ۔۔ گلوسوز محبت لذت او ،

قصائد۔ قصیدے تعداد مین چھیاسٹھ ہین۔ مطبوعہ نسخہ (مدراس ۱۲۶۶ھ) مین باؤن ہین۔ اس طرح قلمی نسخے مین چودہ قصیدے زائد ہین۔ ان مین سے بعض ناتمام ہین۔ قصائد کے بعض اوراق بھی درمیان مین سے تلف ہو گئے ہین۔ مگر معلوم ہوتا ہے زیادہ نہین۔

غزلیات۔ غزلین ۵۱۹ ہین۔ مطبوعہ نسخہ مین ایک غزل بھی نہین ہے۔ عرفی کی اصل سحر آفرینی غزل مین ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

گفتگوئے غم یعقوب بود پیشۂ ما ۔۔ بوئے پیراہن یوسف بود اندیشۂ ما
اندران بیشہ کہ ماشیر و شیم آفت نیست ۔۔ روبہ از بیجگری رم کند از بیشۂ ما
کوہکن صنعت ما داشت ولی فرق بسی است ۔۔ قوت بازوئی دل می طلبد تیشۂ ما
در دل ما غم دنیا غم معشوق شود ۔۔ بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما
عرفی افسانہ تراشی بخموشی بفروخت ۔۔ للہ الحمد کہ آزاد شد از پیشۂ ما

دیگر

مرو ببادیہ گردی کہ زرق و شیدائی است ۔۔ برہنگی مطلب کان لباس رعنائی است
زبان ببند و نظر باز کن کہ منع کلیم ۔۔ کنایت از ادب آموزی تقاضائی است
دماغ یوسف اگر تر کنند کف ببرد ۔۔ از آن شراب کہ در ساغر تماشائی است

نقاب می کشد ای دل تمام حوصله شو | که باز وقتِ شرابِ کرشمه پیمائی ست
چنین که بردم شمشیر و دشنه می غلطم | حسود در ارسد ار گویدم که هر جای ست
شهیدِ عاطفتِ آن کرشمه ام کز مهر | تمام نقش طرازی و شهد آرائی ست
بشوق دوست چه سازم که در شریعتِ عشق | خیال بے ادبی و نگاه رسوائی ست
مگو که نیست گنهگار تر ز من عرفی | که این حدیثِ گرانمایه لاف یکتای ست

دیگر

مرا ز غمکدهٔ سینه داغ می روید | ز بزم گاهِ محبت چراغ می روید
تو پائے کعبه رو آماده کن که در هر گام | هزار خضر براو سراغ می روید
بهشت کو که تماشا کند که حسن ترا | ز باغ لاله و از لاله باغ می روید
مسیح گو گهر آفتاب را مفروش | که از خرابهٔ ما شب چراغ می روید
نسیم باغ که بر مغز آستین افشاند | که روضه روضه گلم از دماغ می روید

مگر ترانهٔ عرفی کسے به گلشن برد
که بانگِ درد ز دستانِ زاغ می روید

دیگر

نفسے که غمزهٔ او به صفِ بلا نشسته | به هوائے دل مسیحا برهِ فنا نشسته
چو رسی به تربتِ ما مفشان بناز دامن | که غبارِ درد و حسرت بهزار ما نشسته
شود آشکار فردا که براهِ وعدهٔ او | ز غمِ بهشت و دوزخ دو جهان جدا نشسته
زرهِ وفا درین کو که گزشته دامن افشان | که غبارِ کوچهٔ ما برهِ توتیا نشسته
رَوَم از جهان و شادم که براهِ تا قیامت | ز خیالِ غمزهٔ او حشمِ بلا نشسته

زدعا چہ کام جویم کہ میان تنگ دستان بہزار ناامیدی اثر دعا نشستہ

تو و بزم عیش عرفی من و کوچہ کہ ہر سو

سر خون چکان فتان دل مینوا نشستہ

یہ غزل حضرت امیر خسرو کی طرح پر ہے ان کا مطلع ملاحظہ ہو۔ دوسرے مصرع میں ندرتِ تشبیہ قابل داد ہے۔ ؎

بجوالیِ دو چشمش حشم بلا نشستہ چو قبیلہ گرد لیلیٰ ہمہ جابجا نشستہ

رُباعی

رفتم بجنازۂ یکے تن کہ فسرد ؛ صد سال ز باغ عیش گل چید و برد

گفتم چہ برون بردی ازین باغ وبہار گفتہ دل پر خون و تو ہم خواہی برد

دیگر

گاہے ہوس افروز نعیمت بینم گہ مضطرب از بیم جحیمت بینم

یا دوست درآویز و بیا تا چند بازیچۂ دستِ ہر نسیمت بینم

دیگر

جہدے کہ گسستن نفس نزدیک است فریادی کن کہ دادرس نزدیک است

گر قافلہ بگذشت قدم سست مکن ؛ بشتاب کہ آواز جرس نزدیک است

دیگر

جمعے بہدت گریہ و آہ آوردند ؛ جمعے ہمہ دیدند و نگاہ آوردند

جمعے دیدند خواہشِ عفوت را رفتند و جہان جہان گناہ آوردند

شوخ چشمی معاف۔ مصرع اوّل میں خواہش کی جگہ عالم ہوتا تو کیا خوب ہوتا۔ جناب

باری عزاسمہ کے لئے خواہش کا لفظ مناسب نہین معلوم ہوتا۔ جہان جہان کے لئے عالم کس قدر مناسب وموزون ہے۔

حال مین طاہر نصیرآبادی کا نایاب تذکرہ دستیاب ہوا۔ واغستانی اور میرآزاد بلگرامی نے اکثر اس تذکرے کا حوالہ دیا ہی۔ طاہر نے (جو نظیری وعرفی کا ہمعصر ہے) معاصرین کا تذکرہ لکھا ہے۔ اس لئے واقعات کے لحاظ سے خاص پایہ رکھتا ہے۔ عرفی کے حال مین لکھا ہی۔ "صفائے ذہن" اور ذکائے طبع سلیم" مین تمام شعرائے فارس وخراسان سے ممتاز تھا۔ غیرتی۔ قیدی۔ قدری کے ہمصحبتون مین تھا۔ اس کی ابتدائی عمر شیراز مین گذری۔ آغاز کار مین شعرار وعلمار کی صحبت مین مباحثہ ومناظرہ کے موقع اس کو ملے۔ اور قوانین شعر مین مہارت حاصل کی۔ اور حل وعقد نظم اور فنون سخن سے زاید از وسعت آگاہی۔ سنہ ۹۹۲ھ مین ہندوستان روانہ ہوا، (گویا ۲۹ برس کی عمر مین ہندوستان آگیا) جن لوگون نے اس کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ "خوش طبع ظرافت دوست" تھا۔ باوجود دعوائے شاعری کے معاصرین کی ملاقات کے وقت "خوش طبعی" کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتا تھا۔ (اس تعدیل سے "کم بینی وغرور" کی جرح کی تلخی کم ہوجاتی ہے)۔ امید ہے کہ رفتہ رفتہ سلامت نفس بھی پیدا کریگا اس لئے کہ "طبع مستقیم" کو "نفس سلیم" درکار ہے۔ طاہر نے "گویند" کرکے عرفی کی تاریخ وفات سنہ ۱۰۰۲ھ لکھی ہے۔ جو صحیح نہین۔ لکھا ہے کہ مرض الموت مین یہ دو رباعیان زبان سے نکلین

اے مرگ مرا زیار شرمندہ مکن، نومیدم ازان گوہر ارزندہ مکن،
یار آید وجان رود ا خدایا نفسے، مہلت دہ و در قیامتم زندہ مکن

ایضاً

عرفی دم نزع ست وہمان مستی تو آیا بچہ مایۂ بار بستی تو،
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف جویائے متاع ست وتہیدستی تو۔

دوسری رباعی کا جواب مرزا یوسف خان مشہدی نے دیا۔

رُباعی

عرفی زہستی بدوست پیوستی تو | وز کشمکش زمانہ وارستی تو
انجا غم دوست مایۂ دست تہی است | خوش باش کزین مایہ قوی دستی تو

اول رباعی مین دیکھو ایک دم کے مشاہدۂ جمال پر عمر ابد کو قربان کر گیا۔ دوسرا پہلو نہین چاہتا کہ دم آخر جو مشاہدۂ جمال کی نعمت حاصل ہوئی اس کے سرور مین ہنگامۂ قیامت خلل انداز ہو۔

نگاہِ روبرو۔ واقعات ختم ہوئے۔ افسانہ نہین واقعات۔ واقعات کے نتائج پر غور ہمیشہ سبق آموز ہے۔ آج "تعلیم و تربیت" بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ اور گردن غرور کی بلندی حقیقت کے مشاہدہ سے معذور کر چکی ہے۔ انصاف سے دیکھو کہ آج کوئی تربیت گاہ ایسی ہے جہان عرفی کی قابلیت کے ادیب پیدا ہون۔ نکہنا کہ عرفی کی کیا ضرورت ہے بیسیون یونیورسٹیان آج بھی، خاقانی و عرفی کا کلام پڑھا رہی ہین۔ عرفی و خاقانی در کنار ان کے کلام کے اہل ذوق سمجھنے والے بھی پیدا نہین کر سکتین۔ مانو گے کہ عرفی کا مربی فن خانخانان تھا۔ جو جوہر ایران نہ چمکا سکا بلکہ جن جوہرون کی آبداری سے ایرانیون کی آنکھین خیرگی کرتی تھین وہ ہندوستان کے ایک امیر کے دیوانخانے مین آکر اس آب و تاب سے چمکے کہ ایک عالم روشن ہوگیا۔ خانخانان میدان مین ایک فاتح ہے۔ اپنے وقت کا بہترین سپہ سالار۔ بزم مین ایک اولوالعزم۔ فیض۔ مربی علم و فن امیر ابن امیر۔ اس بوقلمونی کو دیکھو۔ تلوار اور قلم دونون جوہر ریز ہین۔ کلام پڑھو۔ ندرت مین ممتاز ہے ؎

بہ سنگ رخنہ شد از بس گریستم بیتو | ز سنگ سخت ترم بسکہ زیستم بیتو

دیگر

بہ آتش مہرو وفا حرف عہد بیکار است نگاہ اہل محبت تمام سوگند است

ہمہ گیری ملاحظہ ہو۔ ایک طرف عرفی ونظیری اور اور بہت سے ایرانی شعرا فیض تربیت سے مدارج ترقی حاصل کر رہے ہین۔ دوسری طرف بھاشا کے کبیشیر اصلاح لے رہے ہین۔ بھاشا کا ادب ترقی پا رہا ہے۔ جن لوگون نے بھاشا کے علم ادب کی تاریخ لکھی ہے اس کا ایک دور خانخانان کے زیر تربیت قائم کیا ہے۔ تیسری طرف واقعات بابری کا ترجمہ ترکی سے فارسی مین ہو رہا ہے۔ یہ زمانہ تو کمالات انسانی کی معراج کا ہے۔ میری تنگ اور محدود معلومات مین قابل شکر اضافہ ہوا اگر ان حیثیات کا جامع زندہ انسان بتایا جائے جو خانخانان مین جمع تھین طلسم کدۂ حیرت ہنوز ختم نہین ہوا۔ عرفی ونظیری کے کمال کا مربی کس کے دامن تربیت مین پلا تھا۔ جلال الدین اکبر کے جو امی محض تھا۔ بیرم خان عبدالرحیم کو چار برس کا چھوڑ کر اس عالم سے راہی ہوا تھا۔ تاریخ دیکھو۔ اکبر نے دشمن کی یادگار کو دربار مین شامل کر کے اپنی نگاہ کے سامنے پرورش کیا۔ سترہ برس کی عمر مین پہلے معرکۂ جنگ مین سرخرو ہوا۔ اکبر کی تربیت نے علم و ہنر کے جوہر دیا ہائے تاریخ فارسی تو اس سے بے بہرہ نہین مگر حریفون نے ایک سبق ہم کو یاد کرا دیا ہے۔ "اکبر مسلمان نہ تھا اس لئے ملک نے ترقی کی"۔ مسلمانون کی تاریخ اتنی مردم خیز ہے کہ اس مین نہ اکبر عجیب ہے نہ خانخانان مگر عجیب امر یہ ہے کہ مسلمان اپنی ہی تاریخ سے سب سے زیادہ بدگمان ہین۔ وجہ۔ جہل ولاعلمی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار



"ہنوز دلی دور است"

(ایک مشہور ضرب المثل کی تاریخ)

از

جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے

کہاوتین اور مثلین ہر زبان کے سرمایۂ ادب کا ایک اہم جزو ہوتی ہین۔ ہر کہاوت یا ضرب المثل اپنی تہ مین تاریخ اور لٹریچر کا ایک خاصہ قیمتی خزانہ مخفی رکھتی ہو، لیکن عموماً امتداد زمانہ کے ساتھ یہ دفینہ اور زیادہ قعر زمین مین دھنستا جاتا ہو، یہانتک کہ اسکا موقع و نشان بالکل مٹ جاتا ہو۔

اکثر امثال کی صورت آفرینش یہ ہوتی ہو کہ کسی مشہور شخص کی زبان سے کسی مشہور موقع پر کوئی فقرہ نکل جاتا ہو جس مین اختصار لفظی کے ساتھ جامعیت معنوی ہوتی ہو، اور جو کسی وسیع مادی، اخلاقی، یا معاشری حقیقت کا عطر اور نچوڑ ہوتا ہو۔ اس قسم کے مقولہ عام زبانون پر بے اختیار چڑھ جاتے ہین، اور کثرت استعمال سے کچھ روز مین ضرب المثل کا درجہ حاصل کر لیتے ہین۔ الفاظ زبانون پر رہجاتے ہین، لیکن لوگ یہ بھول جاتے ہین کہ اوّل اوّل کسکی زبان سے اور کس موقع پر ادا ہوئے تھے،

"ہنوز دلی دور است" فارسی زبان کی ایک مشہور ضرب المثل ہو۔ اردو مین اکثر اسکا بجنسہ استعمال ہوتا ہو۔ اور کبھی اسکا ترجمہ کر کے "ابھی دلی دور ہو" بولا جاتا ہو۔ بہت کم اشخاص کو اس کا علم ہوگا، کہ یہ مقولہ ابتداءً کس شخص کی زبان سے ادا ہوا تھا؟ کس موقع پر ادا ہوا تھا؟ اور اس وقت سے اس کا چلن کیونکر چل گیا؟ خوش قسمتی سے تاریخ کے صفحات ان سوالات کے جواب مین بالکل خاموش نہین۔

آٹھوین صدی ہجری کا زمانہ ہے، صدی کی پہلی چوتھائی کے خاتمہ مین پانچ سال کا عرصہ باقی ہے، دلّی کی سرزمین حسب معمول تماشاگاہ عبرت وانقلاب بنی ہوئی ہے، خسرو خان، ایک کم نسب نوجوان، بادشاہ وقت قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کرکے خود تخت نشین ہو جاتا ہے، اور تمام مشائخ شہر کی خدمت مین بڑے بڑے گران قدر نذرانہ پیش کرتا ہے۔ تقریبًا کُل حضرات نذرین قبول فرماتے ہین، لیکن نذر کو بہ طور امانت اپنے پاس محفوظ رکھتے ہین، کہ ممکن ہے انقلاب حکومت عنقریب دوسری کروٹ لے اور اس وقت یہ رقم واپس کرنا پڑے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی سطح خیال ان مادّی مصلحت اندیشیون سے ارفع ہے، آپ کے یہان یہ روپیہ آتا ہے، اور اسی وقت فقراء ومساکین پر صرف ہوجاتا ہے، جس بزرگ کے لنگرخانہ کی وسعت آج افسانہ کی طرح ناقابل یقین معلوم ہوتی ہو[1] اور جس کا معمول یہ تھا، کہ جو نہین نذرین داخل ہوتین، فی الفور فقراء پر تقسیم ہو جاتین، اور جبتک بالکل تقسیم نہ ہو لیتین، خاطر مبارک بیقرار ومشغول گریہ رہتی[2]، اس سے بجز اس کے اور توقع ہی کیا ہوسکتی تھی۔ غرض ادہر جاہ وثروت کے تاجدار نے روپیہ بھیجا، اور اُدہر فقر ومسکنت کے اورنگ نشین نے معًا اسے لٹا دیا۔

مورخ فرشتہ، اس واقعہ کو سیرالاولیاء کے حوالہ سے لکھتا ہے:۔

"منقول است، کہ خسرو خان بعد از قتل بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ بر تخت نشستہ ذولک یا سہ لک تنگہ جہت ہر یک از مشائخ فرستاد وغیر از سہ کس ... ہمگی قبول کردند، امّا اکثر امانت نگاہ داشتہ خرچ نہ کردند، مگر شیخ نظام الدین اولیاء کہ پنج لک تنگہ خسرو خان را با تمام صرف فقراء نمود"

[1] "وہمچنانکہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر گفتہ بود، روزے ہفتاد من نمک در مطبخ او صرف می شد"۔ (فرشتہ، جلد دوم، مقالہ دوازدہم)

[2] "اگر وقتے فتوحے گران رسیدے، گریہ بیشتر کردے، وجہد بیشتر فرمودے، کہ زود تر تفرقہ کنید، وساعۃً فساعۃً کسان می فرستاد کہ تفرقہ کردند، چون می شنید، کہ درحال قسمت کردند، وبہ محتاجان رسانیدند، خاطر مبارک قرار گرفتے۔ ودر ہر جمعہ تجرید فرمودے، وحجرہ ہا وانبار خانہ ہا خالی کنانیدے، چنانچہ جاروب می دادند۔ بعدہ در مسجد جمعہ رفتے"۔ (سیرالاولیاء، ص ۱۳۱)

(تاریخ فرشتہ، جلد ۲، مقالہ دوازدہم، ذکر سلطان الاولیاء۔)

چار ماہ کے بعد زمانہ نے کروٹ لی خسرو خان مارا گیا، اور عنان سلطنت سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھ مین آئی، اس جدید فرمانروا نے تخت نشین ہوتے ہی خزانۂ عامرہ کا جائزہ لیا، اور جو اشخاص خسرو خان کی زر پاشیون سے مستفید ہو چکے تھے، ان سے وہ رقوم واپس لینا شروع کین۔ اور اگر کسی شخص کی جانب سے اس باب مین تردد و تامل ہوتا، تو معاً وہ قہر سلطانی کا مستوجب ہوتا۔ عہد اکبری کا ایک مورخ لکھتا ہے:۔

"زر ہا را کہ خسرو خان در حالت اضطرار بہ مردم ایثار کردہ بود، باز یافت نمودہ داخل خزانہ ساخت، وہر کہ در اداے این قسم زر اہمال نمودے در شدت وتعذیب افتادے۔" (طبقات اکبری، جلد اول مطبوعہ کلکتہ، ص ۱۹۲)

مصلحت اندیش مشائخ وعلما نے یہ رقمین اپنے خزانہ سے خزانۂ شاہی کی جانب منتقل کر دین، اور غضب سلطانی سے محفوظ رہے، سلطان المشائخ کے ہان روپیہ کا جمع رہنا چھلنی مین پانی کا ٹھہرنا تھا، جواب آیا، کہ جو آیا، وہ اسی وقت صرف ہو گیا۔ بادشاہ کو یہ انکار قدرۃً ناگوار گذرا، اور شیخ کی آزار رسانی کا قصد کر لیا۔ فرشتہ کا وقایع نگار قلم ان واقعات کو یون بیان کرتا ہے:۔

"بعد از چہار ماہ چون غازی ملک یعنی سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خان را کشتہ پادشاہ دہلی شدہ استقلال تمام بہم رسانیدہ در پے آن شد، کہ زر بابت خسرو خان را از مردم باز یافت نماید، اکثر مشائخ بے تعلل واہمال ادا نمودند، وشیخ نظام الدین اولیاء، کہ صرف کردہ بود، بہ جواب اقدام نہ نمود، و پادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ سو مزاجی بہ شیخ بہم رسانیدہ بے عنایت شد۔"

ہر بزرگ وبرتر ہستی کے حاسدین ومخالفین ضرور ہوتے ہین۔ حضرت شیخ کے جو مخالفین تھے، بادشاہ کو ناخوش دیکھ کر ان کے حاسدانہ جذبات کو اپنی تشفی کا موقع نظر آیا۔ انھون نے سلطان المشائخ

کی جانب سے بادشاہ کے کان ان روایات سے اور بھرے، کہ شیخ سارا وقت سماع مین صرف کرتے ہین، جو تمامتر نامشروع ہی۔ بادشاہ کو چاہئے کہ فقہائے وقت کی خدمت مین محضر پیش کرے، اور علمائے شرع سے مباحثہ کرا کے شیخ کو مغلوب کرے۔ فرشتہ کے الفاظ مین

"جمعے کہ با شیخ عداوت وحسد داشتند ومنکر سماع بودند، فرصت یافتہ بعرض رسانیدند کہ این شیخ با جمیع مریدان خود غیر از سماع کارے ندارد و سرود کہ در مذہب حنفی حرام است می شنود پس پادشاہ را واجب است کہ علما را طلبیدہ محضرے سازد، واو را از ان فعل نامشروع نہی نماید"

صاحب سیر الاولیا نے جو حضرت سلطان المشائخ کے حالات مین سب سے زیادہ قدیم و مفصل تالیف ہی، اس داستان کو پھیلا کر لکھا ہی، اور مخالفین کے سرغناؤن کے نام بھی لکھدئے ہین:۔

"چون آفتاب دولت وکرامت وعظمت حضرت سلطان المشائخ بر جہانیان طالع گشت، وشوق سماع در علما، وفضلا، وصدور واکابر ووضیع وشریف ودور ونزدیک کہ در جبلت ایشان چاشنی عشق نہادہ بودند رسید، غلغلہ در عالم افتاد وولولۂ عشق در دلہائے ایشان جنید، وکار عاشقی و عشق بازی وسماع در جہان از سر تازہ شد وعالم بوستانے گشت.... خار حسد مدعیان این کار را چنانچہ موروث دارند از سر خلیدن گرفت، ومدتے این تعصب در دل داشتند کہ بدین نمی توانستند.... ونیز چون بیشتر اکابر وعلما وصدور واولیا، وامرا، وملوک ومقربان پادشاہ عہد را بندہ ومعتقد حضرت سلطان المشائخ می دیدند، مجال دم زدن نبود، چون دیگے سر پوشیدہ می جوشیدند، ودر بند این می بودند، کہ مگر پادشاہے درین باب محضرے کند تا جراحت حسد را بہ نوک زبان بتراوند...

الغرض در عہد سلطان علاء الدین وقطب الدین علیہما الرحمہ اندیشۂ ایشان کار نیامد، وبار نخواند۔ چون تخت سلطنت بہ غیاث الدین تغلق انار اللہ برہانہ رسید، شیخ زادہ حسام الدین فرجام کہ پایا بہ غریبی در خانۂ سلطان المشائخ کشادہ بود و بانواع تربیت وشفقت سلطان المشائخ پرورش یافتہ

> اوازانجہت آنکہ سر شہرت داشت بسیار مجاہدہ ہا و بلاہا کشید چون در و شوق و ذوق عشق نہادہ بودند میسر نمی شد، بدین بہانہ خواست کہ خود را مشہور کند بجہت غوغائے محضر ادر اپید اکردند.....
>
> قاضی جلال الدین لوانجی نائب حاکم مملکت در تعصب اہل عشق مشہور بود، و دانشمندان دیگر شیخ زادۂ حسام را انگیختند و پیشوائے خود ساختند تا پیش بادشاہ باز نماید کہ شیخ نظام الدین محمد مقتدائے عہد است، سماع کہ در مذہب امام اعظم حرام است می شنود و چندین ہزار خلق درین کار کہ در شرع ممنوع است متابعت اومی کنند۔ شیخ زادۂ مذکور قربے پیش سلطان ہم یافتہ بود این سخن بسمع سلطان رسانید[1]

مباحثہ ہوا، اور فتح حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ رہی۔ بادشاہ کو مجبوراً سکوت اختیار کرنا پڑا، اور شیخ کو ظاہری اعزاز و تکریم کے ساتھ رخصت کیا، لیکن دل سے کدورت نہ گئی، چند روز کے بعد مہم بنگال پیش آئی، وہاں سے پیام بھیجا کہ عنقریب دلّی واپس پہنچتا ہون، میری واپسی تک دلّی خالی کر دین۔ ورنہ انجام بہتر نہ ہوگا، محبوب الٰہیؒ بہت ضبط و صبر سے کام لے چکے تھے، اس وقت غیرت حق کو حرکت ہوئی، آپ کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ

"ہنوز دلّی دوراست"

بادشاہ جنگ مین مظفر و منصور ہو کر فاتحانہ جذبات کے ساتھ کوچ کرتا ہوا دلّی واپس آرہا تھا۔ سارا شہر استقبال کیلئے آراستہ ہوا، اور ولیعہد نے پایۂ تخت سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک عارضی محل تعمیر کرایا۔ کہ یہان دم لیکر بادشاہ غازی شہر مین داخل ہو۔ بادشاہ نے یہان پہنچ کر آرام کیا، اور مختصر قیام کرکے کوچ کا حکم دیا۔ امراء و ارکان دولت عجلت کے ساتھ اپنی اپنی سواریون کی جانب متوجہ ہوتے ہین، خود بادشاہ طعام خاصہ سے فراغت کرکے ہاتھ دہو رہا ہے، کہ دفعتہً قہر الٰہی کی بجلی گرتی ہے، قصر منہدم ہوتا ہی، اور بادشاہ چشم زدن مین مع پانچ یا چھ رفیقون کے پیوند خاک ہو جاتا ہی۔ عام خلقت

[1] سیر الاولیاء امیر خورد دہلوی ص ۵۲۰-۵۲۱ مطبوعہ محبی،

کے قلوب اس عبرت ناک واقعہ سے سخت متاثر ہوتے ہیں، اور "ہنوز دلی دور است" کا الہامی فقرہ اسی وقت سے زبان زد عام ہو جاتا ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے:-

"پادشاہ غیاث الدین تغلق شاہ اگرچہ بحسب ظاہر بہ شیخ ہیچ نمی گفت، و معارض احوال شیخ نمی شد، لیکن ہمچنان رنجش خاطر داشت۔ وقتیکہ از بنگالہ عازم مراجعت بود، بہ شیخ پیغام فرستاد کہ تا آمدن من بہ دہلی نہ باید بود، و بعد از ین از غیاث پور بیرون رود۔ شیخ در آن وقت رنجور بودہ، جواب داد کہ ہنوز دہلی دور است، و آخر چنان شد، چہ کہ بہ دہلی نہ رسیدہ، کہ قصر تغلق آباد بر سرش فرود آمدہ ہلاک شد . . . . و ہنوز لفظ دہلی دور است میان اہل ہند مثل مشہور است۔"[1]

ملا ضیاء الدین برنی، جو عہد فیروز شاہ تغلق کے مستند مورخ ہیں، اور جنہیں سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ انتہائی عقیدت تھی، اس حادثہ کو غایت حزن و الم کے ساتھ اپنی تاریخ میں درج کرتے ہیں، اور اس کے بالکل غیر متوقع ہونے کی بنا پر اس سے عبرت و بے ثباتی عالم سے متعلق نتائج نکالتے ہیں:-

"دراں معرض کہ سلطان تغلق شاہ مایدہ خاص پیش طلبید، و طعام خرچ شد، و ملوک و امراء دست شستن بیرون آمدند، صاعقہ بلائے آسمانی بر زمینیان نازل شد، و سقف صفہ کہ سلطان تغلق شاہ در زیر آن نشستہ بود، یکایک بر سلطان افتاد، و سلطان با پنج و شش نفر دیگر زیر سقف آمد و بجوار رحمت حق پیوست۔ آنچنان عالم کشائے و جہانگیرے کہ در جہان نمی گنجید، در چہار گز گور مدفون گشت . . . . ہمین عبرت عالمیان را کافی ست کہ بادشاہ اقلیم ہند را فتح کردہ و مظفر و منصور در عمرانات دار الملک خود رسیدہ و روئے اہل بیت خود دیدن نیافت۔ از تخت گاہ سروری در شکم خاک مسکن و ماوی ساخت"[2]

---

[1] تاریخ فرشتہ، جلد ۲، مقالہ دوازدہم۔ ذکر حضرت نظام الدین اولیا۔ [2] تاریخ فیروز شاہی، ضیاء برنی ص ۴۵۲ و ۴۵۳، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ)

ملا عبدالقادر بدایونی، جو عہد اکبری کے مشہور مورخ ہوئے ہیں، ان واقعات پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"مردم چون دانستہ بودند، کہ سلطان بہ سرعت سواری شود، دست ناشستہ ازان خانہ برآمدند، وسلطان بہ تقریب دست شستن ازان خانہ برنیامد، تا اوت ازحیات نست، وقصر بر سراو افتاد .... ودرمیان اہل ہند مشہور است کہ سلطان غیاث الدین تغلق با سلطان المشائخ چون سو مزاج داشت ازراہ لکھنوتی پیغام بہ شیخ فرستاد کہ بعد ازان کہ من بہ دہلی رسم با شیخ آنجا باشد یا من۔ شیخ فرمود: ہنوز دہلی دور است۔ واین سخن ازان روز ضرب المثل گشتہ شہرت یافت۔"[1]

عہد اکبری کے ایک دوسرے وقایع نگار ملا نظام الدین احمد ہروی ان الفاظ میں ان واقعات کو ثبت تاریخ فرماتے ہیں:-

"سلطان تغلق شاہ، بہ جماعت کہ باستقبال او آمدہ بودند، درآن قصر نشست، ومائدہ خاص کشیدند، چون طعام برداشتند، مردم دانستند، کہ سلطان بہ سرعت سوار خواہد شد، دستہا ناشستہ برآمدند، سلطان بہ تقریب دست شستن آنجا ماند۔ درأثنائے این حال سقف خانہ افتاد، وسلطان در تہ آن بہ جوار رحمت حق پیوست . . . . ومشہور است کہ چون سلطان تغلق از خدمت شیخ نظام الدین اولیا رنجیدہ بود، بہ شیخ پیغام نمود۔ کہ چون من بہ دہلی برسم، شیخ از شہر بدر رود۔ شیخ گفت، ہنوز دہلی دور است۔ واین لفظ درمیان اہل ہند مثل شدہ است۔"[2]

فرشتہ نے ایک اور مقام پر بھی ان حوادث کا تذکرہ کیا ہے۔

"سلطان با جماعتے کہ بہ استقبال آمدہ بودند، درآن قصر نشستہ بر خوردن مائدہ مشغول شدند۔ چون سفرہ برداشتند و مردم دانستند، کہ بادشاہ ہمین دم سوار خواہد شد، دستہا ناشستہ برآمدند . . . .

[1] منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی، جلد ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ)

[2] طبقات اکبری، نظام الدین احمد ہروی، جلد ۱- ص ۱۹۹ - مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ)

درآن اثنا سقف خانہ افتادہ پادشاہ باپنج تفر درتہ آن بجوار رحمت حق پیوستند۔۔۔ وحاجی محمد قندھاری در تاریخ خویش نوشتہ کہ دران ساعت کہ سلطان بدست شستن مشغول بود صاعقہ از آسمان نازل شدہ و سقف شگافتہ برسرش ریخت، واین روایت بر تقدیر وقوع بصحت اقرب می نماید" (تاریخ فرشتہ، جلدا، مقالہ دوم، ذکر سلطان غیاث الدین)

بیانات بالا سے ظاہر ہے، کہ اگرچہ بعض جزئیات مین مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے بعض کا بیان ہے کہ دفعۃً چھت گر پڑی، بعض کی روایت ہے کہ آسمان سے یکایک بجلی گری، تاہم اتنے جزو پر سب کو اتفاق ہے

(۱) بادشاہ کی موت عام طبعی اسباب سے نہین، بلکہ بالکل غیر متوقع طور پر کسی ناگہانی سبب سے واقع ہوئی اور

(۲) عام خلقت اسے سلطان المشائخ کے الہامی فقرہ کی تصدیق سمجھی، چنانچہ

(۳) یہ فقرہ اسی وقت سے ضرب المثل ہوگیا۔

بعض "روشن خیال" مؤرخین نے قصر شاہی کے گرنے کی عقلی توجیہات کی ہین، لیکن اول تو انکی حیثیت بھی ان کے قیاسات سے کسی طرح زائد نہین، اور پھر بالفرض انھین صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے، تاہم نفس واقعہ کے غیر معمولی وغیر متوقع ہونے پر اسکا کوئی اثر نہین پڑتا، کرامات اولیا تو الگ رہین، محققین کے نزدیک معجزات انبیا کے لئے بھی یہ شرط صحیح نہین، کہ انکا صدور قطعاً ہر قسم کے اسباب وعلل سے ماورا ہو، بلکہ صرف اتنا کافی ہے، کہ واقعہ معمول عام سے ہٹا ہوا ہو، عام طبعی اسباب اسکی تشریح نہ کرسکین، اور صدور کے وقت اس کے اسباب وعلل انسانی دسترس سے باہر ہون چنانچہ یہ شرائط اس واقعہ مین موجود تھے، اور معاصرین نے اس کو اسی حیثیت سے دیکھا، اور اسی معنی (اسپرٹ) مین قبول کیا۔

پھر اگر یہ بھی مان لیا جائے، کہ جمہور کا عقیدہ اس بارہ مین غلط تھا، تو بھی عقیدہ کے خطا وصواب سے یہان کوئی بحث نہین۔ اتنا بہر حال مسلم ہے، کہ جمہور معاصرین کے قلوب اس واقعہ سے متاثر ہوئے، وہ اسے "ہنوز دلی دور است" کی عملی تصدیق سمجھے، اور اسی وقت سے اس فقرہ کو بہ کثرت بولنے لگے۔

موجودہ تعلیم کے نقائص پر ایک نظر

از

جناب محمد ضیاء الدین صاحب مقیم شانتی نکیتان،

کسی قوم کے افراد کی مجموعی کیفیت نفسی اس قوم کی طبیعت و مزاج کہلاتی ہے، اور اقوام بوجہ اختلاف حالات ایک دوسرے سے مزاج و طبیعت مین مختلف ہوتی ہین، انکی حیات اجتماعی کی بنیاد اسی مزاج پر ہے اور اسکی زندگی و موت پر قوم کی حیات و موت کا مدار۔ یہی مزاج ان کے آئینۂ تہذیب مین صورت پذیر ہوتا ہے۔ اور یہی عام کیفیت نفسی ان کے تمدن مین ظاہر ہوتی ہے۔ حیات اجتماعی کی ترقی و تنزل پر قوم کی ترقی و تنزل منحصر ہے۔ یہ نپولین نہ تھا جس نے فرانس کو آزادی دلائی بلکہ اہل فرانس کا عام احساس آزادی تھا جس نے نپولین پیدا کیا۔ اگر آج ہندوستان اپنی زیست غلامی کو محسوس کرے کل آزادی کی سب راہین اس کے لیے کھلی ہین۔

اس مزاج قومی کی ساخت مین غالب حصہ تعلیم کا ہوتا ہے۔ جذبات انسانی کو عارضی طور پر دبا دینے مین یہ تعلیم اکثر کامیاب ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ موجودہ تعلیم ہی کے باعث ہے کہ ہم ہندوستانیون کے جذبات آزادی اور عقائد روحانی دبے ہوئے ہین۔ تعلیم اُس زمین کے اجزا مہیا کرتی ہے۔ جس سے درخت قومی کی جڑین اپنی غذا حاصل کرتی ہین جب کہ تمدن مزاج قومی سے وہی تعلق رکھتا ہے جو مقامی آب و ہوا نباتات کی نشوونما سے واسطہ رکھتی ہے، تعلیم و تمدن یہی دو عنصر ایسے معلوم ہوتے ہین جو مزاج قومی کی ترکیب مین زیادہ مستعمل ہوتے ہین۔ لیکن عنصر تعلیم سیاست اہم اور کہین زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ یہ قوم کی عام حالت علمی ہے جو اس کے عام اخلاق و اطوار، اس کی

تہذیب وتمدن اور ترقی وتنزل کی ذمہ دار ہے۔

حکومت نے تعلیم کی اہمیت کو محسوس کیا، اور نہایت دانشمندی سے آتے ہی نظام تعلیم کو چارون طرف وسعت دی، خاص خاص مقاصد ومطالب مدنظر رکھتے ہوئے قلب قومی کی تربیت شروع کی اور ہم دیکھتے ہین کہ ایک ہی صدی کے اندر اندر وہ اپنے مقصد یعنی مفید انسانون کی باربرداری کے قلی، پیدا کرنے مین کامیاب ہوگئی، طلبار کالجون سے نکلتے ہی پولیس انسپکٹر، وکیل آفس کلارک، مجسٹریٹ، پوسٹ ماسٹر اور ڈپٹی کلکٹرون کی مختلف صورتون مین نمودار ہونے لگے۔

اس تعلیم کا مدار، حفاظت نفس پر نہین رکھا گیا، جو یورپ کے فلسفیون نے قرار دیا تھا۔ بلکہ مقصد اس کا نفس حکومت کی حفاظت ٹھہرایا، اگرچہ عام طور پر یہ راز معلوم نہ ہو لیکن کسی شی کے نتائج سے اس کے مقصد اصلی تک پہنچنا مشکل نہین۔

بجائے اس کے کہ مقصد تعلیم، حق شناسی اور قوائے فطرتی کا نشو ونما ہوتا۔ اس کا منشائے اولین زبان انگریزی قرار دیا گیا۔ اس کی تحصیل اشد ضروری ٹھہرائی گئی۔ اور اگر یہ نہین تو ہندوستانی کے لئے کوئی تعلیم نہین۔ یونیورسٹیون کا مقصد ملک کی تعلیم نہ تھا، بلکہ وہ شی تھی جو غیر ملکی نظام حکومت سے تعلق رکھتی ہو۔ وگرنہ ہندوستان ایسا جاہل بنجر ملک نہ تھا۔ کہ اس مین علمی کاشت کے لئے نہ صرف علم کا بیج۔ طرز کاشت (یعنی طرق تعلیم) بلکہ زمین کے لئے مٹی یعنی ساری زبان کی زبان ہی سات سمندر پار انگلستان سے منگوانا پڑتی۔ ہندوستانیون کی ترقی مین ان کی مادری زبانین حائل ہوگئین اور ان کا طرق زندگی ہی ان کی رکاوٹ کا باعث۔

زبان دل سے وہی تعلق رکھتی ہے جو آئینہ مین منعکس شدہ شکل، بیت خود آرا کے حسین چہرے سے تعلق رکھتی ہو۔ زبان اہل زبان کے دلون کی صورت علمی کا عکس ہوتا ہے، قوم کی علمی ترقی پر زبان کی ترقی منحصر ہے۔ یہ وہ قدرتی طریقۂ اظہار ہے جو سینکڑون صدیون سے اہل ملک کے ساتھ

ساتھ ترقی وتنزل افلاس وفارغ البالی غم وخوشی سے چکرون سے گذرتا ہوا، موجودہ شکل وصورت مین پہنچا تھا، تعلیم مین اس زبان ملکی کی جگہ غیر ملکی زبان کو واسطۂ تعلیم قرار دینا، دیدہ و دانستہ اس قوم کی قومیت کو فنا کرنا ہے۔ اور یہ غیر قدرتی فعل اس قوم کے قوائے عقلیہ اور اس کے تمام دماغ قومی کے خلل وبربادی کا باعث ہوتا ہے۔

زبان انسان کے دل سے تعلق رکھتی ہی، اور ہم ہندوستان مین کبھی اپنے دل جیسی شی کے مالک تھے، وہ زندہ تھا، سوچتا تھا، احساس کرتا تھا۔ اور اپنا اظہار کرتا تھا، دوسرون کا علم قبول، اور خود جدت واجتہاد کرتا تھا، "دل یا قلب" ڈاکٹر ٹیگور لکھتے ہین "اثنائے تعلیم مین کچھ کارآمد ہوسکتا تھا؟ ہمارے صیغۂ تعلیم کی نظرون مین نہ آسکا۔ ہم وہ دل رکھتے تھے جس نے غور عمیق اور اپنے اندر گہرا احساس پیدا کیا تھا۔ اس نے اپنی قوت کے مطابق مسائل موجودات کے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہندوستانیون کی تعلیم کا مقصد، اسی قلب کو تلاش حقیقت اور جہان بھی وہ حقیقت صادقہ ہو اسے اپنا بنا لینے مین مدد دینا تھا، اور پھر اس کا علانیہ اظہار کرنے مین حوصلہ افزائی کرتا تھا،، ہندوستانی دماغ دنیا کی سب قومون سے زیادہ فلسفی وعلمی قابلیت رکھتا تھا، اس کا مقابلہ نہ یونانی کرسکے نہ کوئی دوسری قوم۔ لیکن ان یونیورسٹیون نے ہمین ازسرنو پڑھانا شروع کیا۔ گویا دنیا کی درسگاہ مین ہندوستان نے اس سے پہلے کبھی کوئی سبق نہین پڑھا تھا، اور تعلیم بھی دی تو وہ جسے نہ علم سے کچھ سروکار، اور نہ بیچارے ہندوستانی کی زندگی سے۔

انسان کا دل آغاز انسانیت سے ارتقار وتغیر کے راستے طے کرتا ہوا، ایک خاص مقام تک پہنچا تھا۔ اہل مشرق بھی ایک خاص راستہ پر اپنی منزل مقصود کی طرف گام زن تھے، کہ ہر شے اپنے مقصد اصلی کی طرف جادہ پیما ہے۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ رجحان اس کا اہل یورپ کے میلان طبیعت کے عین مخالف تھا، اور خاص کر ہندوستان کا منتہائے کمال، اہل یورپ

کے فلسفۂ زندگی کے عین برعکس ہے لیکن موجودہ نظام تعلیم مین اس قلب کی خاصیت ِ مزاج، اس کی روح اس کے رجحان، اور اس کے مقام علمی کو جو بے شمار صدیون کے تجربہ و تحقیق کے بعد حاصل ہوا تھا، نظر انداز کر دیا گیا، اور اس بات کی مطلق پروا نہ کی گئی کہ یہ تعلیم جس کا مقصد اہل مشرق کے مذاہب و فلسفہ کے عین متضاد ہے، ایک ایسی علمی و اخلاقی تباہی کا خوف دلاتی ہے کہ جس کے نتائج نہ فقط حکومت ہی کے لئے باعث شرم ہونگے بلکہ تمام دنیا کے لئے وجہ نقصان ۔

ہر قوم کی شخصیت کی بنیادین اس کے علوم و فنون، اس کے تمدن اور اس کے مزاج مین ہوتی ہین یہی چیزین قومی درخت کی جڑین ہین، اگر ان کو صحیح غذا نہ ملے ان کی ترقی اور نمو برابر جاری نہ رہے تو اس درخت کا سوکھ کر مرجانا یقینی ہے۔ کسی قوم یا ملک کو اس کی ملکیت علمی، اس کی تہذیب اور اس کے فنون سے محروم کرنا جو اس کی ذاتی جدت طبع اور تخیل کا نتیجہ ہون، اور جو صدیون کی متفقہ محنت، غور و فکر کے ثمرات ہون، ان کی درس گاہون سے بکلم اڑا دینا اس قوم کو جڑون سے اکھیڑ دینے کا ہم معنی ہے۔

ڈاکٹر ٹیگور کہتے ہین کہ ہندوستان کے طول و عرض مین ایک بھی یونیورسٹی تو ایسی نہین جو کسی ملکی یا غیر ملکی طالب العلم کو ہندوستان کے مزرعۂ علمی کی بہترین پیداوار سے بہرہ ور ہونے مین مدد دے سکتی ہو۔ اس کے لئے ہمین فرانس اور جرمن کے دروازے کھٹکھٹانے پڑتے ہین۔

اس وقت تمام ہندوستان مین ہندوستان ہی کی تاریخ قدیم کا ایک بھی عالم ایسا نہین جو پروفیسر سلوان لیوی (فرانس) کا مقابلہ کر سکتا ہو، ہندوستانی تاریخ دان اس کے سامنے طفلان مکتب کی حیثیت رکھتے ہین۔

جب یونیورسٹیون نے ہندوستان کو گونگا سمجھا اور زبان انگلستان سے اس کے لئے اپنے ساتھ لائین، تو یہ امید رکھنا کہ وہ ہندوستانی قوم کو ایک ایسی قوم سمجھتے جو موسیقار ہو،

ناممکن تھا۔ یونیورسٹیون نے ہندوستانی موسیقی کو اس طرح ٹھکرادیا جیسے وہ قلب انسانی سے کچھ تعلق رکھنے والی شے ہی نہ تھی، اس کو نصاب تعلیم مین ناجائز سمجھا گیا، لیکن ایک گانے کو مستثنیٰ کرنا پڑیگا یعنی RULE BRATANICA اور GOD SAVE THE KING۔ موسیقی دنیا کے اعلیٰ ترین فنون مین ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہی۔ بغیر اس کے قوم گونگی ہی، اور یہ قوم کی دولت ہی، یہ دوسرے فنون کی طرح ترقی پذیر ہے اور قلب قومی کے ساتھ ترقی کرتا ہی چونکہ تاجرون کے آفسون مین اسکی جگہ حاصل نہین اس لئے یونیورسٹیون مین بھی اس کی ضرورت نہ تھی۔

یونیورسٹیان قائم کردی گئین، جو ترویج علم کے پردے مین، سروس اور نوکری کی سندین عطا کرنے لگین، جن کو نفس تعلیم سے کچھ تعلق ہی نہ تھا، طلبا، کا امتحانون کے چکر سے، کاغذات سند لئے نکلنا اس لئے نہ تھا کہ وہ علم حاصل کرچکے ہین،، وگرنہ ڈگری جیسی بیہودہ اور لایعنی شی دنیا مین کوئی نہین، اگر ٹیگور اس ڈگری یافتہ جماعت کو جنہین عموماً تعلیم یافتہ کہا جاتا ہی "سند یافتہ امیدوارون کا گروہ" کہین تو اس مین شک ہی کیا ہے!

اس تعلیم کی قدر وقیمت ضرورت ملکی اور اقتضائے سیاسی پر منحصر ہے، نہ انسان کے اپنے معیار صداقت پر، اس تعلیم کو ضرورت کے لحاظ سے حاصل کیا جاتا ہے، نہ بلحاظ صحت و صداقت۔ اور جب مقصد تعلیم کامیابی ہو، تو وہ تعلیمی بے ایمانی اور جیسا ٹیگور کہینگے "صداقت سے بے وفائی" کئے بغیر ممکن نہین۔

اگر ہماری تعلیم کیلئے عالیشان عمارتون کی ضرورت ہوتی تو قدیم اہل علم تاج کی سی خوبصورت اور محلات شاہی کی سی عظیم الشان یونیورسٹیان قائم کرتے۔ لیکن یہ مردہ عمارتین دل زندہ سے کچھ مناسبت نہ رکھتی تھین تعلیم، تربیت قلب و دماغ کا نام ہے، جس طریقہ سے یہ کام انجام دیا جاسکتا تھا اس کا نمونہ ہم گذشتہ زمانہ مین قائم کرچکے تھے، انہین گذشتہ یونیورسٹیون کو ترقی دینا موجودہ نظام تعلیم کا کام تھا۔

ترقی اس قدرتی ارتقار کا نام ہی جس مین عمل تبدل تو ضرور واقع ہوتا ہی لیکن اس عمل مین گذشتہ سے وابستگی بھی ویسی ہی ضرور اور لازمی ہی اگر اثنائے ترقی مین یہ تعلق منقطع ہو جائے تو وہ ترقی نہین جو نتیجہ ہو گی، بلکہ تباہی و بربادی ہی،

لیکن حکومت نے چاہا کہ یورپین ترقی کو ہندوستان مین منتقل کر دیا جائے، چنانچہ اس نے اپنی یونیورسٹیون کے نمونون کو ریل گاڑی اور جوٹ ملون کی طرح ہندوستان مین سب طرف جاری کر دیا، وسیع و رفیع عمارات مع تمام ضروری فرنیچر اور انگریزی پرنسپلون کے ہندوستان کیلئے مہیا کر دی گئین، لیکن معلوم نہ تھا کہ ترقی مین نقل مکانی ممکن نہین، وہ تو نشو و ارتقائے قدرتی کا نام ہے۔ لڑکا اپنا پیدا ہونے ہی سے اپنا ہو سکتا ہی کسی بیگانہ جوان کو اپنا فرزند حقیقی نہین بنا سکتے۔

یہ یونیورسٹیان ایک غیر ضروری اور مصنوعی طریقۂ تعلیم مین جنہین ہندوستان جیسے قدرت پرست ملک مین رائج کرنا سخت غلطی تھی۔ لیکن ہندوستانیون کا بھی اس مین قصور ہے کہ وہ ان کی عظمت ظاہری، کثرت معلمین اور ڈگریون کی دھوم دھام مین ایسے محو ہوئے کہ نفس تعلیم ہی کو یونیورسٹی کے اندر بھول گئے، اور چونکہ تمدن نے اس تعلیم کو کامیابی کی صورت مین پیش کیا، وہ اس کے نقائص کے سمجھنے سے قاصر رہے۔

ڈاکٹر ٹیگور نے بنگلہ زبان مین ایک چھوٹا سا قصہ "طوطا کہانی" لکھا ہے، جس مین وہ طوطے کی تعلیم کے پردے مین ملکی تعلیم کا نقشہ کھینچتے ہین :- "راجہ طوطے کی تعلیم کا حکم دیتا ہی، پروفیسر ایک جلسہ کر کے یہ رائے پاس کرتے ہین کہ چھوٹے سے گھونسلے مین بڑا علم سما نہین سکتا۔ چنانچہ سونے کا ایک بہت بڑا قفس تیار کیا جاتا ہی۔ سنار تھیلون پر لاد کر انعام و اکرام لیجاتا ہے، اور اس کا گھر بار سب بفراغت زندگی بسر کرنے لگ جاتے ہین۔ کتابون کی نقلین کروا کر انبار لگا دیا جاتا ہے اور نظام تعلیم کی دھوم دھام، اساتذہ کی بھیڑ بھاڑ، تعلیم کی شان و شوکت کو آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہی۔ تماشائی

آتے ہین اور واہ واہ کرتے ہین، "پرندے کی قسمت! قفس تو ہوا"، لوگ تعلیم پر نکتہ چینیان کرنے لگتے ہین، کوئی کہتا ہی "تعلیم ہو نہ ہو قفس تو ہوا"، دوسرا کہتا ہی "قفس تو ہوا تعلیم بھی ہوئی یا نہین"۔ بادشاہ کے کانون تک یہ خبرین پہنچتی ہین، طوطا منگوایا جاتا ہی، وہ نہ بولتا ہے، نہ کودتا ہے بادشاہ اسے ہاتھ مین لیکر دباتا ہی، پیٹ مین سے کھس کھس آواز نکلتی ہے۔ قدرتی غذا نہ ملنے اور بندشون کی وجہ سے طوطا مر جاتا ہے،......

باوجود ان تمام غیر ضروری اخراجات کے جب تعلیم کے عام اور جبری ہونیکی درخواست کی گئی، تو مصارف کا مطالبہ ہوا، جب تمام ملک کی آمدنی کا قریباً نصف حصہ یعنی چالیس یا پینتالیس فیصدی فوجی اخراجات پر صرف کیا جاتا تھا، اور فقط تین فیصدی صیغۂ تعلیم پر، اور جس کا حصۂ کثیر شاید آدھے سے کہین زیادہ پرنسپلون پر، فرنیچر پر اور معمولی اور دوسرے درجہ کے معلومات، کے کتبخانون پر صرف ہوتا تھا، غریب ہندوستانی کو ان تمام چیزون کی جن کا مجموعی نام یونیورسٹی ہی ضرورت نہین،

ہندوستانی صداقت پرست ہی وہ صحت و خوبی کا عاشق ہے، ہندو ہو یا مسلمان یہ ایشیا کا خاصہ ہے، اور یہ وہ شی ہے جو یورپ مین نہ اب ہے نہ کبھی تھی۔ اہل یورپ ظاہر پرست اور پُر غرور ہین، ان کی تہذیب سے تصنع اور خواہ مخواہ کی ظاہر پرستی ٹپکتی ہے۔

ہندوستانی تعلیم کے لئے فقط اس معلم کی ضرورت تھی، جو حقیقت مشرق کا رازدان ہو، مغربی جاہل کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے یہ معنی نہین کہ ہم علوم مغربی کی ضرورت نہین سمجھتے، نہین ہرگز نہین۔ لیکن ہم اپنے علوم حقہ کے عوض مغرب سے کچھ خریدنا نہین چاہتے۔ اور شاید پہلا کام جو گورنمنٹ نے کیا اور جس مین شاید وہ سب سے زیادہ کامیاب رہی، گو وہ کامیابی عارضی ہو، ہندوستانیون کے دلون سے مذہبی روح کا اڑانا تھا۔ اس کام مین تمدن مغربی سے دوش بدوش حصہ لیا۔ اور اس تعلیم نے ہماری بنیادین اکھیڑنے کی کوشش کی۔

ان یونیورسٹیون نے ہندوستان کو خالی اور بے بضاعت ظاہر کیا، انھون نے ہندوستان کی علمیت کی نمایندگی نہ کی، ان کی تعلیم کی قدر وقیمت سیاسی اور ملکی ضرورت حاضرہ پر منحصر ہے۔ ہندوستان مین ایک بھی یونیورسٹی ایسی نہین جو ہندوستان کے علوم وفنون اس کی تاریخ وغیرہ کو پیش کرسکتی ہو، ٹیگور کے ریمارک نہایت دلسگاف ہوا کرتے ہین، لکھتے ہین کہ "یہ یونیورسٹیان کاسۂ گدائی ہین کچکول ہین، جن سے ہندوستانی علم کی بھیک مانگتے ہین۔ یہ یونیورسٹیان ہماری عقلی خود داری کی توہین کرتی ہین، وہ ہمین سکھاتی ہین کہ مانگ لینا ہمارا کام ہے، پیدا کرنا ہمارا کام نہین۔ مانگے ہوئے پردون کی زیب وزینت کی احمقانہ نمائش کرنا، وہ ہمین سکھاتی ہین، انسان کی عقل کو اپنے کمال پر فخر ہے، لیکن جب یہ فخر و وقار غیر عقلی اور مادی فوائد کی اہمیت مین دب جاتا ہی تو ایک عقلی انسان کیلئے سخت ذلت کا باعث ہی لیکن ٹیگور لکھتے ہین کہ ہماری تعلیم ہی اس ذلت کو برداشت کراتی ہے، علم کا احساس ہمارے دلون سے انھون نے اڑادیا، پانچ فیصدی طلبہ بھی ایسے نہ ملینگے جنھین اپنے مضامین سے وہی تعلق ہو جو علم کو انسان کے دل سے ہوتا ہے۔ زندہ دل تعلیمی مشینون نے مردہ کردیئے اس دعوے کی یہ دلیل ہے کہ زندہ دل کا کام علم پیدا کرنا ہی، دل ایک سمندر ہی علم کا۔ اور تعلیم کا کام اس علم کو باہر نکالنا ہی جس قدر دل تعلیم باہر سے حاصل کرتا ہے۔ اس سے کہین زیادہ وہ اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے، دنیا کی بڑی بڑی تصانیف پڑھی نہ گئی تھین بلکہ لکھی گئی تھین۔ اہل دل نے انھین لکھا تھا، اب دیکھنا یہ ہی کہ ہندوستان نے اس سے کچھ زیادہ دیا کہ جس قدر اس نے ان یونیورسٹیون سے حاصل کیا تھا؟ زیادہ کیا معنی، وہ اتنا بھی نہ دے سکا کہ جتنا اس نے لیا تھا۔ یہ قلب کی ایک مردہ صورت ہی۔ وہ تعلیم جو پیدائش علم کا باعث نہو تعلیم نہین،

صیغۂ تعلیم نے علم کا منبع مغرب کو قرار دیا، اور تمدن نے مغرب کی تقلید سکھائی معیار صداقت خوبی و حقیقت نہ رہی بلکہ تہذیب مغربی یورپ کی تہذیب کا مرکز سرزمین ہندوستان سے بہت دور ہی، اور ہندوستانیون

کی زندگی یورپ کی تہذیب سے کوئی تعلق نہین رکھتی۔ یورپین تہذیب کبھی ہندوستانی تہذیب نہین ہوسکتی لیکن موجودہ زمانہ مین اسکی اُمید کیجاتی ہے۔ اور یہ ناممکن ہے۔ ٹیگور کہتے ہین کہ اگر ہم یورپ کو اپنی روشنی کا سرچشمہ قرار دین تو یہ کسی ستارہ کے طلوع پر جو کسی دور دراز کے آسمان کا سورج ہو صبح کی امید کرنا ہے۔ وہ ستارہ ہمین کچھ روشنی دے سکتا ہے روز روشن نہین، وہ ستارہ ہمین جان وزندگی، رنگ و صورت نہین دیسکتا، وہ ہمارے اپنے ہی آفتاب کا کام ہے۔ یورپ کی تہذیب اپنے زمانۂ طفولیت سے گذر کر بلوغ تک پہنچی ہے۔ وہ قدرتی ارتقائے ملکی کا نتیجہ ہے، وہ ان کی روح ہے، وہ ان کی زندگی مین ساری ہے، وہ انھین سے مخصوص ہے۔ لیکن یورپ کی تہذیب کا درخت اکھاڑ کر ہندوستان کی آب وہوا مین لگانا حماقت ہے۔

اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ٹیگور مغربی علوم، سائنس اور نئے فنون کی ضرورت اہل مشرق کے لئے محسوس نہین کرتے، نہین ایسا نہین ہے، وہ تو کہتے ہین کہ ہمارے اپنے علوم وفنون کی جلا کیلئے مغربی سائنس کی ضرورت ہے لیکن وہ اس مصنوعی نظام تعلیم کے سخت مخالف ہین، کہ جس کا مقصد ہمارے قلب قومی کے ظرف کو غیر ملکی تعلیم کے مواد سے بھر دینا ہے ٹیگور مغربی علوم کے حامی ہین (اور اس بات مین مہاتماجی کے مخالف) وہ انھین حقیقت کا دوسرا رخ سمجھتے ہین لیکن وہ کہتے ہین کہ مغربی علوم ہماری غذا ہونے چاہئین نہ کہ گردن کا بوجھ۔ یونیورسٹی مین مضامین کی زیادتی ان کے نزدیک بیل کی پیٹھ کے بوجھ مین اضافہ ہے، جو اُسے بازار مین لیجاتا ہے، نہ اس کی آسانی وسہولیت کی وجہ،

ان تمام خرابیون کو دیکھتے ہوئے جنکا مین نے مختصراً تذکرہ کیا، ہندوستان مین مختلف شخصون نے مختلف مقامات پر درسگاہین جاری کین۔ ڈاکٹر ٹیگور کا شانتی نکیتان (دارالامن) ان تمام درسگاہون مین ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ میرا مقصد اسی شانتی نکیتان یونیورسٹی کے مقصد اور نصب العین کو پیش کرنا تھا لیکن موجودہ یونیورسٹیون کے نقائص پر نظر ڈالنا اس لئے ضروری ہوا کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔



منتخبات

اجنتہ کی تصویر

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی ناظم آثار قدیمہ، سرکار عالی، حیدرآباد دکن

ذیل کا مضمون، دکن کے مشہور سنگی اثر قدیم اجنتہ کی ! تصویرون کے متعلق، موسیو اکیسل یارل (Axel Jarl) کے ناقدانہ خیالات کا ترجمہ ہے موسیو یارل کا شمار بالغ نظر و لندیزی مصورین مین ہے، اور مشہور عالم تصاویر اجنتہ کے متعلق ان کی رائے بحیثیت ماہر فن خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔

غارہاے اجنتہ کی قلمی تصاویر سے ہندوستان کے اعلیٰ درجہ کے فن تصویر کا حال منکشف ہوتا ہی اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا حقیقی فن تصویر کس معراج کمال پر پہنچ گیا تھا ہندوستانی مصورین ان کے مطالعہ سے ہدایت و بصیرت بھی حاصل کر سکتے ہین۔

یہ تصاویر مختلف الازمنہ اور مختلف النوع ہونے کے علاوہ صنائع و بدائع فن کے لحاظ سے مختلف مدارج مین تقسیم کیجا سکتی ہین لیکن اس مختصر مضمون مین صرف ان مرقعون کی کیفیت پر اکتفا کیا گیا ہی جو بہترین کہلانے کے مستحق اور ذرہ درست حالت مین ہین (خصوصاً تصاویر غارہاے نمبر او ۲ و ۱۶ و ۱۷) اور غارون مین تصاویر کی حالت نہایت ردی ہے۔

ان تصاویر مین رنگ گہرا اور صاف استعمال کیا گیا ہی اور بہیئت مجموعی رنگ مین اسی وضع کے قرون وسطی کے مصری سرادیب۔ پامپیائی کے مکانات، اور اطالوی کلیساؤن، کی تصاویر سے زیادہ شوخی پائی جاتی ہی۔ یہ بھی بعید نہین ہی کہ اجنتہ کی سنگی دیوارون پر مرور ایام نے اپنے قدرتی رنگ کا غازہ چڑہادیا ہو جو پندرہ سو سال قبل، آغاز تعمیر کے وقت موجود نہ تھا۔

مجامع اور تنہا تماثیل کے مرقعون مین رنگوں کی بوقلمونی کا مطالعہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ اس زمانہ کے مصوّر رنگون کی آمیزش اور اس سے تصویر مین حسن پیدا کرنے کے فن مین یدطولیٰ رکھتے تھے

ان تصاویر کی ہیئت اجتماعیہ نہایت پسندیدہ ہی اور ان مین بڑی خصوصیت یہ ہی کہ اشکال وصُوَر کا قد وقامت گردوپیش کی وسعت وگنجائش سے پوری طرح ہم آہنگ ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماہران فن تصویر کو یہ منظور تھا کہ ان مرقعون مین بڑی سے بڑی تصویرین اتارین۔ ہر تصویر زبان حال سے اس قدر صاف لفظون مین اپنی داستان سنا رہی ہے کہ اس کو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہی الخ تماشائی کی توجہ خود بخود ان تماثیل کی طرف منعطف ہوجاتی ہے۔ جو تصویرین نہتم بالشان ہین، ان کو عام تماثیل کی چپقلش سے ممیز کرنے مین مصوّر نے اپنا کمال دکھایا ہے۔

انسان، حیوان، یا نباتات کی فوق العادۃ تصویرون ہین خط وخال، اور اشکال واوضاع کا اونچ نیچ، یا گہراؤ اور اُبھار، رنگ کو ہلکا یا گہرا کرکے دکھایا گیا ہی۔ لیکن عمارات یا زمین کی تصویرین ان خصوصیات سے معرّا ہین مثلاً دیوارین بغیر سایہ کے دکھائی ہین اور سطح زمین ہموار رکھی گئی ہے چٹانین اور مکانات، دروازے اور برآمدے، اگرچہ معیّن اور یکسان طرز کے ہین باوجود اس کے ایک ہی دیوار پر مختلف تصویرون کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے مین کوئی دقت نہین ہوتی۔ بلکہ ان چیزون کے وجود سے تصویر کا ماحول زیادہ خوشنما ہوجاتا ہی، اور اشکال وصور

کی ہنگامہ آرائی مین نظر کو راحت و آرام میسر ہوتا ہے۔

شبیہ کے خط و خال نہایت واضح، اور تناسب اعضا فطرت کے عین مطابق ہے اور تصویر کا اتار چڑھاؤ بھی بالکل صحیح ہی جس سے مجموعی طور پر اس مین نہایت درجہ دلکشی پیدا ہوگئی ہی۔ حالانکہ ساری تصویر مین ایک ہی رنگ کا استعمال کیا گیا ہی اور صرف حاشیہ پر رنگ کسی قدر گہرا دیا گیا ہے۔

اگرچہ روشنی اور سایہ کا لحاظ مدنظر نہین رکھا گیا ہی با این ہمہ سادے اور اُبھرے ہوئے اشکال نمایان ہین اور سطح لازمی طور پر محفوظ رکھی گئی ہے۔

«بدھی ستی وا» (Boddhisattva) کی شبیہ مین (جو غار نمبر ۱ مین قد آدم سے بھی بڑی ہے) یہ خصوصیت اپنے معراج کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے اور میکائیل انجیلو (Michael angelo) کی تصاویر سے یہ مشابہت تام رکھتی ہی حتی کہ بدھا کے اس سر کی ایک اچھی تصویر، کاپی لا سکسٹینا (Capella Sixtina) کی کسی تصویر کے پہلو بہ پہلو رکھدیجاے اور صورتون کے اختلاف پر نظر نہ ڈالی جائے تو بادی النظر مین یہی قیاس ہوگا کہ دونون تصویرین ایک ہی اُستاد کے رشحات قلم کا نمونہ ہین۔

مصورین اجنتہ تصویر مین حسن تاثیر پیدا کرنے کے لئے زیورات کا استعمال بھی بکثرت کیا کرتے تھے کڑے، کنٹھے، کنگن، آویزے، نقاب، ہار، گجرے وغیرہ، گردن انگلیون اور سینہ پر اسقدر صفائی سے پہنائے گئے ہین کہ تصویر کا حسن دو بالا ہوگیا ہے۔

لباس کی تہون، شکنون اور گوشون کی حالت دکھلانے مین باوجود سادگی کے بڑی اُستادی صرف کیگئی ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان استادون کو جسمانی حالت (موڑ توڑ) کا کیسا صحیح علم حاصل تھا۔

چلتی پھرتی (متحرک) تصویرون مین زیورات بھی متحرک معلوم ہوتے ہین اور سریع السیر تصاویر

مین ملتے ہوئے گوشوارون سے تیز روی ظاہر ہوتی ہے ۔

قد آدم تصاویر کا طرز نہایت مکمل اور اعلیٰ ہی اور ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ جسم انسانی کے مالہٗ وماعلیہ کا انھین کس قدر صحیح علم تھا۔ کرختگی، تناسب اور تشابہ کے نمایان کرنے مین بھی اونھین کامیابی ہوئی ہی۔ کئی تصویرین ایسی بھی ہین کہ سر سے پیر تک اکثر اجسام انسانی کے محور مین تغیر واقع ہو گیا ہی مگر فطری سج دھج مین کوئی فرق نہ آنے پایا ہی۔ علیٰ ہذا حرکات و سکنات کے انتخاب مین بھی پوری آزادی سے کام لیا گیا ہی یعنی بعض خلاف قیاس تصویرون مین بھی زندگی اور واقعیت کی جھلک نمایان ہے۔

ایک گروہ (غار نمبر ۱ کے جلوخانہ مین) بے پرون کے مصروف پرواز ہے باوجود اس کے ان کا میدان پرواز اس قدر وسیع اور طرز رفتار تصنع سے اس قدر خالی ہی کہ یہ اسی نہج سے چلنے پھرنے کے عادی معلوم ہوتے ہین۔

جسم انسانی کے مختلف حالات و کیفیات کے اظہار مین ان مصورین کو جو درجہ اجتہاد حاصل تھا اس بنا پر کہا جا سکتا ہی کہ اجنتہ کو موجودہ تصاویر عالم پر وہ تفوق حاصل ہی جو آج سے ایک ہزار سال بعد کی تصویرون کو میسر آتا۔ یہ نہین معلوم ہوتا کہ تشریح اعضائے انسانی کے فن سے یہ مصور باخبر تھے باوجود اس کے چند مستثنیات کے سوائے کسی موقع پر اس فن کے اصول سے عدول بھی نہین کیا گیا ہی۔ اجنتہ کی تصاویر صرف ہنود کی قومی خصوصیات کی مختلف حالتون پر پوری طرح حاوی ہین، اور ان کی بدولت جسم انسانی کی زیبائش اور معنویت کے ایسے ایسے نکتے ظاہر ہوتے ہین کہ کسی دوسری جگہ ان کی نظیر ملنا محال ہے۔ "باٹی چیلی" (Botticelli) کی ورپراکماویرا (Primavera) اور اجنتہ کی بعض نسوانی تصاویر (غار نمبر ۲ کی داہنی طرف) آپس مین بھنین معلوم ہوتی ہین۔

اجنتہ کے ان صنائع وبدائع کا راز فطرت کے کامل مطالعہ مین مخفی ہے اور یہ نتیجہ صرف شخصی کوششون کا نہین ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روایات اور تجربہ کی اعلیٰ درس گاہ مین مدتون صبر و انہماک سے ریاضتین کرنے کے بعد فطرت کے راز ہائے سربستہ پر دسترس ہوا ہے۔ اس مقام پر ہم کو کمال فن اور کمال تجربہ دونون کی نظیرین ملتی ہین۔ یہان کی مکمل تصویر سے لیکر ایک چھوٹے سے چھوٹے موتی یا پھول مین بھی انتہائی غور و تعمق اور جانکدستی کا پتہ چلتا ہے۔ مجاز سے گذر کر حقیقی کیفیات کی بھی جھلک دکھائی گئی ہے اور اس کو مشرقی فن تصویر کا نصب العین اور نمایان رخ کہا جائے تو بجا ہے۔ اس لئے کہ اس ذریعہ سے وہ امر واقعی کو جامۂ اصلی مین پیش کرتا ہے مثلاً ناتجربہ کار ناظر کو آنکھ نہایت ہی بے ڈھنگی معلوم ہوگی مگر ارباب بصیرت کی نگاہین یہ دیکھکر محو استعجاب ہو جاتی ہین کہ انسانی آنکھ کی ماہیت پر اس زمانہ کے مصورون کو کس قدر وقوف حاصل تھا۔ آنکھ کی تصویر اس قدر خوبی سے بنائی گئی ہے کہ ان کا واک لکیرون سے ہر شخص یہ قیاس کرنے پر مجبور ہے کہ یہ انسانی آنکھ کے سوائے اور کسی چیز کو ظاہر نہین کرتی ہین۔

مغربی مصورین نے آج تک فنون لطیفہ مین جو کچھ ترقیان کی ہین وہ فطرت اور باقیات سلف کے بغور مطالعہ کا ثمرہ ہے اور مستند تذکرہ صدر واقعات سے اس امر کی بین شہادت ملتی ہے کہ ازمنۂ قدیمہ کے اہل ہنر بھی اسی اصول پر عمل پیرا رہے ہین۔ وہ ذاتی مشق و تجربہ سے اپنے دار العلم کی قدیم روایات کو بھی قائم رکھا کرتے تھے اور یہی دو اہم اجزا ہین جن کی پابندی سے خالص ہندوستانی فنون لطیفہ مین دور ارتقار کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ یورپ کو یہ مرتبہ یونانی علم الآثار کے مطالعہ کے بعد نصیب ہوا اور ہندوستان کی اس بام رفعت پر اسی وقت رسائی ہوسکتی ہے جب کہ وہ اجنتہ کے دبستان ہدایت مین جاکر سرمایۂ سعادت حاصل کرے

جو شخص خالص ہندوستانی فن تصویر کی خدمت کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ اجنتہ کے اساتذہ سے تلمذ اختیار کرکے انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے یعنی جسم، جسامت، اور حرکات کے اسرار مخفیہ کا علم حاصل کرنے کی خاطر اولاً کامل انہماک کے ساتھ مطالعہ فطرت مین مشغول رہنے

کی ضرورت ہی، اس کے بعد اجنتہ اگر گہرے اور متناسب الوان، اصلی اور کامل خط و خال، متشابہ اور دلاویز خطوط، المختصر اصلی ہندی طرز تصویر کا مذاق پیدا کیا جائے ہدایت و بصیرت کی اس بلند مرتبہ درگاہ مین کچھ زمانہ گذارنے کے بعد وہ تبدریج "مقدس آگ" کے کسی نہ کسی شعلہ کو پا سکیگا۔ حتی کہ اُس کا دل و دماغ وہان کی اثراندازیون سے متاثر و محفوظ ہونا شروع ہوگا اور وہ صاف و واضح خطوط کھینچنے پر قادر ہو جائیگا۔ انہی تاثیرات کا نتیجہ ہی کہ بدھ زمانہ کی ان بے نظیر صناعیون کے مطالعہ سے زائرین کے ملکہ شاعری کو ہیجان ہوتا ہے اور وہ بے اختیار ان کی مدح و ثنا مین تر زبان ہو جاتی ہین

تلخیص و تنقید

فرقہ اہل حق

ایک پارسی فاضل جی، کے، نریمان نے عنوان بالا سے بمبئی کرانیکل مین ایک طویل مضمون لکھا ہی تمہیدی مطالب کے بعد کہتے ہین:-

ایران اور اس کے نواح مین ایک نہایت دلچسپ قوم "اہل حق" کے نام سے آباد ہی مصنفین اسلام مین صاحب دبستان مذاہب، ابن حزم، اور شہرستانی نے انکا ذکر کیا ہی مصنفین یورپ مین سے بہتون نے انکا مطالعہ کیا ہے جن مین راللنسن، گوبینو، اور زوکودوسکی قابل ذکر ہین۔ لیکن اتبک کسی نے براہ راست انکی کتب مقدسہ کا کافی مطالعہ نہین کیا تھا۔ البتہ حال مین ایک روسی فاضل نے، جو اپنے بہت سے ہموطنون کی طرح جلاوطن ہوکر فرانس مین پناہ گزین ہی، ان کے عقائد پر فرنچ زبان مین ایک مبسوط و محققانہ کتاب شائع کی ہی، اس فاضل کا نام منورسکی ہے، اور اس سے پیشتر وہ ایران و متعلقات ایران پر متعدد تصانیف شائع کر چکا ہے۔

فاضل موصوف کی تحقیقات کی مدد سے ہم کو اس فرقہ کے عقائد ذیل کا علم ہوا ہی:- پانچ انبیاء اعظم ہوئے ہین، اور حضرت محمد اس سلسلہ کے خاتم ہین، وہ انسان کے شفیع ہین، حکمت بالغہ اور عدل خداوند تعالی کے ساتھ مخصوص ہین؛ اول و آخر کلام الہی وہ ہے، جو بذریعہ وحی حضرت علی پر نازل ہوا تھا؛ ارکان خمسہ اسلام (ایمان، نماز، روزہ، زکوۃ، حج) فرض عین نہین ہین؛ مسیح کی وفات نہین ہوئی ہے، ان کی روح ان کے جسم سے الگ ایک شے ہی، حضرت مسیح اور حضرت علیؑ دراصل ایک ہی ذات ہین، تقیہ روا ہے،

یعنی جاہلون کے سامنے اپنے عقائد کو مخفی رکھنا چاہئے، البتہ حاکم وقت یا علماء کے سامنے انکا اظہار کرنا چاہئے؛ حضرت علیؑ مظہر ذات باری ہین؛ جہاد کے معنی ظاہری قتال کے نہین، بلکہ جذبات نفس کے ہلاک کرنے کے ہین،

یہ عقائد کا سرسری خاکہ تھا۔ اعمال یہ ہین، کہ مرد اور عورت کے حقوق بالکل مساوی ہین؛ پردہ کرنا لازمی نہین؛ روزہ رکھنا فرض نہین، تاہم عشرہ مین بالعموم روزہ رکھتے ہین۔ یہ لوگ اپنے تئین علوی کہلاتے ہین، علوی بمعنی علی پرست۔ انکی کوئی مخصوص آسمانی کتاب نہین، البتہ حضرت علیؑ کے بیسیون قلمی نوشتہ ان کے پاس ہین جنہین مخفی رکھتے ہین۔ فرقۂ نُصیری اسی علویہ کی ایک شاخ ہے۔ عرب و مصر مین اس مذہب کا کوئی ماننے والا نہین۔ ایران و عراق مین البتہ انکی آبادی بیس اور تیس لاکھ کے درمیان ہوگی۔ اور شمالی حلب مین کوئی پچاس ہزار کی تعداد آباد ہے۔ انکی کچھ آبادیان دیار بکر، سالونیکا، وغیرہ مین بھی ہین۔

ان کے پانچ انبیاء عظام حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت مسیح، و حضرت محمد (علیہم السلام) ہین۔ انکی مذہبی تعلیم کا سلسلہ سینہ بسینہ باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہی۔ جنت و دوزخ کی مادی شکل کے یہ قائل نہین۔ ایک حد تک تناسخ کے قائل ہین۔ روح کی زندگی موت کے ساتھ ختم نہین ہوتی، بلکہ اسکا سلسلہ مختلف صورتون مین برابر قائم رہتا ہی۔

جمعیت انسداد جنگ

پروفیسر برٹرنڈ رسل انگلستان کے ایک نامور فلسفی و اہل قلم ہین، اور فلسفۂ امن کے زبردست مبلغ۔ چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کے درمیان مین اپنے اسی فلسفۂ صلح و آشتی کی تبلیغ کے جرم مین قید کی سزا بھی بھگت چکے ہین۔ انکا ایک تازہ مضمون "انسداد جنگ" پر شائع ہوا ہی، اس کے اقتباسات ذیل ندر ناظرین ہین:

ہر فہمیدہ شخص، خواہ کسی سیاسی مسلک کا ہو خیالات ذیل سے ضرور اتفاق کریگا:۔

(۱) آئندہ لڑائیاں اس پچھلی جنگ سے کہین زائد ہولناک ہونگی خصوصاً ملک کی عام رعایا کے لئے،

(۲) جب تک لڑائیون کا سلسلہ قائم ہے، ہر جدید جنگ اپنی پیشرو سے بڑھ چڑھ کر ہوگی، تا آنکہ لوگون مین اتنی تعلیم ہی نہ باقی رہ جائے، کہ جدید آلات تیار کرسکین۔

(۳) اس مقصد کے حصول کے دو ہی ذریعے ہین۔ یا یہ کہ جنگ کا سدباب کردیا جائے، یا یہ کہ تمدن، اور اس کے ساتھ اس سائنٹفک تعلیم کو جس نے انسان کشی کو اس بڑے پیمانہ پر ممکن کردیا ہے، فنا کردیا جائے "

ایک مختصر بحث کے بعد پھر آگے چلکر وہ کہتے ہین:۔

"جو لوگ اس کے دل سے قائل ہین، کہ جنگ کا سدباب کرنا موجودہ مسائل تمدن مین سب سے اہم ہے، انھین پورے استحکام کے ساتھ اعلان کردینا چاہئے، کہ انجام جو کچھ بھی ہو، وہ عہد کرچکے ہین کہ آئندہ جنگ مین کوئی حصّہ نہ لینگے۔

یہان یہ دعوٰی نہین کیا جاتا، کہ ہر جنگ لازماً مضر ہی ہوتی ہے، البتہ یہ دعوٰی ہے، کہ

(۱) عموماً جنگ کا نتیجہ مضر ہوتا ہے؛

(۲) آغاز جنگ ہوتے ہی جذبات غالب ہوجاتے ہین، اور عقل یہ فیصلہ کرنے سے عاجز رہجاتی ہے، کہ موجودہ جنگ مضر ہے یا نہین۔

(۳) کوئی نہین کہہ سکتا، کہ فلان جنگ جو جاری ہے، بالآخر مضر ثابت ہوگی یا نہین۔

(۴) ایسی صورت مین بہتر یہی ہے، کہ ہر قسم کی جنگ سے محترز رہنے کا عہد کرلیا جائے، اور خبط جنگ سے دور رہا جائے۔

معمولی فرد رعایا جب اپنے کسی ہمجنس کو قتل کر ڈالتا ہے، اور حکومت جب فوج کشی کرکے قتل و خون ریزی پر آمادہ ہوجاتی ہے، تو دونون صورتین اصولاً بالکل ایک ہوتی ہین، ایسے افراد میرے علم مین ہین،

جنگ کا فنا ہو جانا دنیا کے حق مین بہتر ہوگا۔ لیکن یہ ہرگز جائز نہین ہو سکتا، کہ جس شخص کا مرجانا ہم مناسب سمجھین اُسے قتل کرتے پھرین، بالکل یہی صورت حکومتون کی ہی جب وہ فوج کشی کا اعلان کرین جنگ کا خبط جہان ایک مرتبہ پھیلا بس پھر پھیلتا ہی چلا جاتا ہی، اور اس کا روکنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے تاوقتیکہ زمانۂ امن مین انسان اپنے تئین اس کے لئے مضبوطی سے تیار نہ کر رکھے۔ اس لئے سب سے مقدم ضرورت یہ ہی کہ جو جو اشخاص جنگ کا خاتمہ چاہتے ہین، سب ملکر آئین ایک جمعیت قائم کرین۔

یہ بالکل ضرور نہین کہ اس جمعیت کے تمام ارکان اپنے خیال کے اسباب و دلائل پر بھی متفق ہون۔ اختلاف رائے ہونا تو ضروری ہی۔ کوئی کسی دلیل کی بنا پر جنگ کا مخالف ہوگا، اور کوئی کسی بنا پر۔ تنظیم جمعیت کے لئے سب کا نتیجہ پر متحد ہونا کافی ہے، اس جمعیت کا ہر رکن اپنے اوپر یہ لازم کرلے، کہ اسباب جنگ پر پورا غور کرتا رہے، اور جس حد تک بھی اسکی بساط و امکان مین ہو، ان کے دفعیہ کی کوشش کرتا رہے۔ عموماً محرکات جنگ یہ تین ہوتے ہین:۔

(۱) نفرت و عداوت،

(۲) رشک و حسد،

(۳) حرص و طمع،

ہر شخص اپنا کچھ نہ کچھ حلقۂ اثر ضرور رکھتا ہی، چاہئے، کہ اس مین ہر سہ اسباب بالا کے دور کرنے کی پوری اہتمام سے سعی کرتا رہے۔

مضمون کا خاتمہ اس عبارت پر ہوتا ہے:۔

"انسان نے سائنس کی مدد سے قوائے فطرت کو مسخر کرلیا ہی، اور اب وہ ان قوتون سے ایک دوسرے کے قتل و ہلاکت کا کام لے رہا ہے۔ واقعہ یہ ہی کہ جس طرح نکاح کا قاعدہ قوائے شہوانی کی تہذیب و اصلاح کے لئے پڑگیا ہی، اسی طرح حکومتون کا مقصد اب یہی رہ گیا ہی، کہ انسان کشی کے

جذبات کو ترقی دیتا رہے، چنانچہ ہماری قومی آمدنی کا پورا ⅓ حصہ سامان جنگ و متعلقات پر صرف ہوتا ہے، مگر یہ یاد رہے، کہ جو قوم اپنا وقت سائنٹفک خون ریزیوں مین صرف کرتی ہی، وہ دنیا مین چند روزہ مہمان ہی۔"

مدارس مین نقاشی اور موسیقی کی تعلیم

اس عنوان سے کریم طاہرزاد بہزادہ ایرانی نے برلن کے فارسی رسالہ ایران شہر (صفر ۱۳۴۱ھ) مین ایک مختصر مضمون لکھا ہی، بہزاد نے اس مین مشرقی مدارس کو نقاشی اور موسیقی کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا ہے، اور اسی ضمن مین لکھا ہی کہ یورپ کے مدرسون مین ان دونون فنون کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے قوائے احساس مین صرف دو قوتین سب سے زیادہ ہمہ گیر اور کثیر الاستعمال ہین یعنی دیکھنا اور سننا، باصرہ اور سامعہ، اس لئے جس شخص مین یہ دونون قوتین جس قدر زیادہ ہونگی، وہ اسی قدر زیادہ لطیف الاحساس، نازک خیال، اور تیز و ہوشمند ہوگا، نقاشی بچون کے باصرہ کو اور موسیقی سامعہ کو ترقی دیتی ہے، اور بصارت اور سماعت مین لطافت، نزاکت اور تیزی پیدا کرتی ہے بے زبان بچہ کی ترجمان شوق صرف یہی دو قوتین ہوتی ہین، بچہ کا ہنسنا اور رونا اُس کی موسیقی ہی، اور نگاہون کو گردش دینا اور ادہر ادہر جلدی جلدی دیکھنا اس کی نقاشی ہی، ان دونون قوتون سے اس کے تمام اندرونی راز لوگون پر ظاہر ہوتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونون فنون بچون کے فطری احساسات کے نتائج ہین، اور اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم مین ان کے سب سے ابتدائی ذریعہ ترجمانی کو اگر کام مین لایا جائے، اور ترقی دی جائے تو بہت کچھ کامیابی ہوسکتی ہے۔ یورپ کے مدارس مین نقاشی اور موسیقی کے لازمی ہونے کا یہ منشا نہین کہ ہر طالب علم نقاش اور ماہر موسیقی ضرور ہو، بلکہ یہ مطلب ہی کہ باصرہ اور سامعہ کے احساس مین نزاکت اور لطافت ضرور ہو۔ بچون کو اکثر دیکھا جاتا ہی کہ وہ مٹی، لکڑی، کاغذ کسی نہ کسی چیز سے کچھ نہ کچھ بناتے اور کرتے رہتے ہین، اور وہ اکثر کھیل کود مین کچھ نہ کچھ سریلی یا بے سری آواز نکالتے رہتے ہین، اس سے بھی ان کی فطرت کا راز آشکارا ہوتا ہی اور اس لئے یہ ابتدائی طریقہ تعلیم کے بہترین ذرائع ہین۔

اخبار علمیہ

حکومت فرانس نے سو برس سے زائد ہوئے پیرس مین ایک مسجد کی تعمیر کا وعدہ کیا تھا، ایک صدی گذر جانے کے بعد اب یہ وعدہ خدا خدا کرکے پورا ہوا، اور فرنچ گورنمنٹ نے بالآخر ایک مسجد اور مسلم انسٹیٹیوٹ کی تعمیر کا انتظام کر دیا۔ زمین فرنچ گورنمنٹ نے بلا قیمت دیدی ہی، اور زر نقد سے بھی اعانت کی ہی، یکم مارچ کو سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب مین مسیو کولرٹ انڈر سکریٹری گورنمنٹ اور دیگر حکام نے حکومت کی جانب سے نیابۃً شرکت کی، خوش قسمتی سے تمام مسلمانان عالم کے نمائندے بھی اس موقع پر موجود تھے، مثلاً سفیر ترکی سفیر افغانستان، سفیر مصر، معززین ہند، و ٹیونس، و الجزائر، وغیرہ، سلطان مراقش نے اپنا ایک مخصوص نائب اس غرض کیلئے بھیجا تھا، مسجد سے متعلق ایک حمام، ایک دار الاقامہ، اور ایک کتبخانہ بھی ہوگا، فرنچ حکام نے اس موقع پر جو تقریرین کین، ان مین فرانس اور مسلمانون کے اتحاد پر خاص طور پر زور دیا، اور یہ کہا کہ "حکومت فرانس اس امر واقعہ کو کسی حالت مین فراموش نہین کر سکتی، کہ اس کی دس کرور رعایا مین پورے چار کرور کی تعداد مسلمانون کی ہی، مسیو کولرٹ نے کہا کہ ان اسلامی تعمیرات کا مقصد یہ ہی کہ آئندہ جو مسلمان فرانس مین قدم رکھین، انھین کسی طرح کی اجنبیت نہ محسوس ہو، بلکہ وہ اسے بھی اپنے وطن ہی کی سرزمین تصور کرین"۔

انڈین سائنس کانگرس کا دسوان سالانہ اجلاس، زیر اہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، ۸ جنوری سے ۱۳ جنوری ۱۹۲۳ء تک، بہ مقام لکھنؤ منعقد ہونا قرار پایا ہی۔ سر ہارکورٹ بٹلر، گورنر صوبہ متحدہ اس اجلاس کے سرپرست ہونگے، اور انھین کے ہاتھون اس کا افتتاح ہوگا۔ کانگرس کی صدارت نے بندرا جل

سر ماویہ وسویسوریہ کا انتخاب ہوا ہے، اور مختلف شعبون کے صدر صاحب ذیل ہونگے:-

(۱) شعبۂ	زراعت،	ڈاکٹر کنجن پلے،		(مدراس)
(۲) شعبۂ	طبعیات،	ڈاکٹر اس، کے، بنرجی		(کلابہ، بمبئی)
(۳) شعبۂ	کیمیائیات،	ڈاکٹر بلیڈرم،		(احمد آباد گجرات)
(۴) شعبۂ	نباتیات،	مسٹر ہاورڈ،		(پوسہ)
(۵) شعبۂ	ارضیات،	ڈاکٹر بسیکو،		(کلکتہ)
(۶) شعبۂ	حیوانیات،	پروفیسر مہتائی،		(لاہور)
(۷) شعبۂ	تحقیقات طبیہ،	ڈاکٹر اسیر اسن،		(لکھنؤ)
(۸) شعبۂ	انسانیات،	ڈاکٹر مودی،		(بمبئی)

اجلاس کی باضابطہ نشستون کے علاوہ کانگرس کی جانب سے متعدد پبلک لکچر بھی ہونگے، نیز ممتاز ماہرینِ فن مختلف صورتون مین اپنے سائنٹفک مشاغل مین پبلک کو شرکت کا موقع دینگے، کانگرس کے مستقل جنرل سکرٹری، ڈاکٹر سی، وی، رامان (دفتر کانگرس، نمبر ۲۱۰ بو بازار اسٹریٹ، کلکتہ) ہین، اور موجودہ اجلاس کے مقامی سکرٹری پروفیسر سیکھن اور پروفیسر ولی محمد (لکھنؤ یونیورسٹی) ہین۔

پیئرسنس میگزین مین ایک مضمون شائع ہوا ہے جن مین ان تدابیر ہلاکت اور ان آلات قتل وسفاکی کی کسی قدر تفصیل بیان کی گئی ہے جن کو خاتمۂ جنگ کے زمانہ مین، مختلف مہذب ممالک کے صاحبانِ دماغ اختراع کر رہے تھے۔ یہ مضمون امیر البحر سر پرسی اسکاٹ کے ایک تمہیدی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ آئندہ جنگ، کیمیا دانون کی جنگ ہوگی، اور زمین یا سطح سمندر پر نہ ہوگی، بلکہ کرۂ ہوائی بھی اور پھر سمندر کی گہرائیون کے اندر ہوگی۔ جو قوم جنگ ہوائی مین زیادہ پر قوت ہوگی، فتح اسی کے

ہاتھ رہیگی - اس لئے کہ ایسی تدبیرین ایجاد ہو چکی ہین جن سے آئندہ جنگ کی صورت مین سطح زمین پر رہنا، بسنا قطعاً ناممکن ہو جائیگا - اس لئے مقابلہ جو کچھ بھی ہوگا، وہ فضائے بالا مین ہوگا، چند مثالین ملاحظہ ہون -

---

ایک فرنچ طالب علم نے بارش روغن آتشین کا طریقہ ایجاد کیا ہی - ایک ہوائی ہوا مین چھوڑی جائیگی جس کے ساتھ ایک فتیلہ اور تیل کا ایک ذخیرہ ہوگا، جونہی فتیلہ ہوائی تک پہنچیگا تیل مین آگ لگ جائیگی؛ اور اس کی بارش زمین پر شروع ہو جائیگی جس سے ایک پوری رجمنٹ چند منٹ مین جل کر تودہ خاکستر رہجائیگی - اس حربہ سے پناہ صرف زمین دوز سرنگون مین مل سکتی ہی، ایک توپ ایجاد ہوئی ہی جس کا توڑ ایک سو پچیس میل کا ہی، اس کی نال مین گولون کا ایک انبار بہ سا ہوا رہتا ہی - اور ہر گولہ کے سر ہونے کے ساتھ دوسرا گولہ بھی از خود سر ہوتا رہتا ہی - ابھی اس کا توڑ سوا سو میل کا ہی، لیکن آیندہ اور بہت کچھ بڑھ سکتا ہی - اس قسم کی بیس توپون مین اگر زہریلی گیس والے گولہ بھر دئے جائین تو سیکڑون میل کے فاصلہ سے لندن، پیرس، و برلن کا ۴ گھنٹہ کے اندر بالکل خاتمہ کیا جا سکتا ہی -

---

بالٹیمور (امریکہ) مین ایک کارخانہ ہی، جہان زہریلی گیس کی تیاری کیلئے ۵ لاکھ سیر کی مقدار مین زہر ہر وقت فراہم رہتا ہی - برطانیہ مین متعدد کیمیاوی کارخانہ ہین جو روزانہ ۵۰۰ من کی مقدار مین زہریلی گیس تیار کر سکتے ہین، اسی طرح کے کارخانہ جرمنی، و فرانس مین بھی ہین، نئی زہریلی گیس جو تیار ہوئی ہی، وہ یہ تاثیر رکھتی ہی کہ اس کا ایک قطرہ بھی اگر انسانی تنفس مین آجائے، تو انسان معطل ہو جائیگا طیارون کے ذریعہ سے یہ گیس جس قطعہ زمین پر بھی چھوڑ دی جائیگی - وہان انسانی آبادی ناممکن ہو جائیگی - برطانیہ نے ایک برقی توپ ایجاد کی ہی، جو بجائے گولون کے برقی شرارے فیر کرتی ہی، اور جس کا اثر یہ ہوگا، کہ بغیر کسی قسم کی آواز و شور کے بجلی کی طرح چشم زدن مین پوری پلٹن کی پلٹن نذر اجل

ہو جائیگی۔ اسی طرح کے بیسیون دیگر ہولناک و حیرت انگیز آلات ہلاکت یورپ کے ہر ملک مین ایجاد ہو چکے ہین۔

جرنل آف مڈیکل اسوسی ایشن (امریکہ) کو ملک سلابیریا سے ایک مراسلہ نگار اطلاع دیتا ہے، کہ ملک ہنگری مین ایک شخص کی حال مین "نمائش" ہوئی ہے، جو اپنے قد و قامت و جسامت کے لحاظ سے صحیح معنی مین دیو ہیکل ہے، اس کا نام کیزن لوف ہے، عمر ۲۴ سال کی ہے، اور قد کی درازی ½۹ فٹ کی!! اسی کے تلناسب اعضا، کی جسامت اور جسم کی فربہی، کاسہ سر کا دورہ ۲۵ انچ اور سینہ کا ۵۶ انچ ہے، پنجہ سے کہنی تک ہاتھ کی لمبائی ½۱ فٹ ہے، اور قدم کی ½۱ فٹ! وزن ۵ من ۲۹ سیر ہے! غذا روزانہ اتنی ہوتی ہے، جتنی چار اچھے ہٹے کٹے اور برخور شخصون کی ہو سکتی ہے، یعنی دن بھر مین یہ شخص ۱۵۔۲۰ انڈے نوش جان کرتا ہے، ڈیڑھ دو سیر گوشت، چار پانچ سیر دودھ، پانچ چھ ڈبل روٹیان کئی سیر ترکاریان کئی سیر شراب، وغیرہ باوجود اس تن و توش کے یہ دیوزاد کام کاج کرنے مین بڑا ہی کاہل ہے۔ دن کا بیشتر حصہ سونے مین صرف کرتا ہے، یہانتک کہ چوبیس چوبیس گھنٹہ مسلسل بھی سوتا ہے، اور جاگنے کی حالت مین بھی اکثر اونگھتا رہتا ہے۔

لودین یونیورسٹی، جسے آغاز جنگ مین جرمنون نے غارت و برباد کر دیا تھا، اب از سر نو اپنے کتبخانہ کو درست و آراستہ کر رہی ہے۔ بربادی سے قبل اس مین پانچ لاکھ کتابین تھین، سب جل کر خاکستر ہو گئی تھین، اب رفتہ رفتہ ۶۱۰۰۰ کتابین پھر اس مین فراہم ہو گئی ہین۔

ڈیلی نیوز (لندن) مین ایک مراسلہ نگار لکھتا ہے، کہ برازیل (جنوبی امریکہ) کے بعض دور افتادہ علاقے اب تک وحشی قبائل کے مسکن ہین جن تک تہذیب و تمدن کی جھلک بھی نہین پہنچی ہے۔ چنانچہ ایک پادری مسٹر فریڈرک گلاس، جو حال مین اس ملک کی سیاحت کر کے واپس آئے ہین، وہ ان لوگون کے چشمدید

حالات بیان کرتے ہین، ان کے مسکن تک پہنچنا آسان کام نہین، پہلے مسلسل چار دن تک ریل پر سفر کرنا ہوتا ہی، پھر تین ہفتہ تک گھوڑون پر لدی لدی پھرنا پڑتا ہی، اور پھر کئی ہفتہ دریائی سفر مین جو ڈونگی کشتی پر کیا جاتا ہی، صرف کرنے ہوتے ہین۔ جب کہین جاکر ان کے وطن تک رسائی ہوتی ہی، یہ لوگ قدیم دور توحش یعنی ابتدائی دور انسانیت کی نہایت دلچسپ یادگار ہین، لباس کے مفہوم سے بالکل ناآشنا ہین، مرد و زن سب سرتاپا برہنہ رہتے ہین۔ شرم و حیا نام کو بھی نہین۔ فرائض جنسی حیوانات کی طرح علانیہ ادا کرتے ہین۔ لوہے سے کام لینا نہین جانتے، ظروف صرف پتھر اور لکڑی کے رکھتے ہین۔ اور بیحد ضعیف الاعتقاد ہین، ان کی زبان کل چھ سو الفاظ پر محدود ہی۔

مشہور کارخانۂ موٹر سازی کے مالک مسٹر ہنری فورڈ امریکی کی دولت کے اعداد جو حال مین شائع ہوئے ہین۔ ان سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ دنیا کا دولت مند ترین شخص ہی۔ اس کے پاس نقد خزانہ ۲۶ ملین پونڈ (۰۰۰، ۰۰۰، ۴۰، ۵۰ روپیہ) کا رہتا ہی اور اس کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک لاکھ پونڈ (۱۵ لاکھ روپیہ) ہی۔

(ڈیلی میل)

ملک اسپین مین مردون اور عورتون کی ایک تعلیم یافتہ و متمدن جماعت ایسی پیدا ہوئی ہی جس نے تمدن و لوازم تمدن کو ترک کر کے بالکل مطابق فطرت طرز معاشرت اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا ہی، چنانچہ کوئی چالیس مردون اور بارہ عورتون (جن مین بعض نہایت حسین و نازک اندام لڑکیان بھی شامل ہین) کی ایک ٹکڑی سکونت شہر کو ترک کر کے مونکلوا کے جنگل مین چلی گئی ہی۔ یہان ایک قطعہ مین مرد رہتے ہین، اور دوسرے قطعہ مین جو کسی قدر پردہ دار ہی، عورتین، مرد و عورت سب بالکل برہنہ رہتے ہین۔ شام کے وقت مرد و عورت سب ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہین، اس وقت حصۂ زیر ناف کو کپڑے سے چھپا لیا جاتا ہی۔ ان کی غذا جنگل کے پھل پھلاری اور روٹیان ہین۔ باقی خوان تمدن کی تمام لذیذ غذائین انھون نے

ترک کردی ہین۔ قدرتی چشمہ اور آبشار اُن کے غسلخانون اور حمامون کا کام دیتے ہین، کھانا پکانے کا رواج اُنھون نے اپنے ہان سے اٹھا دیا ہی، کچی غذا پر گذر کرتے ہین، اپنی جائے سکونت ان لوگون نے بہت عرصہ تک راز رکھی، لیکن ایک منچلے اخبار نویس نے بالآخران کا سراغ لگا ہی لیا، اوران کی عریان تصویرین میڈرڈ (دارالحکومتہ اسپین) کے ایک پرچہ مین شائع کین۔

(ڈیلی اکسپرس)

فرانس مین ایفل ٹاور ایک مشہور منارہ ہی جس کی بلندی ایک ہزار فٹ ہی، اور جو عرصہ سے بطور ایک لاسلکی اسٹیشن کے کام دے رہا ہی۔ اس سے حال مین ایک عظیم الشان آلہ مقیاس الموسم کا کام لیا جائیگا، شبانہ روز مین تین مرتبہ یہ سب کو تغیرات موسم سے مطلع کیا کریگا۔ اطلاع کی صورت یہ ہوگی، کہ گھنٹہ بجنا شروع ہو جایا کریگا، اگر کوئی تغیر ہونیوالا نہ ہوا، تو گھنٹہ نہ بجیگا۔ بارش ہونیوالی ہوئی، تو تین بار بجیگا، یا پالا پڑنے والا ہوا، تو چھ بار، اور اگر ژالہ باری ہونیوالی ہوئی، تو بارہ مرتبہ۔ ان تغیرات کی اطلاع آٹھ آٹھ گھنٹہ قبل سے ہو جایا کریگی اور گھنٹون کی آواز تین سو میل سے زائد فاصلہ تک پہنچا کریگی۔

یوریا (امریکہ) کے ایک کاریگر نے تین سال کی مسلسل محنت کے بعد حال مین ایک بڑی گھڑی (کلاک) تیار کی ہی جس کے تمام آلات اور پرزہ لکڑی کے ہین۔ لوہے کا نشان تک نہین۔ یہ گھڑی صرف وقت ہی نہین بتاتی، بلکہ دن، تاریخ، تغیرات موسم وغیرہ بھی بتاتی ہی۔

آخری اعداد کے بموجب امریکہ مین صرف انجینیری کے چار ہزار کارخانہ کام کر رہے ہین، جو ہر سال ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۲ ڈالر کی مالیت کا سامان تیار کرتے رہتے ہین، اس مقدار کا ۷ فی صد حصہ بیرون ملک مین فروخت ہوتا ہی، باقی ۹۳ فی صدی کی کھپت خاص امریکہ ہی مین ہو جاتی ہی، ان چار ہزار کارخانون مین ملازمین کی تعداد تقریباً چار لاکھ ہے،

ادبیات

نغمۂ تہنیت

بہ تقریب فتح سمرنا

از

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل بی اے ال ال بی (علیگ)

چھپی ہے برق خاطف نعرۂ انّا فتحنا مین
عجب کیا پڑ گئی ہلچل جو یونانی کلیسا مین

وہی ہین ہم کہ جب اُٹھی علم توحید کا لیکر
یکایک زلزلہ سا آ گیا ایوان کسریٰ مین

نہ کیون فوجِ عدو پر آج ہو افسردگی طاری
کہ نصرت خود ہی شامل ہے جیش نور الدین پاشا مین

بجا ہے آج اگر مسلم منائین جشن نوروزی،
کہ پھر تازہ بہار آئی ہے گلزار تمنا مین

زمانے نے ورق الٹا ہے پھر تاریخ ماضی کا
وہ پہونچا پرچم اسلام پھر ارض سمرنا مین،

ادہر ترکان غازی فاتحانہ بڑھتے جاتے ہین
ادہر اک ہلچل سی مچ رہی ہے فوج اعدا مین

دلون مین اس طرح بیتاب جوش شادمانی ہے
کہ جیسے موج صہبائے کہن مضطر ہو مینا مین

تبسم اس طرح اٹکھیلیان کرتے ہین ہونٹون پر
صبا جس طرح محوِ رقص ہو دامان صحرا مین

نوید فتح اسلامی نشاط انگیز ہے کتنی
نہ کیفیت یہ نغمے مین نہ مستی ایسی صہبا مین

پڑا ہے شاید اس پر پرچم اقبال کا سایہ
بلا کی سربلندی آ گئی ہے سرو رعنا مین

صبا نے وہ تگ و دو کی ہے اعلان مسرت مین
کہ ٹپکا ہے پسینہ جابجا شبنم کی صورت مین

دمِ شمشیر پہلا زینہ ہے معراجِ ایمان کا　　یہ ایما مسلمون سے ہی ہلال عید قربان کا

بھلا ہم خفتگانِ خوابِ راحت چونکتے کیونکر　　زمانہ گر نہ دیتا اک کچوکا نوکِ پیکان کا

وجودِ قوم اب تک مبتلائے صرعِ غفلت تھا　　سونگھانا تھا اسے اک لخلخہ خونِ شہیدان کا

بپا ہی چار سو عالم مین اک ہنگامۂ محشر　　یہ ادنیٰ سا کرشمہ ہی کسی کی چشمِ فتان کا

وہان بازیگرِ مغرب ہی مشغولِ فسونسازی　　یہان لبریز ہی پیمانۂ صبر اہلِ ایمان کا

کبھی رامشگرِ یونان کی بزمِ رقص برپا ہی　　کبھی خونین تماشا ہو رہا ہی جنگ بلقان کا

سلامت رہ سکا کوئی نہ دستِ جورِ قاتل سے　　جگر مذبح ہی حسرت کا تو دل مقتل ہی ایمان کا

حیاتِ تازہ دی ہم کو کسی کے جورِ پیہم نے　　کہان تک شکر کیجیے ان نوازش ہائی پنہان کا

مصائب نے اب آنکھین کھول دین اپنی تو یہ سمجھے　　کہ زندان تھا دبستانِ سیاست ماہِ کنعان کا

بقائے جاودان ملتی ہی جانبازانِ ملت کو　　ہمین اب یاد آیا یہ سبق تعلیمِ قرآن کا

حیاتِ سرمدی چاہی تو اس ہستی کو باطل کر

کہ دانہ باور ہوتا ہی پہلے خاک مین مل کر

مصیبت پر مسلمان شکوہ سنجِ آسمان کیون ہو　　نہ ہو یہ آنچ تو کھوٹے کھرے کا امتحان کیون ہو

حوادث ہی سے ہی آبادی کاشانۂ ہستی　　یہ ہنگامے نہون تو رونقِ بزمِ جہان کیون ہو

چٹانین کفر و باطل کی اگر اس سے نہ ٹکرائین　　تو طوفان خیز یون اسلام کا سیلِ روان کیون ہو

مصیبت خاص طغرائے شرف ہے اہلِ ایمان کا　　نہ کھائے ضرب اگر سکہ تو عالم مین روان کیون ہو

نہال طورِ سینا ہی یہان ہر خس نشیمن کا　　جلا دے جس کو بجلی وہ ہمارا آشیان کیون ہو

دلِ ویرانہ خود توحید کا اک کنزِ مخفی ہے　　ہمین پھر آرزوئے گنجہائے شایگان کیون ہو

لہو کی چند بوندین جو نہ دے سکتا ہو ملت کو　　وہ بزدل آرزومندِ حیاتِ جاودان کیون ہو

شب یلدائے غم تمہید ہے صبح مسرت کی — نہ اٹھ سکتا ہو غم جس سے وہ آخر شادماں کیوں ہے
ازل سے ناوک قاتل امانت اہل دل کی ہے — قضا کا گلہ کیوں ہو حوادث پر فغاں کیوں ہے
سبق آموز ہیں ناکامیاں پیکار ہستی کی — نہ ہو ناکام جو اول وہ آخر کامراں کیوں ہے
خدائے دو جہاں کی مہربانی ہم کو کافی ہے — کوئی پروردۂ تثلیث ہم پر مہرباں کیوں ہے

کوئی جا کر یہ کہدے صبح فرخندہ آئین سے
ہجوم آرزو بہتر ہے عقل مصلحت بین سے

اگر دنیا میں زندہ ہیں تو دنیا کو دکھا دینگے — کہ یا خود مٹ مٹینگے یا حریفوں کو مٹا دینگے
رگ جاں مدتوں سے تشنۂ ذوق شہادت ہے — ہم اس کی پیاس آب تیغ عریاں سے بجھا دینگے
زمانہ سے ہمیں خواہش نہیں ہے شور تحسین کی — ہماری داد جانبازی شہید کربلا دینگے
رہیگی تابکے پژمردگی گلزار ملت پر — ہمارے خون کے چھینٹے اسے نشو و نما دینگے
بلا سے خشک لب جائینگے اس دنیائے فانی سے — ہماری تشنگی کا ساقی کوثر صلا دینگے
کفن سادہ پہننا ننگ ہے رنگین مزاجوں کو — ہم اپنے داغہائے خون سے گل بوٹے بنا دینگے
جہاں میں دین بیضا شمع ہے نور الٰہی کی — یہ جھونکے باد مغرب کے اسے کیونکر بجھا دینگے
رہیگا سایہ زن فیض نبوت فرق غازی پر — جناب مصطفٰی داد کمال مصطفٰی دینگے
الٹ دینگے مرقع پھر بساط کفر و باطل کا — فروغ ملت بیضا سے محفل جگمگا دینگے
تقاضا ہے یہی بیتابی دست شجاعت کا — عروس فتح کے چہرہ سے اب پردہ اٹھا دینگے

مٹے ہر چند ہم پھر بھی سلف کی شان باقی ہے
رگوں میں اب بھی خون طغرل و عثمان باقی ہے

مسلمانوں پہ واجب آج شکر لایزالی ہے — کہ جس نے قالب افسردہ میں پھر جان ڈالی ہے

تعالی شانہ یہ سطوت افواج اسلامی | اٹھین جس سمت انکھین اُس طرف میدان خالی ہے
مصائب ہو چکے اب دور ہی جشن مسرت کا | جو وہ شان جلالی تھی تو یہ رنگ جمالی ہے
الٰہی نصرت حق مصطفےٰ غازی کی حامی ہو | کہ اُس نے حسرت دیرینۂ ملت کی نکالی ہے
خدا اس ناخدائے ملت بیضا کا یاور ہو | کہ اس نے دین حق کی ڈوبتی کشتی بچالی ہے
تری رحمت رہے یا رب حصار عافیت انکی | کہ ذات پاک اس کی اک مثال بیمثالی ہے
نگاہین کیون نہ خیرہ ہون بھلا افواج باطل کی | الٰہی یہ کوئی بجلی ہے یا تیغ ہلالی ہے

کوئی آزاد شوکت سے یہ کہدے جا کے زندان مین
کہ پھر شاہنشہ گل مسند آرا ہے گلستان مین

معتزلہ کی تفسیر

اسلام کے فرقۂ معتزلہ نے عقل ونقل اور فلسفۂ شریعت کی تطبیق مین جو بڑی بڑی تفسیرین لکھی تھین، افسوس کہ وہ سب دنیا سے ناپید ہین، ان مین بہترین تفسیر ابو مسلم اصفہانی کی تھی۔ یہ کتاب بھی اب ناپید ہے۔ مگر اس کا جتنا حصہ فرقۂ اہل سنت کے نزدیک قابل قبول تھا، امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر مین اس کو درج کردیا تھا۔ مولوی سعید صاحب انصاری نے دار المصنفین کی طرف سے نہایت محنت وجانفشانی کے ساتھ تفسیر کبیر سے، تفسیر اصفہانی کے وہ تمام حصے یکجا کئے ہین، اور وہ خوبصورت ٹائپ مین چھپکر شائع ہوئے ہین، مصر، لندن، اور فرانس مین اس کتاب نے وقعت حاصل کی ہے،
قیمت عہ

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

تاسی کا تذکرہ شعرائے اردو

از

قاضی عبدالودود صاحب عظیم آبادی بی اے

قاضی صاحب نے اپنے ایک کرم نامہ مین، تاسی کے مقدمۂ تذکرہ پر جو معارف مین شائع ہو چکا ہے تنقید کی ہے، جس سے اُن کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے چونکہ اس سے تاسی کے بعض اغلاط کی تصحیح ہوتی ہے اس لئے معارف مین شائع کرنا مناسب ہے،

تاسی سے مجھے بہت حسن ظن تھا لیکن اس کے مقدمہ کے اقتباسات نے اس مین کچھ نہ کچھ کمی ضرور کر دی ہی بسر و آزاد ہی کے متعلق اس کی معلومات ناقص نہین ہین، بلکہ اکثر تذکرون کے متعلق اس کا بیان ناقابل اعتبار ہی۔ سرسری طور پر مجھے جو غلطیان نظر آئی ہین، عرض کرتا ہون:-

(۱) ذکا، شاہ نصیر کے شاگرد تھے، جو میر کلن نہین، کلو کہلاتے تھے۔ اس تذکرہ کا پتہ ہندوستان مین نہین چلتا ممکن ہی یورپ مین موجود ہو۔

(۲) چمن بے نظیر یا مجمع اشعار، تذکرے نہین، محض مجموعۂ غزلیات ہین، اور جامع کی تحقیق کا یہ حال ہی کہ اکثر ایک کا کلام دوسرے شاعر کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۹) گلستان مسرت کو اردو شاعری سے کوئی تعلق نہین، یہ فارسی اشعار کا ضخیم مجموعہ ہی۔ عبدالرحمان خان شاکر نے اپنے اُستاد ناصر علی نصیر کی مدد سے ۱۲۶۱ھ مین مختلف عنوانات قائم کرکے، اشعار جمع کئے اور مطبع مصطفائی کانپور مین چھپوایا تاسی کو اردو شعرا کے تذکرے کی ترتیب مین اس سے

کیونکہ مددملی، مین سمجھنے سے قاصر ہون۔

(۱۱) گلستان سخن کے متعلق دہلی کے معتبر اصحاب مثل مولوی سید احمد صاحب فرہنگ آصفیہ اور مولوی فیض اللہ کا بیان ہی کہ یہ دراصل صہبائی کی تالیف ہی،

(۱۲) گلستان بیخزان گلشن بیخار کا ترجمہ نہین، مگر دونون مؤلف چونکہ ہمعصر ہین، مضامین ملتے جلتے ہین یہ کتاب بجائے ترجمہ ہونیکے "گلشن" کے جواب مین لکھی گئی ہی شیفتہ نے نظیر اکبر آبادی کو جو باطن کے اُستاد تھے مستند اساتذۂ اُردو مین نہین شمار کیا تھا، اوران کے کلام کو سوقیانہ قرار دیا تھا۔ باطن کو یہ امر ناگوار گذرا، انھون نے چن چن کران لوگون کی مذمت کی جن کی شیفتہ نے تعریف کی تھی یعنی غالب، مونس، وحشت آزردہ وغیرہم۔

(۲۰۰) کسی تذکرے مین مجھے سید ابوالقاسم قاسم دہلوی کا نام نہ ملا۔ دہلی کے مشہور شاعر حکیم قدرت اللہ قاسم نے البتہ ایک تذکرہ لکھا تھا،

(۲۱۹) سرو آزاد کے متعلق جو بے سروپا باتین تاسی نے لکھدی ہین، آپنے خود اس پر نوٹ دیا ہی، مین نے بعض تذکرون مین غلام علی آزاد بلگرامی کا اردو کلام دیکھا ہی ان کا انتقال ۱۲۰۰ھ مین ہوا ہی، یہ میر و سودا قائم حسن وغیرہم کے معاصر تھے، ممکن ہی کہ اُردو مین بھی طبع آزمائی کی ہو، کلام کا نمونہ یہ ہے، ؎

"کیا دھوان دھار اس مسی سی اسکی ہی تحریر لب
دل جلون کا ہی یہ دودِ آہِ دامن گیر شب"

اس کی تحقیق فرمائین کہ واقعی یہ کلام آزاد بلگرامی کا ہی یا اسی تخلص کے کسی دوسرے شخص کا،

(۳۰۰) صحف ابراہیم و گلزار ابراہیم میری رائے مین ایک ہی تذکرے کے دو نام ہین۔ اس کے مصنف نواب عزیز الملک امین الدولہ علی ابراہیم خان عظیم آبادی تھے جو مختلف معزز عہدون پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے مین مقرر ہوئے تھے۔ ان کا تخلص خلیل ہی، لطف کا تذکرہ گلشن ہند اسی سے ماخوذ ہی۔ مولوی عبدالحق نے گلشن ہند کے مقدمے مین ان کا تخلص علی بتایا ہی۔ اور گلزار ابراہیم کو اردو تذکرہ اور صحف ابراہیم کو

فارسی شعراء کا تذکرہ قرار دیا ہی۔ لیکن تذکرون مین ان کا اردو فارسی کلام موجود ہی، ایک ایک شعر مقطع کا ملاحظہ ہو ؎

لہو رونے سے میرے تر ہوا جیب و کنار آخر | خلیل انکھون کے آگے ہوگیا گلزار پہلو مین

جس تذکرے سے یہ شعر ماخوذ ہی اس مین اردو تذکرہ کا نام صحف ابراہیم بھی درج ہی۔ فارسی شعر ایک قلمی بیاض سے ماخوذ ہی جو ۱۲۱۲ھ کی لکھی ہوئی ہی، اس مین بھی تخلص خلیل درج ہی، ؎

رفتی ز جہان خلیل و ہیہات | امید دل تو بر نیامد
نمی آید صدائے از خلیل ایا چہ پیش آمد | مگر جان داد امشب نالہ ان ناتوان کم شد

واضح رہے کہ بیاض اس زمانے کی لکھی ہوئی ہی جب کہ نواب موصوف زندہ تھے۔

(۴۴) واجد علی شاہ کی طرف بھی تالیف تذکرہ کا انتسا تحقیق طلب ہی۔ منشی امیر علی خان مرحوم نے وزیر نامہ مین ان کی تصانیف کی جو فہرست دی ہی اس مین تذکرۃ الشعراء کا نام نہین۔

(۴۵) عاشق کے ہمعصر تذکرہ نویسون نے ان کے تذکرے کا ذکر نہین کیا،

(۴۶) تذکرۂ عشق از رحمت اللہ عشقی:۔ مجھے شبہہ ہی کہ اس کے متعلق بھی تاسی نے غلطی کی ہی آغا حسین قلی خان عشقی عظیم آبادی کا ایک تذکرہ فارسی زبان مین فارسی گو شعراء کے حالات مین دو ضخیم جلدون مین موجود ہی، اور میری نظر سے گذرا ہی۔ اس مین اکثر ایسے شعرا کا بھی ذکر آگیا ہی جو اردو فارسی دونون زبانون مین غزلسرائی کرتے تھے مثلاً فغان، حسرت، امین وغیرہ۔ فغان کے متعلق تو بعض دلچسپ لطائف اس مین ایسے مندرج ہین جو صاحب آب حیات کو نہین ملے، اگر تاسی نے گلستان مسرت سے جو محض مجموعۂ اشعار فارسی ہے، اور ٹھیک طور پر اشعار کے مصنفین کا نام بھی بتاتا، استفادہ کیا، تو اس تذکرے سے بدرجہا زائد فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس شبہہ کو مزید تقویت تاسی کے اس بیان سے ہوتی ہی۔ کہ غلام حسین شورش کا تذکرہ اس سے بہت ملتا جلتا ہی، شورش عشقی کے ہمعصر تھے

اور سم وطن ۔ ممکن ہے کہ عشقی کے تذکرے سے انھون نے بہت کچھ لیا ہو۔ شورش کا تذکرہ میری نظر سے نہین گذرا۔ اس لئے مین یقین کے ساتھ نہین کہہ سکتا،

(۱۰) سودا کا تذکرہ ہی بھی یا نہین ۔ مجھے اس کے وجود کے متعلق شکوک ہین ۔ آزاد نے ضرور اس کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی تحقیق زیادہ قابل اعتبار نہین، لطف کے تذکرے مین تذکرۂ سودا کا ذکر نہین ۔ اگر مصحفی اور میر حسن کے تذکرون مین تذکرۂ سودا کا ذکر ہو، تو البتہ یہ بات باور کرنے کی ہے ۔

(۱۱) ذوق نے بھی غالباً کوئی تذکرہ نہین لکھا ۔ ورنہ مولوی محمد حسین ضرور ذکر کرتے ۔ ان کو تو ذوق کی دستار فخر کے لئے ایک اور طرہ میسر آتا،

(۱۴) یہان پر مترجم نے غلطی کی ہے ۔ یہ تذکرہ سعادت خان نصیر لکھنوی کا نہین، بلکہ سعادت خان ناصر متوطن نگینہ مقیم لکھنؤ شاگرد مذنب، لکھنوی کا ہے ۔

مین یہ اعتراف کرنے کے لئے تیار ہون کہ انمین سے بعض غلطیان نہایت معمولی قسم کی ہین لیکن میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس امر مین مجھسے اتفاق فرمائینگے کہ ایک فرانسیسی مستشرق سے اس سے زیادہ احتیاط کی توقع تھی ۔ نہ جانے اصل کتاب کا کیا حال ہے ۔ اگر یہی انداز ہے تو کچھ بہت زیادہ قابل وثوق نہین ۔

مصحفی، قائم، اور میر حسن کے تذکرے ابھی تک پرانے کتبخانون مین اور ارباب ذوق کے پاس موجود ہین ۔ لیکن اگر جلد یہ طبع نہ کئے گئے تو تھوڑے دنون مین معدوم ہو جائینگے ۔ مین نے عرصہ ہوا اپنے ایک مضمون مین جو ایک اردو رسالہ مین چھپا تھا، انجمن ترقی اردو کو توجہ دلائی تھی کہ وہ ان کتابون کو حشو و زوائد سے علحدہ کرکے چھپوا دے ۔ اور قدیم اساتذۂ اردو مثل جعفر علی حسرت مصحفی ۔ میر محمد سوز ۔ جرأت ۔ قائم ۔ احسان ۔ معروف ۔ مجنون ۔ آبرو ۔ وغیرہم کے کلام کی طرف بھی اعتنا کرے لیکن اب تک انجمن ادہر توجہ نہ کرسکی دار المصنفین اپنے ذمے اس سے اہم امور لے رکھے ہین ۔ اور ترقی اردو اس کے ضمنی مقاصد مین شامل ہے، ورنہ مین آپ سے درخواست کرتا کہ ان مصنفین کو حیات تازہ بخشئے، اور ان مستند اساتذہ کے نام کو نہ مٹنے دیجئے ۔

مطبوعات جدیدہ

حیوۃ العلماء قصبہ سہوان، واقع روہیلکھنڈ ہندوستان کی ان مردم خیز بستیون مین ہے، جہان دور مین بڑے بڑے علماء، مشائخ، شعراء اور دیگر اکابر علم و فن پیدا ہوتے رہے ہین، تاریخی حیثیت سے بھی یہ قصبہ خاص اہمیت رکھتا ہے، سلاطین خلجیہ کے یادگاری کتبے اب تک یہان موجود ہین، علماء اور مساداتِ عظام کی آمد یہان شاہان لودھی کے زمانہ سے ہوئی، سب سے پہلے خواجہ سید محمد اسمٰعیل یہان تشریف لائے، اور اس وقت سے آخر زمانہ تک یہ خطہ علم و فن کا مرکز رہا، ضرورت تھی کہ اس مردم خیز قصبہ کی ایک تاریخ اور یہان کے علماء و مشائخ کے سوانح کسی مجموعۂ اوراق مین ترتیب دئے جاتے، جناب مولوی سید محمد عبدالباقی سہوانی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہین کہ موصوف نے اس پیرانہ سالی میں جوان مردانہ علمی خدمت انجام دی، اور ۵۰۰ صفحات کی کتاب مین ڈیڑھ سو بزرگون اور عزیزون کے نام زندہ کئے جن مین اس قصبہ کے ہر صنف کے علماء، شعراء، مشائخ، اولیاء، اطباء، اور متعدد خواتین کے سوانح جمع کئے ہین۔ گذشتہ بزرگون کے ساتھ موجودہ عزیزون کے حالات بھی آخر کتاب مین تبرکاً لکھے ہین، کتاب نہایت مفید، دلچسپ، پُر معلومات، اور قابل مطالعہ ہے، طرز تحریر مین ذرا قدامت کا اثر ہے مگر وہ تو مقتضائے سن ہے، ابتدا مین قصبۂ مذکور کے تاریخی حالات بھی لکھے ہین، لکھائی چھپائی متوسط، قیمت عہ، پتہ مولوی سید عبدالباقی صاحب، لال باغ، بھوپال ہوس لکھنؤ

بھارت سبھا، ہندوستان کے دور جدید کے مشاہیر و اکابر جو کسی قوم و ملت مین گذرے ہون، یا جو اس عہد مین موجود ہین، اور ملک مین سیاسی، علمی، تعلیمی، مذہبی، اور ملکی خدمات انجام دے رہے ہین، شیخ نذر محمد صاحب انور بی اے سیالکوٹی نے بھارت سبھا مین انکے مختصر حالات و سوانح یکجا کئے ہین اور ان کو متعدد جلدون مین شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، بالفعل اس سلسلہ کی پہلی جلد شائع ہوئی ہے،

حقیقت مین یہ سلسلہ نہایت مفید ہی، اور آگے چل کر جب یہ زمانہ حال، ماضی بن جائیگا تو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ لعل و گوہر کے ہم پلّہ ہوگا، مؤلف کو اس کی اس علمی خدمت پر جس قدر مبارکباد دی جائے وہ کم ہی، اس پیش نظر جلد مین ہندوستان کے ہر صوبہ کے ہر مذہب کے، اور ہر قوم کے اکابر کے دلچسپ واقعات و سوانح و خدمات فراہم ہین، چونکہ یہ سلسلہ نہایت اہم ہی اس لئے ہم جناب مؤلف کو حسب ذیل امور کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہین،

مؤلف نے لوگون کے حالات کے لکھنے مین کوئی خاص ترتیب پیش نظر نہین رکھی ہی، حالانکہ یا تو اُن مین زمانہ کی ترتیب رکھنی چاہئے تھی یا اصناف خدمات پر اُن کو مرتب کرنا چاہئے تھا، مثلاً علمی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی اکابر کو علحدہ علحدہ ابواب مین منقسم کرنا چاہئے تھا، کتاب کے آخر یا اوّل مین فہرست ضروری تھی، چونکہ یہ باقی رہنے والی چیز ہی، اس لئے اس کی لکھائی چھپائی اور کاغذ کا اہتمام کرنا چاہئے تھا، با این ہمہ ہم مؤلف کو اُن کی اس اہم خدمت پر مبارکباد دیتے ہین، بھارت سبھا کے بجائے اگر اس کا نام بھارت سپوت ہوتا تو بہتر ہوتا،

صفحات ۲۶۴، قیمت ہے، پتہ: نسیم بک ایجنسی، بشیر منزل، ترکمان دروازہ دہلی،

شاعری کی تیسری کتاب، خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی، اردو زبان کے قدیم خدمت گذارون مین ہین، خواجہ صاحب ہمیشہ کچھ نہ کچھ زبان کی خدمت مین مصروف رہتے ہین، اس رسالہ مین مؤلف نے اردو زبان کے علم قوافی اور عیوب قافیہ کو لکھا ہی، ہر مسئلہ کو آسان اور سہل طریقہ سے لکھکر اردو اشعار سے اس کی مثال دی ہی، مبتدی شعراء کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہوگا، ضخامت ۸۴ صفحات، قیمت ۸، مؤلف سے، احاطہ خانساماں لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

انتخاب زرّین۔ سید راس مسعود صاحب کے تذکرۂ شعرائے اردو کا ذکر گذشتہ معارف مین ہوچکا ہے، غلطی سے اس کی قیمت اور ملنے کا پتہ اس مین لکھنے سے رہ گیا، قیمت عمار، پتہ ذو القرنین بدایون۔

دیوان حمید، مولٰنا کا فارسی دیوان مع تصویر ۱۲؍
خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمان
کا ترجمہ ۸؍

مولٰنا سید سلیمان ندوی،

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب
الایکہ قوم ایوب، نبو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر،
نبو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت و زبان
اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ ؏ ۱۲؍
لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری عہ
دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲؍
دوسری ریڈر طبع دوم ۴؍
رسالہ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل السنۃ والجماعت
کے اصولی عقائد کی تحقیق ۲؍
حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے
مالک پر تبصرہ ؏
خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد
تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور
سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے انکا ثبوت ۸؍
بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور
اخلاقی بہادری کے کارنامے ۴؍

مولٰنا عبد السلام ندوی

اُسوۂ صحابہ، صحابۂ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق اور
معاشرت کی صحیح تصویر اور قرن اول کے اسلام کا علمی
خاکہ، اسکا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، صفحات ۳۵۰
قیمت ؏

اُسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور
علمی کارنامون کی تفصیل، صفحات ۴۵۰ قیمت للعہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات
زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عا غیر مجلد عہ
مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی
مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ
اور سنجیدہ ترجمہ جسمین حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت
کا ابطال کیا ہے مجلد عا
مذہب وعقلیات، اس مین پرزور دلائل اور
مستند یورپین فلاسفر کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے
کہ مذہب وعقل مین تصادم کا امکان ہی نہین، ۶؍

مولوی عبد الماجد بی اے،

فلسفۂ اجتماع، جماعات انسانی کا علم النفس عہ
فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، عا
تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی مارل ہسٹری آف
یورپ کا ترجمہ جس مین فلسفۂ اخلاق پر ضمنی مباحث کے
علاوہ یورپ کے تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے
قیمت جلد اول ؏ جلد دوم عا
مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین
مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا
ہے، قیمت باختلاف کاغذ عہ و عہ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود اور
نادر الوجود کی عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی

سے امام رازی کی تفسیر کبیر کے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت عہ

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح عمریان اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے، قیمت عہ

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفہ جدید اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ عہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول عہ دوم ہے

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ ۱۰

مولوی محمد یونس فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جسمین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنمایون کے خصوصیات، اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین صفحہ ۲۳۲، عہ

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح عہ

تذکرۃ الحبیب، یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان عہ

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال،

انسان، علم خواص الاعضا کے ابتدائی مسائل سلیس عام فہم زبان مین، ۸

رموز فطرت، طبیعیات، طبقات ارض، ہیئت اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت مین عہ

منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال

بیگمات بھوپال، مصور و مجلد ے

گیارہ قصے، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی ۸

نعت پیمبر عربی، فارسی و اردو کی چند نعتیہ نظمون کا مجموعہ ۸

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

الاستدلال، اسمین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کیساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہین، صفحے ۲۰۱، ے

الانسان، اسمین انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی اور خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۲، قیمت عہ

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل و آسان کتاب ے

حکمت عملی یعنی اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب قیمت عہ

متفرق کتابین

یاد ایام، مولانا عبد الحی صاحب ناظم ندوۃ العلما نے اس کتاب مین گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے اور وہانکے امرا، وزرا، علما، و مشائخ کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی نہایت تاریخی تحقیق و تفصیل سے لکھے ہین عہ

سیاحت قسطنطنیہ، مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پروفیسر میکس مولر کے سفرنامہ قسطنطنیہ کا اردو مین ترجمہ کیا ہے عہ

بدیہہ گوئی، جناب ہوش بلگرامی نے اس کتاب مین عربی فارسی اور اردو کے شعرا اور ادیبون کی بدیہہ گوئی کے دلچسپ واقعات یکجا کئے ہین، قیمت عہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت پانچ روپیہ سالانہ مع محصول

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے شائع ہوا

مجلد دہم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء | عدد ششم

مضامین

شذرات

بے مہری دہر بین کہ در یک ہفتہ
گل سر زد، و غنچہ کرد، و بشگفت و بریخت

نہایت رنج و افسوس اور حسرت و اندوہ کے ساتھ ہم ناظرین کو یہ خبر سناتے ہین کہ ملک کی بزم دانش کا ایک نوجوان ممبر اُٹھ گیا، مولانا محمد یونس فرنگی محلی مرحوم نے پچھلے مہینہ لکھنؤ مین بمرض دق وفات پائی، مرحوم مولانا عبد الحی مرحوم فرنگی محلی کے نواسہ تھے، اور اپنے ذاتی علم و فضل مین اپنے ہمعصر نوجوانون مین ممتاز تھے، ۲۴-۲۵ برس سے زیادہ عمر نہ تھی، معقولات اور فلسفہ سے اون کو خاص دلچسپی تھی، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ اِنھین کی تحقیق اور کاوش مین بسر کیا، خود اپنے ذاتی شوق سے انگریزی اور فلسفۂ جدیدہ حاصل کیا، دار المصنفین اور معارف سے مرحوم کو خاص محبت تھی، کئی سال سے اون کی صحت مخدوش تھی، با این ہمہ وہ اپنے علمی انہماک سے باز نہین آتے تھے، گذشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی مین پروفیسر ہو کر گئے تھے، وہان مرض نے طول پکڑا۔ آخر وطن آکر اس شہید علم نے جان دی، مرحوم کی ایک کتاب روح الاجتماع دار المصنفین سے چھپکر شائع ہو چکی ہے، اور اپنی ایک اور دوسری تصنیف ابن رشد کا مسودہ وہ دار المصنفین مین بھیج چکے تھے جو عنقریب چھپکر شائع ہوگی، مرحوم کے دوستون کو اون کی ذات سے بڑی بڑی توقعات تھین، اور خیال تھا کہ اون کی کوششون سے فرنگی محل کی عقلی اور فلسفیانہ شان پھر دوبارہ زندہ ہوگی، افسوس کہ دستِ اجل نے امان ندی اِناللہ،

وائینا پایہ تخت آسٹریا جنگ سے پہلے علوم وفنون کا ایک مرکز تھا، لیکن جنگ یورپ نے جس طرح اوسکا شیرازہ بکھیر دیا، اوس کا پُر افسوس منظر یہ ہو کہ وائینا یونیورسٹی کا حال جو ۱۹۱۴ء سے مرمت طلب تھا اِس درجہ تباہ اور کمزور ہوگیا ہے کہ وہ اب مطلق کام کے لائق نہین رہا ہے تاہم آسٹریا کی عام مالی حالت اوسکی درستی کا سامان نہین کرسکتی، اسلئے یورپ کی اصطلاح مین وہ مردہ ہوگئی حقیقت ہو کہ اِس جدید تمدن نے تصنّع اور تکلف کی مسرفانہ نمایش کی جو عادت پیدا کردی ہے اوس کا نتیجہ یہ ہو کہ نفس مقصد سے زیادہ، حواشی اور متعلقات کی زیبایش اور دیکھاوے پر صرف کرنا پڑتا ہو، ایوان تعلیم کے اندر جو کچھ ہو، مگر اوس کے ظاہری در و دیوار کے نقش ونگار اور رنگ وروغن مین رعب وہیبت کا ظہور ضروری ہے، خدا جانے یہ طلسم باطل کب ٹوٹے گا،

جدید یورپین تمدن کے مداح اوس کے مناقب کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور اِس بات پر صرف کرتے ہین کہ اِس تمدن نے دنیا کے بڑے بڑے عجائب زار شہرون کو پیدا کیا ہے، جن کی تنہا آبادی دوسری قومون کے پورے ملک کی آبادی کے برابر ہے، لیکن شاید اونھین یہ نہین معلوم کہ اِن عظیم الشان شہرون کی آبادیان اوس وقت تک بیقیاس نہین ہوئی ہین، جب تک اون کے پاس کے ہزارون گاؤن برباد نہین ہوئے ہین، سید جمال الدین افغانی نے ایک دفعہ عروۃ الوثقی مین ہندوستان کے متعلق لکھا تھا کہ انگریز کہتے ہین کہ ہم نے ہندوستان آکر، یہان بمبئی، مدراس، کلکتہ جیسے شہر بنائے، لیکن یہ معلوم ہے کہ ہندوستان کو اپنی کتنی متاع گرانمایہ لٹاکر یہ چند مصنوعی شہر ہاتھ آئے ہین، پٹنہ، ڈھاکہ، مرشد آباد مٹاکر کلکتہ بنا ہے، سورت، کھنبایت، احمد آباد، بہروچ وغیرہ اُجڑ کر بمبئی تعمیر ہوا ہے، ارکاٹ اور کوچی وغیرہ نے مدراس اور وابل نے کراچی کی صورت اختیار کی ہو اسلئے صرف شہرون کی جگہین اور تجارت کی ہنڈیان بدل گئین اور حقیقت مین جہان ہندوستان پہلے تھا اس حیثیت سے وہین اب بھی ہو،

لیکن گذشتہ جنگ عظیم نے جہان یورپین تمدن کی بیسیون کمزوریون اور عیوب کو نمایان کردیا ہی، وہان اس خاص وصف آبادی کی کمزوری بھی برملا ظاہر ہورہی ہے، چنانچہ لندن جو دنیا کا سب سے بڑا آباد شہر ہے بیس سال سے اوس کی مردم شماری ہر سال کم ہورہی ہے، اور یہ امر اس واقعہ کا ثبوت ہی کہ اس شہر کا انتہائی کمال اپنے نقطۂ اوج پر پہنچکر اب گر رہا ہے،

احاطۂ بمبئی کے مسلمان مدت سے اس کوشش مین تھے کہ بمبئی یونیورسٹی مین اُردو کو بھی جگہ ملنی چاہیئے اس کوشش کا بڑا حصہ بمبئی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے انجام دیا، الحمدللہ کہ اوس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی، اب اسکولون اور کالجون مین اوس کو جگہ مل گئی ہے، خاص اردو اسکول الگ قائم ہوئے ہین، پونہ مین اُردو ٹریننگ اسکول چند سال سے قائم ہے، کالج کے اعلیٰ امتحانات ادب مین اردو بھی داخل ہوگئی ہی، اب اُردو ٹکسٹ بکس کمیٹی قائم ہوگیا ہے، جس کا مرکز پونہ ہے، اور ہمارے دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر (الفنسٹن کالج) اس کے صدر ہین، اس کے زیر اہتمام اُردو نصاب کی ۴۲ کتابین تیار ہو رہی ہین، اُردو کتابون پر انعام کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، کیا الہ آباد یونیورسٹی کے ارکان اور حکام، اس سے سبق لے سکتے ہین؟ حضرت مسیح کا قول کیسا سچا ہے، "نبی بے عزت نہین مگر اپنے وطن مین"

ابھی حال مین انگلستان مین پارلیمنٹ کے ممبرون کا جو انتخاب ہوا ہے، اوس سے بعض عجیب انکشافات ہوئے ہین، رائے دہندہ عورتون کی تعداد بے انتہا بڑھ گئی ہے، بلکہ بعض حلقون مین رائے دہندہ مردون سے رائے دہندہ عورتون کی تعداد زیادہ ہے، دوسرے عہدون کو چھوڑ کر صرف مجسٹریٹ انگلستان مین اس وقت ۲ ہزار عورتین ہین، اس کے صاف معنی یہ ہین کہ آئندہ اگر یہی ترقی جاری رہی تو انگلستان مین مردون کی حکومت کے بجائے عورتون کی حکومت قائم ہوجائیگی، پھر معلوم نہین "ہوم گورنمنٹ" (خانداری) پر آئندہ کس کی حکومت ہوگی؟

چنانچہ عورتون نے اپنی کثرت رائے سے اپنی اصلاحات اور حقوق طلبی کا خود سامان کرنا شروع کر دیا ہے، جنگ سے پہلے انگریز مرد ۳۰ برس کی عمر مین شادی کر لیتے تھے، مگر جنگ کے بعد کچھ تو کثرت مصارف، اور گرانی کے باعث، اور کچھ اخلاقی انحطاط کے باعث، اب اول تو ۳۵ سے پہلے شادی نہین کرتے، اس کے ماسوا عورتون کو اپنے منسوب شوہرون (؟) سے سالہا سال باقاعدہ نکاح کی امیدواری کرنی پڑتی ہے، اور اکثر یہ توقع مدت کی زحمت انتظار اور خوشگوار تجربون کے بعد شکست ہو جاتی ہے، ایسی حالتون مین عورتون کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہی، ڈیلی میل راوی ہو کہ امسال عورتون نے ممبرون کو رائے دیتے وقت اون ممبرون کو ترجیح دی جنھون نے یہ وعدہ کیا کہ انتخاب کے بعد پارلیمنٹ مین اس مدت انتظار اور زمانۂ تجربہ کو کم کرنے کا قانون منظور کرائینگے، لیکن سچ یہ ہے کہ شریعت کو چھوڑ کر کوئی قوم قانون سے نہین بن سکتی!

کلکتہ یونیورسٹی، ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون کی اصل اور بنیاد ہی، اسی کے تجربون سے ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیان اپنا اصول اور آئین بناتی ہین، ادھر چند سال سے یونیورسٹی مذکور کی مالی دقتون کا واقعہ، کوچہ و بازار کا افسانہ ہے، یونیورسٹی نے مجبور ہو کر گورنمنٹ سے امداد طلب کی، محکمۂ حسابات نے اصلاح کی یہ تجویز سوچی کہ آیندہ سے یونیورسٹی کے حساب کے کاغذات گورنمنٹ مین پیش ہوا کرین، یہ بات اس دریا دل لیکن خوددار یونیورسٹی کو پسند نہ آئی اور سُنا ہے کہ اوس نے ہمت کر کے گورنمنٹ کی امداد سے قطعاً کنارہ کشی کر لی ہی، اگر یہ خبر سچ ہے تو دوسرے صوبون کی یونیورسٹیون کے لیے اور خصوصاً قومی یونیورسٹیون کے لیے، کلکتہ یونیورسٹی کی یہ نظیر شاید سبق آموز ہو، اوس نے ثابت کر دیا ہے کہ یونیورسٹی کی حقیقت سلطنت کا تعلق نہین بلکہ تعلیم و تربیت کی عمدگی ہو حضرت درد کہتے ہین،

سلطنت پر نہین ہو کچھ موقوف — جس کے ہاتھ آئے جام وہ جم ہو

دیسی ریاستون مین تعلیمی ترقی کے لحاظ سے اب تک صرف بڑودہ کا نام لیا جاتا تھا، مگر اِدھر چند سال سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد نے جو تعلیمی ترقی کی رفتار ظاہر کی ہو اوس سے اندازہ ہوتا ہو کہ وہ بہت جلد اِس حیثیت سے بھی ہندوستانی ریاستون مین اپنی شایان شان جگہ حاصل کرلے گی، حیدرآباد کی سال گذشتہ (۱۳۲۹ف) کی جو تعلیمی رودادشائع ہوئی ہے اوس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اِس سال سرکار نظام نے اِس صیغہ پر ۴۱۰۳۶۰۴۳ روپے صرف کئے ہین، جو برطانی ہندوستان کے موازنہ سے کہین زیادہ ہے، اسی طرح مدارس اور طلبہ کی تعداد مین بھی کامیاب اضافہ ہوا ہو، چنانچہ سال زیر روداد مین ۳۴۰ نئے مدرسون اور تیس ہزار ۶ سو ۴۵ نئے طالب علمون کا اضافہ ہوا، ایک دارالمعلمین اور ایک دارالمعلمات نئے کھلے، ۳۴۲۷ مواضع مین سے جن کی آبادی ۵۰۰ اور ایک ہزار کے درمیان ہو، اور وہان مدارس قائم نہ تھے، سال زیر بیان مین اون مین سے ۲۴۸ موضعون مین مدرسے قائم کردیئے گئے، کُلیۂ جامعۂ عثمانیہ کے ابتدائی وسطی جماعت مین پہلے سال ۱۲۹ طالب العلم داخل ہوئے تھے، دوسرے سال ۱۰۲ طلبہ داخل ہوئے،

حیدرآباد کی اِن چند سالہ تعلیمی رفتار ترقی کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے بخوبی ہوگا،

	سنہ ۱۳۲۴ف	سنہ ۱۳۲۹ف
لڑکون کے مدارس،	۱۰۵۳	۳۳۰۱
لڑکیون کے مدارس،	۱۱۶	۶۸۵
زیرتعلیم لڑکے،	۷۵۰۰۰	۱۸۴۴۹۸
زیرتعلیم لڑکیان،	۷۵۰۰	۳۲۰۸۵
کُل مصارف تعلیم،	۲۰۲۵۰۰۰	۴۳۰۰۰۰۰

اُردو زبان کے مصنفین اور مترجمین کی ہمت افزائی کے لئے افسوس ہو کہ ہم کچھ نہ کرسکے یہانتک کہ کوئی ایسا ہمارا دارالاشاعہ بھی نہین جو مستند اور سنجیدہ کتابون کو بے معاوضہ ہی شائع کرنے کی ہمت کرے، پنجابی زبان خود پنجاب کی بھی علمی زبان نہین، تاہم سکھ اصحاب اوس کو ترقی دینے کی ہرممکن کوشش کر رہے ہین، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجابی لٹریچر کو ترقی دینے کے لئے سال کی بہترین پنجابی تصنیفات پر انعامات تقسیم کیے جائین،

آجکل "نیشنلسٹ" کے لئے اکثر ہماری زبان مین "قوم پرست" اور "وطن پرست" اور "نیشنلزم" کے لئے "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کے الفاظ بولے جاتے ہین، چونکہ مذہبی حیثیت سے "پرستن" کے معنی کو خیال کرکے اکثر یہ الفاظ محتاط اہل قلم کو کھٹکتے ہین، جدید ایرانی محاورہ مین ان کی جگہ "قوم خواہ" اور "وطن خواہ" "قوم خواہی" اور "وطن خواہی" "قوم خواہانہ" اور "وطن خواہانہ" استعمال ہوتا ہے، کیا یہ محاورے اُردو مین چل جائینگے؛

معارف کے گذشتہ نمبر مین دنیاے اسلام کے ذہنی انقلاب پر جو مضمون ہم نے شائع کیا تھا، اسلامی ممالک کے اخبارات کی ہر تازہ آمد اون خیالات کی مزید تصدیق کے شواہد ہم پہنچا رہی ہی، ٹائمز کا ۱۴ر دسمبر کا تار ہی کہ مشہور مصری عالم شیخ عبدالعزیز شاویش جو جنگ بلقان کے زمانہ سے اپنی مذہبی خدمات ٹرکی مین انجام دیتے رہے تھے، اور جو ۱۹۱۸ء کی ہنگامی صلح کے بعد جرمنی مین جا کر پناہ گزین ہوگئے تھے، اب وہ مجلس ملیہ کی طلب پر انگورہ آگئے ہین، اور وہان حکومت کے اشارہ اور اعانت سے تبلیغ اسلام اور ضروریات زمانہ کے مطابق مذہبی احکام و مسائل کی تشریح اور احکام و فتاویٰ کی تدوین کے فرائض انجام دینے کے لئے ایک انجمن کے قیام کا سامان کر رہے ہین، جس کی شاخین تمام ممالک اسلامیہ مین ہونگی، ہندوستان مین شیخ موصوف کو لوگ مدینہ یونیورسٹی کی تجویز کے واضع اوّل کی حیثیت سے پہچان لینگے،

مقالات

مسئلۂ وحدت الوجود

کے متعلق

اکابرِ اسلام کے خیالات

(از مولانا عبد السلام صاحب ندوی)

ہمارے شعراء نے اِس مسئلہ کو اگرچہ ہجر و وصل کی داستان کی طرح ایک پامال مضمون بنا دیا ہی لیکن درحقیقت وہ صرف شاعرانہ تخیل نہین ہی بلکہ ایک فلسفیانہ حقیقت، ایک مذہبی عقیدہ، ایک اخلاقی نظریہ، اور ایک تاریخی مسئلہ ہی، جو باوجود گوناگون اشکالات و اعتراضات کے نہایت دلچسپ اور دلاویز ہی،

مسئلۂ وحدت الوجود کی تاریخ، مورخانہ حیثیت سے اِس مسئلہ کو توحید و ثنویت کی مشکلات نے پیدا کیا، اگرچہ یونان مین نہایت قدیم زمانے سے اِس قسم کا ایک دھندلا سا خیال موجود تھا، تاہم سب سے پہلے **زنوفن** نے اِس مسئلہ پر روشنی ڈالی، اور اشراقیین نے اِس سے اخلاقی فائدہ اوٹھایا، یعنی اونھون نے تمام افرادِ انسانی مین اشتراک پیدا کرنے کے لیے، تمام افراد کو ایک عام عالم کے مختلف اجزا قرار دیکر، تمام اختلافات کو مٹانا چاہا،

یہودیت اور عیسائیت مین بھی یہی مسائل مختلف صورتون مین موجود ہین[1]، لیکن ہندو فلاسفہ نے غالبًا سب سے زیادہ اِس مسئلہ کو واضح کیا ہی، ہندو فلاسفہ کے جو مختلف فرقے ہین اون مین بیدانتیون کے فرقے کا خاص یہی عقیدہ ہی، اور اونھون نے اِس عقیدہ کی بنا پر دنیا کی تمام چیزون کو خواب و خیال قرار دیکر صرف

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ انتھزم،

خدا کے وجود کو حقیقی وجود قرار دیا ہے، چنانچہ ابو الفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے،

جز ایزد بیچون ہست ندانند، و عالم را نمود بے بود انگارند، چنانچہ آدمی زاد در غنودگی خیالی پیکرہا را تماشائی شود، و ہزاران غم و شادی اندوزد، این بیداری را بدانسان شمارند، یک درخشندہ نور بہ گوناگون اعتبار دگرگون نماہا برگرفت[1]،

صاحب دبستان المذاہب نے اِس عقیدہ کی تشریح اور بھی زیادہ واضح الفاظ مین کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

داعتقاد این طائفہ آنست کہ جہان و جہانیان نمودے اند بے بود و حقیقت این واجب الوجود است، و او را برم آتما خوانند، گویند این نمایش وجدائی صور و ترکیب و ہیئات چون سراب و مکرر خواب است،

اِس عقیدے پر جو سرسری اعتراضات ہوتے ہین اوس کا جواب اونھون نے اِن الفاظ مین دیا ہے،

اگر کسی پرسد کہ مارا در گوہر خود ہیچ شکے نیست از جہت آنکہ یکے دانشمند و یکے نادان و یکے درآسایش و دیگرے رنجور، این چگونہ خیال و نمایش باشد، جواب گویند گر در خواب نرفتہ، و خود را پادشاہ و فرمانروا و پرستار و فرمان پذیر و گرفتار و آزاد، بندہ و خداوند، بیمار و تندرست، و آزردہ و خوش دل و اندوہگین ندیدہ، بسا ہنگام در خواب خوشی و فرح یافتہ، و بسیار ترس و ہراس بر تو بر تر و غالب شدہ، و رہ گشت شکے نیست کہ آنجملہ خیال و نمایش است، آنکہ در خواب است اینہمہ را حقیقت می پندارد، و راے روپ کہ از راجہاے داناست از نامہ نگار پرسید کہ در خواب دیدہ میشود کہ زخمے منکر بر بدن رسیدہ چون از خواب برے آیم اثرے از ان نمی بینم میدانم کہ خیال بودہ، و اگر در خواب بازنے مباشرت واقع شود در بیداری زیر جامہ لوث منی مییابم، در شق ثانی چرا اثر میباشد، بعقیدہ این طبقہ بدین گونہ پاسخ دادہ شد کہ اینکہ تو آنرا بیداری می پنداری بزعم گیانیان آنہم خوابست و در خواب انگاشتہ کہ بیدار شدم، چہ بسا ہنگام در خواب دیدہ میشود کہ بیدار شدم و آنچہ دیدم در خواب بود و برانگونہ این بیداری نزد بیدار دلان گیانی خوابے است[2]،

[1] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۰، [2] یہ پوری تفصیل دبستان المذاہب عقائد دیدانتیان مین مذکور ہی،

یونان اور ہندوستان کے خیالات کے معلوم ہوجانے کے بعد اب سوال یہ ہو کہ یہ عقیدہ مسلمانون مین کیونکر پیدا ہوا؟ مورخین یورپ کا سطحی اور قیاسی جواب تو یہ ہے کہ

یونان اور ہندوستان اس خیال کے ماخذ ہین کیونکہ ہندو اور یونانی دونون ہمہ اوست کے قائل تھے،

یونانی فلسفہ وحکمت تو اسلامی فلسفہ وحکمت کے بدیہی ماخذ ہین لیکن مسلمانون نے اس عقیدہ کو جس طرح ہندؤن سے لیا اوس کی صورت وہ یہ بیان کرتے ہین،

کہ جب اسلام عرب سے نکل کر آریہ نسل کے ایرانیون مین پھیلا، تو گو اوس نے بظاہر اون کو مغلوب کر لیا، مگر اون کے آبائی اور پشتینی خیالات پر غالب نہ آسکا، اور اونھون نے تصوف کے پردے مین توحید کو وحدت الوجود کے قالب مین بدل لیا، جو ان کے قدیم عقائد تعدد آلہہ کے مطابق تھا[1]،

لیکن ان دونون باتون کا تاریخی ثبوت ملنا مشکل ہو، کیونکہ یونانی علوم وفنون کی توسیع واشاعت کا جو زمانہ تھا یعنی پہلی دو تین صدیان اوس وقت یہ خیال نہین پیدا ہوا تھا، اس مسئلہ کی ابتدا یا ظہور شیخ محی الدین اکبر کے زمانے سے ہوا جو شیخ سعدی وعراقی کا زمانہ ہے[2]،

ہندؤن اور مسلمانون کا اختلاط بھی اس زمانے سے بہت پہلے ہوچکا تھا، تاہم ہم کو اس زمانے سے پہلے اسلامی لٹریچر مین اس عقیدہ کی جھلک نظر نہین آتی، لیکن ہم کو اس قیاسی استدلال پر قیاسی اعتراضات کی ضرورت نہین، بلکہ خود اسلامی مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عقیدے کا ماخذ یونانی اور ہندو نہین، بلکہ خود اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے، چنانچہ اسلام مین یہ عقیدہ جس طرح بتدریج پیدا ہوا اوس کے متعلق علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین ایک مفصل مضمون لکھا ہو جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

---

[1] حاشیہ بر مقدمہ دیوان غالب جدید از مفتی محمد انوار الحق ایم۔ اے، ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم بھوپال،

[2] شعر العجم حصہ پنجم صفحہ ۱۴۲ بحوالہ حاشیہ مذکور،

اِس مجاہدہ، خلوت، اور ذکر سے اکثر حس کا پردہ چاک ہوجاتا ہے، اور امر اللہ کے اون عوالم پر اطلاع ہوجاتی ہو، جن کا ادراک صاحب حس نہین کر سکتا، اِس کشف کا سبب یہ ہو کہ روح جب حس ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف رجوع کرتی ہو، تو حسی احوال ضعیف اور روحانی احوال قوی ہوجاتے ہین، اور ذکر اِس مین معین ہوتا ہو، کیونکہ وہ روح کی نشو ونما کے لئے بمنزلہ غذا کے ہو، تدریجی ترقی کے بعد رفتہ رفتہ یہ عالم شہود بن جاتا ہو، اور حس کا پردہ چاک ہوجاتا ہو،

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدے کی یہی حالت تھی، اور ان کرامات سے اون کو کافی حصہ ملا تھا، لیکن وہ لوگ اِس طرف توجہ نہین کرتے تھے، امام قشیری نے اپنے رسالے مین جن صوفیون کا ذکر کیا ہو وہ صحابہ ہی کے مقلد تھے، اور اون کے بعد جو صوفی پیدا ہوئے اونھون نے بھی اِنھی کی تقلید کی،

پھر متاخرین کی ایک جماعت نے کشف حجاب کی طرف توجہ کی، اور اوس کے متعلق اون کی ریاضت کے مختلف طریقے قائم ہوگئے، جب اون کو یہ بات حاصل ہوگئی تو اونھون نے یہ خیال کیا کہ وجود صرف اونکی معلومات تک محدود ہو، اور اونھون نے تمام موجودات کا عرش سے فرش تک احاطہ کر لیا ہو،

متاخرین صوفیہ نے جب اِس کشف کی طرف توجہ مبذول کی تو اونھون نے موجودات علویہ وسفلیہ فرشتہ، روح، اور عرش وکرسی کی حقیقت پر بحث شروع کردی، اِسی طرح اِنھی لوگون مین بعض لوگ وحدت مطلقہ کی طرف گئے، اور اپنے تعقل وتفاریع کے لحاظ سے یہ رائے پہلی رائے سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے،

اِنھی متاخرین صوفیہ مین جو لوگ محقق ہین وہ کہتے ہین کہ کشف کے وقت بسا اوقات مرید کو اِس وحدت کا وہم ہوجاتا ہو، اور اوس کو وہ لوگ مقام جمع کہتے ہین، پھر وہ اِس درجہ سے ترقی کرکے موجودات مین تمیز کرنے لگتا ہو، اور اِس کو وہ مقام فرق سے تعبیر کرتے ہین، اِنھین متاخرین صوفیہ مین بعض لوگون نے کشف اور ماوراء حس کے متعلق گفتگو کی تو اِس مین غلو کردیا، اور بہت سے لوگ حلول اور وحدت کی طرف

چلے گئے، اور اپنی کتابون کو اس سے بھر دیا، جیساکہ ہروی نے کتاب المقامات وغیرہ مین کیا، ابن عربی، ابن سبعین، اور ان دونون کے شاگرد ابن عفیف، ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد مین انہی لوگون کی تقلید کی، ان لوگون کے اسلاف، متاخرین اسمعیلی روافض سے جو اپنے اسلاف کے عقیدے کے خلاف حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے، میل جول رکھتے تھے، اسلئے ہر ایک نے دوسرے کے مذہب کو قبول کر لیا، اور ان کا کلام گڈمڈ ہو گیا، اون کے عقائد باہم متشابہ ہوگئے، اور صوفیہ کے لٹریچر مین قطب کا لفظ پیدا ہو گیا جو بعینہ روافض کا عقیدہ ہو، پھر ان کے نزدیک قطب کے بعد ابدال کا درجہ ہے جیساکہ نقبا رکے متعلق شیعون کا عقیدہ ہو، ان لوگون نے خرقہ تصوف کی جو اسناد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی ہو، وہ بھی اسی قبیل سے ہو،

ان صوفیہ نے فاطمی کے ذکر سے اپنی کتابون کو لبریز کر دیا ہو، حالانکہ متقدمین صوفیہ نے نفیاً و اثباتاً اس سے بحث نہین کی ہو، یہ خیال شیعون اور رافضیون کی کتابون سے ماخوذ ہے[1]،

متاخرین صوفیہ مین جیساکہ علامۂ موصوف نے تصریح کی ہو، اسلامی دنیا مین ابن عربی اور ابن سبعین نے مسئلہ وحدت الوجود کا صور پھونکا ہے، اور یہ دونون اسمعیلیہ اور باطنیہ فرقہ کے خیالات سے متاثر تھے، لیکن علامہ ابن تیمیہ صرف اسی پر اکتفا نہین کرتے بلکہ ان دونون کو صاف صاف باطنیہ کہتے ہین، چنانچہ الرد علی المنطق مین ایک موقع پر لکھتے ہین،

وماینہ کی طوائف من الباطنیہ باطنیہ السبعہ کاصحاب رسائل اخوان الصفا و باطنیہ الصوفیہ کابن سبعین وابن عربی وغیرھما[2]	اور باطنیون کے فرقون مین باطنیہ سبعہ جیسے اصحاب رسائل اخوان الصفا، اور باطنیہ صوفیہ جیسے ابن سبعین اور ابن عربی وغیرہ نے ذکر کیا ہو،

ان تصریحات کے ساتھ اگر اجمالی طور پر باطنیہ فرقہ کی تاریخ بھی پیش نظر رکھی جائے تو وہ اس خیال کی تائید کا ایک عمدہ قرینہ ہوسکتی ہو،

[1] مقدمہ ابن خلدون علم تصوف، [2] الرد علی المنطق صفحہ ۵۱۶، نسخہ قلمی،

اِسلام مین ابتداہی سے غلاۃ روافض مین متعدد فرقے مثلاً سبابیہ، بیانیہ، جناحیہ، خطابیہ اور نمیریہ وغیرہ پیدا ہوگئے تھے جو حلول واتحاد کے قائل تھے، سبابیہ کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قالب مین خدا کی روح حلول کر گئی ہی، اسلئے وہ خدا ہوگئے ہین، خطابیہ کا اعتقاد تھا کہ حضرت جعفر صادق کے قالب مین خدا کی روح حلول کر گئی ہی، علی ہذا القیاس یہ تمام فرقے ائمہ کے قالب مین حلول روح آلہی کے مدعی تھے،

اِسلام مین ایک اور فرقہ خرمیہ کے نام سے پیدا ہوگیا تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان تھا، اپنے لڑکون کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا، اور اپنی آبادیون مین مسجدین بھی تعمیر کر لی تھین لیکن درحقیقت وہ تمام فرائض اسلام کا منکر تھا، اور تمام محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتا تھا، چونکہ یہ تمام حلولیہ فرقے بھی فرائض اِسلام کے منکر تھے اور محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتے تھے، اسلئے خرمیہ بھی اونھین مین مل گئے،

باطنیہ مذہب کی دعوت کا آغاز ہوا تو اِس مذہب کے موسسین مین میمون بن دیصان نے مغرب کا رُخ کیا، جہان غلاۃ شیعہ اور حلولیہ نے اِس مذہب کا خیر مقدم کیا، اور رفتہ رفتہ اِس مذہب کے متعدد داعی پیدا ہوگئے، مثلاً حمدان قرمط کے بھائی ماموں نے ایران مین اِس مذہب کی اشاعت کی، ابوحاتم نے ارض دیلم کو اپنی کوششون کا جولانگاہ بنایا، عبید اللہ بن حسن نے قیروان کے اطراف مین اِس مذہب کو پھیلایا، اور کتامہ مصامدہ اور بہت سے بربر اِس مذہب مین داخل ہوگئے، اور اون کے ذریعہ سے وہ بلاد مغرب پر غالب آگیا مصر مین اخشیدی خاندان حکومت کر رہا تھا، اوس کے بعض ممبر بھی عبید اللہ کی جماعت مین شامل ہوگئے اور ان لوگون نے ۳۶۲ھ مین داخل مصر ہوکر خاص اپنے اتباع کے لیۓ ایک شہر آباد کیا، جس کا نام قاہرہ رکھا، غرض رفتہ رفتہ اون کی دعوت تمام دنیاۓ اِسلام مین پھیل گئی اور متعدد سپہ سالار، ولاۃ، اور سلاطین اونکی جماعت مین شامل ہوگئے، ہندوستان ایک دورافتادہ ملک تھا، لیکن ملتان کے لوگ بھی باطنی مذہب مین داخل تھے، چنانچہ سلطان محمود نے اِن مین ہزارون اشخاص کو تہ تیغ کر دیا،

چوتھی صدی تک اگرچہ یہ مذہب تمام دنیاۓ اِسلام مین پھیل چکا تھا، اوس کی وجہ سے متعدد ہنگامے

برپا ہو چکے تھے، اور لاکھون آدمیون کی لاشین اوس کی بھینٹ چڑھ چکی تھین لیکن اوس کی تکمیل کا ایک درجہ اور باقی رہ گیا تھا، جس کو حسن بن صباح نے پانچوین صدی مین پورا کیا، اور اِس مذہب کی دعوت کا جو قدیم طریقہ تھا اوس کو بدل کر ایک جدید طریقۂ دعوت قائم کیا، یہی وجہ ہو کہ اوس کے اتباع تاریخ مین "اصحاب الدعوۃ الجدیدہ[1]"، کے لقب سے پکارے جاتے ہین،

تاریخی حیثیت سے اِسی صدی کے بعد اِسلام مین وحدت الوجود کا غلغلہ بلند ہوا، اور شعرا نے اِسکو اِسلامی لٹریچر کا ایک نشہ آور جز و بنا دیا، اِس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ مسلمانون نے باطنیون سے اِس عقیدہ کو سیکھا، اِس تاریخی قرینے کے ساتھ اگر امور ذیل کا لحاظ رکھا جائے تو یہ قرینہ اور بھی قوی ہو جاتا ہی،

(۱) یونانی فلسفہ اگرچہ دنیاے اِسلام مین پھیل گیا تھا، لیکن وہ ایک چھوٹی سی علمی جماعت تک محدود تھا، اسلئے تمام دنیاے اِسلام مین اوس کا اثر نہین قائم ہو سکتا تھا،

(۲) ہندون مین وحدت الوجود کا قائل صرف ایک فرقہ تھا جس کی تعداد محدود تھی، اِس کے ساتھ ہند و مغلوب و محکوم تھے، اور ایک مغلوب و محدود فرقے کا اثر تمام دنیاے اِسلام مین نہین پھیل سکتا تھا، بلکہ ظن غالب تو یہ ہو کہ خود ہندؤن نے ملتان مین باطنیون ہی سے اِس عقیدے کو اخذ کیا،

(۳) باطنیہ ابتدا ہی سے ایک پولٹیکل طاقت بنکر تمام دنیاے اِسلام مین پھیل گئے تھے، اور خیالات کی عام اشاعت صرف سیاسی اور فوجی طاقت سے ہو سکتی ہے،

(۴) باطنیہ مذہبًا بالکل دہری تھے، قدم عالم کے قائل تھے، نبوت اور شریعت کے منکر تھے، اور تمام محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتے تھے، اور یہ تمام مقاصد صرف ایک مسئلہ وحدت الوجود سے حاصل ہو سکتے تھے، اسلئے اونھون نے اسی کو اپنے مذہب کا محور قرار دیا،

اِسلام مین اِس عقیدہ کی اشاعت کے اسباب، اِسلام مین یہ عقیدہ پیدا ہوا تو تصوف کا اُصول موضوعہ بنگیا، اور

[1] ملل ونحل شہرستانی تذکرہ باطنیہ،

اوس کی اشاعت کے مختلف اسباب پیدا ہوگئے، چنانچہ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات مین لکھتے ہین،

اکثر ابنا ے اینوقت بعضے بتقلید و بعضے بمجرد علم و بعضے دیگر بعلم ممتزج بذوق دلونی الجملہ و بعضے بالحاد و زندقہ دست بدامن این توحید وجودی زدہ اند و ہمہ را از حق میدانند بلکہ حق میدانند و گردنہاے خود را از ربقۂ تکلیف شرعی بالحیلہ میکشایند و مداہنات در احکام شرعیہ مینمایند و باین معاملہ خوشوقت و خورسند اند دائمیان او امر شرعیہ را اگر اعتراف دارند طفیلے میدانند، مقصود اصلی وراے شریعت خیال میکنند حاشا و کلا ثم حاشا و کلا نعوذ باللہ سبحانہ من ہذا الاعتقاد السوء[1]،

اسی مکتوب مین ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہین،

و درین زمان بسیارے ازین طائفہ کہ بزی صوفیان خود را مینمایند توحید وجودی را شائع ساختہ اند و بازار کاسد خود را باین تخیلات رائج داشتہ اند،

ان ملاحدہ، زنادقہ، عوام، مقلدین، اور کم پایہ صوفیون کے علاوہ خواص کا ایک گروہ بھی اس ام مین گرفتار تھا، اور اوس کی نسبت اگر بدگمانی سے کام لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہو کہ جس طرح خواص کے عقائد و خیالات کا اثر عوام پر پڑتا ہی، اوسی طرح کبھی کبھی خواص بھی عوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہو جاتے ہین، لیکن مجدد الف ثانی اوس کی نسبت حسن ظن سے کام لیتے ہین، اور فرماتے ہین،

بعضے را کثرت مراقبات توحید بر این احکام می آرد، و بعضے دیگر را علم توحید و تکرار آن نحوے از ذوق بآن احکام می بخشد، و بعضے دیگر را منشا ر این احکام غلبۂ محبت است کہ بواسطۂ استیلاے حب محبوب غیر محبوب از نظر محب میخیزد و جز محبوب ہیچ نمی بیند نہ آن کہ در نفس الامر غیر محبوب ہیچ نیست[2]،

انہی خواص کے گروہ مین بعض لوگون نے ذوق، مراقبہ اور محبت کے علاوہ اس مسئلہ پر فلسفیانہ حیثیت سے بھی بحث کی ہی، اور اہل ظاہر، متکلمین، حکما، سوفسطائیہ اور دہریہ نے وجود باری کے

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی صفحہ ۹۵ مکتوب ۴۳، [2] ر ر صفحہ ۴۴ مکتوب ۳۱،

متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہین، اون سب پر اِس عقیدہ کو ترجیح دی ہی، اور اِس کے ذریعہ سے تمام اشکالات وجود کو حل کیا ہی، چنانچہ ہم اِس موقع پر اون کے ترجیحی دلائل کا خلاصہ درج کرتے ہین،

(۱) دنیا کی ہر چیز بے شبہہ موجود و معلوم ہی، لیکن اوس کا وجود انتزاعی ہی، جس طرح چار سے زوجیت کا انتزاع کیا جا سکتا ہی، اوسی طرح وجود باری سے زید و بکر کا وجود منتزع ہی، لیکن کسی چیز کے معلوم و محسوس ہونے سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ موجود بھی ہو، ایک پیاسے کو سراب پانی کی شکل مین نظر آتا ہی، حالانکہ وہ پانی نہین ہوتا، بعینہ اسی طرح اہل تصوف کے نزدیک دنیا ایک سراب ہی،

(۲) حکمار و متکلمین کے نزدیک موجودات کے تین درجے ہین، ادنیٰ، متوسط، اعلیٰ، ادنیٰ درجہ کا موجود وہ ہی جس کا وجود غیر کی وجہ سے ہو، جیسے ممکنات کا وجود، متوسط درجہ کا موجود وہ ہی جس کا وجود خود اپنی وجہ سے ہو جیسے اشاعرہ کے نزدیک خدا کا وجود، اعلیٰ درجہ کا موجود وہ ہی جس کا وجود خود عین ذات ہو جیسے حکمار اور محققین متکلمین کے نزدیک خدا کا وجود، لیکن اگر وجود کو صرف خدا کی ذات مین محدود کر دیا جائے، اور اوس کو تمام عالم کے وجود کا منشار انتزاع قرار دیا جائے تو اوس کا وجود اور بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہی، مثلاً زید کا وجود جو جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ، ناطق اور ضاحک کا منشار انتزاع ہی، اِن تمام چیزون سے اشرف و اعلیٰ ہی،

(۳) حکمار و عقلار نے موجودات کے متعلق جو غلطیان کی ہین اون کو طفلانہ ہوس پرستی نہین قرار دیا جا سکتا، بلکہ اس کی کوئی معقول وجہ قائم کرنی چاہیے، اور یہ وجہ اوسی وقت قائم ہو سکتی ہی، جب وجود کو ذات خداوندی مین محدود کر کے اوس کو تمام موجودات کا منشار انتزاع قرار دیا جائے، مثلاً سوفسطائیہ اِس حد تک صحیح کہتے ہین کہ دنیا مین کوئی چیز حقیقی وجود نہین رکھتی، لیکن اوسی کے ساتھ اوُنھون نے تمام موجودات کے حقیقی منشار انتزاع کو بھی نظر انداز کر دیا، اسلئے کلیتہً تمام موجودات کے منکر ہو کر عالم کو غلطی سے صرف خیالی چیز کہنے لگے، اِس کے برعکس دہریون نے صرف موجودات خارجی پر نظر ڈالی، اور اون کے وجود کی نوعیت سے قطع نظر کر لی، اور موجودات کو صرف ممکنات مین محدود کر دیا، مشبہہ نے وجود باری کے

صرف ایک روشن ترین مظہر یعنی جسم کو دیکھا اسلئے اوس کو بھی غلطی سے جسمانی قرار دے لیا، متکلمین نے ممکن اور واجب دونون کو پیش نظر رکھا، لیکن وجہ انتزاع سے غافل ہوگئے، اور دونون کو مستقل وجود قرار دے لیا لیکن ان غلطیون کا سبب صرف اوسی وقت پیدا ہو سکتا ہی جب وجود کو ایک ذات مین محدود تسلیم کر لیا جائے ورنہ اگر متفاوت الدرجہ مستقل موجودات تسلیم کر لیئے جائین تو حماقت کے سوا ان غلطیون کا کوئی سبب نہین قرار دیا جا سکتا،

(۴) حکماء کے نزدیک چونکہ خدا کا تعطل محال تھا، اسلئے وہ قدم عالم کے قائل ہوگئے، لیکن صوفیہ کے نزدیک چونکہ ممکنات کی ایجاد بھی خدائے وجود کا ظہور اور اوس کی تجلی ہے، اسلئے ازل مین کوئی ایسی آن نہین نکل سکتی جس مین خدا کی کوئی شان یا کوئی تجلی نمایان نہ ہو، خدا خود کہتا ہی "کل یوم ہو فی شان" اگرچہ یہ تجلی صرف علمی تجلی ہے، لیکن یہ بھی ایک عالم ہی، اور اسلئے خدا کسی حالت مین معطل نہین رہ سکتا،

(۵) اس عقیدہ کے رو سے رویت باری کا مسئلہ بھی آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہی، کیونکہ جس شخص نے سراب کو دیکھا ہی اوس کی نگاہ لازمی طور پر ہوا پر بھی پڑی ہی تاہم جب تک ہوا سراب کی صورت مین نمایان نہ ہو اور قوت باصرہ کو علم کا درجہ نہ حاصل ہو جائے اوس کی رویت نہین ہو سکتی، اور یہ درجہ اس دنیا مین صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ خواہش کی تو ادن کو جواب ملا "لن ترانی"

(۶) وجود باری کی تجلیات غیر متناہی ہین جن مین بعض خاص اور بعض عام ہین، معراج مین دوزخ اور بہشت کی صورت مین اوس کی جو تجلیات نمایان ہوئی تھین، رسول اللہ صلعم کے ساتھ مخصوص تھین اور آخرت مین اوس کی عام تجلی ظاہر ہوگی،

اہل ظاہر کی مخالفت کے اسباب، شریعت علم و عمل دونون کے مجموعے کا نام ہی، لیکن مسئلہ وحدت الوجود کی وجہ سے

سلہ رسالہ قلمی میر محمد ہاشم، وحدت الوجود پر بہت سے صوفیانہ رسالے لکھے گئے، لیکن ان مین اکثر غیر مفہوم ہین،

اوس کا عملی حصہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، اور انسان کی سعادت صرف حقیقت شناسی اور کمال عرفان مین محدود ہو جاتی ہی، چنانچہ صاحب دبستان المذاہب نے جہان اس عقیدے کا ذکر کیا ہی وہان لکھا ہی،

طاعت و عبادت بضاعت اوہام است، و درکات جہنم و طبقات بہشت در جہت دتناسخ و جزاے کردار ہمہ خیالات است،

و ایشان را عقیدہ آنست کہ ریاضت براے آنست تا بر سالک معلوم گردد کہ جہان نمود بے بود است، و موجود حقیقی خدا است وجز او ہرچہ ہست خیال است کہ از دست کرنی الحقیقت وجود ندارد، نیاز بریاضت ہم نباشد وکمال دران دانند کہ از ریاضت ہم گذرد چہ آن طلب است وتا در طلب است خود را نشناختہ چہ خود عین ذات الٰہی است،

چنانچہ اسلام مین جن لوگون نے اس عقیدہ کی پیروی کی وہ فرائض و عبادات کی پابندی سے بالکل آزاد ہو گئے، اور جیساکہ ہم مجدد الف ثانی کی عبارت اوپر نقل کر آئے ہین، اون کو شریعت کی پابندیون سے نجات حاصل کرنے کا یہ ایک عمدہ ذریعہ ہاتھ آگیا، اہل ظاہر کی مخالفت یہین سے شروع ہوتی ہی، اور وہ عملی حیثیت سے اس عقیدہ کو گمراہی و ضلالت کا سب سے بڑا سرچشمہ خیال کرتے ہین، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق مین لکھتے ہین،

نفس مین دو قوتین ہین، ایک قوت علمیہ نظریہ، اور دوسری قوت ارادیہ عملیہ اسلیے اوس کی دونون قوتون کی تکمیل خدا کی معرفت اور خدا کی عبادت سے ہونی چاہیے، لیکن یہ لوگ عبادات، کا مقصد نفس کے اخلاق کی اصلاح قرار دیتے ہین، تاکہ وہ اوس علم کے لیے تیار ہو جائے جس کو یہ لوگ نفس کا کمال خیال کرتے ہین، یا اوس کا مقصد اصلاح منزل اور اصلاح مدن قرار دیتے ہین جو حکمت عملی مین داخل ہی، اس بنا پر وہ عبادات کو علم کا صرف وسیلہ خیال کرتے ہین، اسلیے جس شخص نے اس مقصد کو حاصل کر لیا اوس سے عبادات کو ساقط کر دیتے ہین، جیساکہ ملاحدہ

اسمٰعیلیہ، اور اون لوگون کا خیال ہی جو اس اتحاد مین شریک ہین، اور صوفیہ کی طرف منسوب ہین[1]،

اس اتحاد اور بیدینی کے ساتھ اس سے شرک کی بعض قسمین بھی پیدا ہوتی ہین، اور قبر پرستی وغیرہ کے لئے ایک حیلہ ہات آجاتا ہی، چنانچہ علامۂ موصوف اسی کتاب مین لکھتے ہین،

قرامطہ، اور ملاحدہ باطنیہ، اور وہ جہال جو صوفیہ اور متکلمین مین داخل ہوگئے ہین مثلاً اہل وحدت الوجود وغیرہ، وہ شفاعت کو اس بات پر مبنی سمجھتے ہین کہ خدا اپنی مشیت اور قدرت سے کچھ نہین کرتا، وہ جزئیات کا عالم نہین، اور عالم مین کسی قسم کا تغیر نہین پیدا کر سکتا، بلکہ عالم اوس کا ایک فیض ہی جو بغیر اوس کی مشیت، اوس کی قدرت اور اوس کے علم کے پہونچا ہی، اس بنا پر جب ایک طالب شفاعت جواہر عالیہ مثلاً عقول، نفوس، ستارے، چاند، سورج یا بعض صلحا کے نفوس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اوس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہی، تو جب اون پر فیضان آلہی ہوتا ہی، تو اوس شفیع کے ذریعہ سے اس طالب شفاعت کو بھی یہ فیضان پہونچ جاتا ہی، مثلاً سورج جب آئینہ پر چمکتا ہی تو آئینہ کی شعاعین منعکس ہوکر دوسرے مقام پر پڑتی ہین، اور وہ اوس سے چمک اوٹھتا ہی،

یہی وجہ ہی کہ یہ لوگ قبرون کے پاس یا قبرون کے علاوہ دوسرے مقامات پر دعاے موتی کو جائز سمجھتے ہین، اون کی طرف متوجہ ہوتے ہین، اور اون سے زیادہ کرتے ہین، اور یہ معلوم ہی کہ شفعاء کے بارے مین جو کچھ یہ لوگ کہتے ہین، اوس کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہی وہ مشرکین عرب کے کفر سے بھی بڑا ہی[2]،

اس عقیدہ کی بنا پر وحدت صرف ایک ذات مین محدود ہو جاتی ہی، اور انسان صرف ایک لفظ "اللہ" کا ورد کرنے لگتا ہی، بعض صوفیہ یہ لفظ بھی نہین بولتے بلکہ اس کو اسم ضمیر یعنی "ہو" سے تعبیر کرتے ہین، چنانچہ صاحب فصوص نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہی جس کا نام کتاب ہو ہی، لیکن علامہ موصوف کے نزدیک ذکر وفکر کا یہ طریقہ بھی خلاف سنت ہی، چنانچہ اپنے مجموعہ فتادی مین لکھتے ہین،

---

[1] الرد علی المنطق صفحہ ۱۳۳-۱۳۴، [2] ایضاً صفحہ ۹۵-۹۶،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہی کہ افضل ترین ذکر لا الہ الا اللہ، اور افضل ترین دعا الحمد للہ ہی اور جن شخص نے یہ خیال کیا کہ یہ عوام کا ذکر ہی، خواص کا ذکر اسم مفرد اور اخص الخواص کا ذکر اسم مضمر ہی، تو یہ لوگ گمراہ ہین، اور غلطی مین پڑے ہوئے ہین، اور بعض لوگون کی یہ دلیل کہ خدا خود کہتا ہی "قل اللہ ثم ذرہم فی خوضہم یلعبون" کہہ خدا، پھر اون لوگون کو چھوڑ دے کہ اپنے خوض مین کھیلتے رہین، ان لوگون کی بدیہی غلطی ہی، کیونکہ اسم خود استفہام کے جواب مین مذکور ہے، اور وہ خدا کا یہ قول ہی "قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نوراً و ہدی للناس" اس قول تک قل اللہ یعنی اللہ وہ ہی جس نے اوس کتاب کو اوتارا جس کو موسیٰ لائے، پس اسم مبتدا ہے، اور اوس کی خبر پر استفہام نے دلالت کر دی ہی، لیکن اسم مفرد چاہے مظہر ہو یا مضمر نہ وہ کلام تام ہی، نہ جملہ مفیدہ، نہ اوس کے ساتھ ایمان کا تعلق ہی، نہ کفر کا، نہ امر کا، نہ نہی کا، اوس سے قلب کو نہ کوئی معرفت مفیدہ حاصل ہو سکتی ہی، نہ کوئی مفید حالت، بلکہ تصور مطلق حاصل ہوتا ہی جس پر قلب نفی و اثبات کے[1] چیز کا حکم نہین لگاتا، اور جن لوگون نے اس ذکر پر مواظبت کی اون مین بعض الحاد و اتحاد مین مبتلا ہو گئے،

الجمع بین الحقیقۃ والشریعۃ اگرچہ عام طور پر تمام صوفیہ توحید وجودی کے نشے مین سرشار ہین لیکن حضرت مجدد الف ثانی توحید شہودی کے قائل ہین، اور اس کو عقل اور شریعت کے موافق اور توحید وجودی کو ان دونون کے مخالف سمجھتے ہین، چنانچہ اپنے ایک مکتوب مین لکھتے ہین،

پس توحید وجودی کہ نفی ماسوائے ایک ذات است تو انائی و تقدس بائک عقل و شرع در جنگ است بخلاف شہودی کہ در دیکھے دیدن ہیچ مخالفت نیست مثلاً در وقت طلوع آفتاب ستارہ ہا را نفی کردن و معدوم دانستن مخالف واقع است اما ستارہا در آن وقت نادیدن ہیچ مخالفت نیست بلکہ آن نادیدن بواسطہ غلبۂ ظہور نور آفتاب است و ضعف بصر رائی اگر بصر رائی بنور بصر آفتاب مکحل شود و قوت پیدا کند ستارہا را از آفتاب جدا بیند داین دید درحق الیقین است[2]،

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک توحید شہودی کے بغیر فنا کا درجہ حاصل نہین ہو سکتا چنانچہ اسی مکتوب مین لکھتے ہین

(۱) فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۳،۱۰۲ (۲) مکتوبات مجدد الف ثانی صفحہ ۵ جلد ۲ مکتوب چوالیسوم

توحید شہودی از ضروریات این او راست چہ فنا بے این توحید تحقق نمیشود و عین الیقین بے آن میسر نمی شود

زیرا کہ رویت یکے باستیلاء او مستلزم عدم رویت ماسوائے اوست،

لیکن علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک فنا کا یہ درجہ بھی نقص سے خالی نہین ہے، چنانچہ اپنے فتاوے مین ایک موقع پر لکھتے ہین

فنا کی دوسری قسم یہ ہی کہ شہود ماسوا سے فنا ہو اور فنا کا یہ درجہ بہت سے سالکون کو اسلئے حاصل ہو جاتا ہی کہ اونکا دل خدا کے ذکر خدا کی عبادت، اور خدا کی محبت کی طرف شدت سے کھنچ جاتا ہی، اور اونکے قلب مین یہ قوت نہین ہوتی کہ غیر معبود کو دیکھ سکے، اور غیر مقصود پر نگاہ ڈال سکے، اونکے دلمین خدا کے سوا کوئی چیز نہین کھٹکتی، یہی وہ مقام ہی جہان ایک قوم کے قدم ڈگمگا گئے ہین، اور اون لوگون نے خیال کر لیا ہی کہ یہ اتحاد ہی اور عاشق و معشوق متحد ہوگئے ہین، یہان تک کہ اونکے وجود مین کوئی فرق باقی نہین رہا ہی، لیکن یہ غلطی ہی، خالق کے ساتھ کوئی چیز متحد نہین ہو سکتی بلکہ کوئی چیز دوسری چیز سے اوس وقت تک متحد نہین ہو سکتی جب تک وہ دونون بدل نہ جائین، اور اونکے اتحاد سے تیسری چیز نہ پیدا ہو جائے جیسا کہ دودھ پانی اور پانی اور شراب متحد ہو جاتے ہین، البتہ مراد محبوب اور مکروہ متحد ہو سکتے ہین، اور اونکے ارادہ اور کراہت مین اتفاق ہو سکتا ہی، اسلئے جس چیز کو ایک محبوب رکھتا ہو دوسرا بھی اوسکو محبوب رکھ سکتا ہی جس چیز کو یہ مبغوض رکھتا ہی، دوسرا بھی اوسکو مبغوض رکھ سکتا ہی، لیکن اس قسم کی فنا نقص سے خالی نہین اور اکابر اولیا، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رض، حضرت عمر بن الخطاب رض، اور سابقین اولین مہاجرین انصار بھی اس فنا مین نہین پڑے چہ جائیکہ انبیاء، یہ درجہ صحابہ کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح جن چیزون سے عقل و تمیز گم ہو جاتی ہی وہ دور صحابہ کے بعد پیدا ہوئین، صحابہ کرام احوال ایمانیہ مین اس سے کامل تر اس سے قوی تر اس سے مستحکم تر تھے کہ اون کی عقلین گم ہو جائین، یا اون پر غشی، مدہوشی یا نشے کی حالت طاری ہو جائے، ان چیزون کی ابتدا دور تابعین مین عباد بصرہ سے ہوئی،

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید وجودی خود بعض محققین صوفیہ کے نزدیک عقل اور شریعت کے مخالف ہی، توحید شہودی بے شبہہ اون کے نزدیک ایک بے داغ چیز ہی لیکن اہل ظاہر اس پر بھی راضی نہین ہو سکتے،

۱؎ فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم صفحہ ۳۴۰،

دوسرا نایاب دیوان

(۲)

از جناب مولنا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی، صدر الصدور دولت آصفیہ،

طالب آملی دربار جہانگیری کا ملک الشعرا تھا، اس کا کلام عام طور پر نایاب ہی، مجھکو اس کے دیوان کے دو نسخے ملے، ایک ابتداءً دلّی سے، یہ نسخہ معمولی خط کا بہت غلط ہی، مگر اکثر جگہ غلطی سمجھ مین آجاتی ہی، کثرت کلام کے لحاظ سے قابل قدر ہے،

دوسرا نسخہ لکھنؤ سے دستیاب ہوا، اہتمام تحریر کے لحاظ سے نادر ہے، مین یہین تک اسکی قدر کرتا تھا مرحوم علامۂ شبلی نے طلب فرماکر عرصہ تک زیر مطالعہ رکھا، ان کی جوہر شناس نظر نے اس کا خاص جوہر پرکھا ع قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری ؛ واپس فرمایا تو لکھا کہ یہ نسخہ خود طالب آملی کی تحریر وں سے مزین ہی، مین نے بھی اسے خیال سے دیکھا تو علامہ کی رائے کو صحیح پایا، دلائل حسب ذیل ہین،

اس نسخہ کے کاتب نے اپنا نام میرزا جان اجمیری لکھا ہی، سنہ کتابت نہین لکھا، عموماً قصائد وغیرہ کے عنوان اصل کاتب نے نہین لکھے، جابجا خصوصاً غیر مانوس ردیفون کے موقع پر متن مین ایک غزل دو غزل کے انداز سے بیاض چھوٹی ہوئی ہے، اصل کاتب کی تحریر باستثنار آخر کی چند رباعیون کے پختہ نستعلیق ہے، جو عنوان قصائد کے خالی ہین ان کے عنوان، بعض رباعیون کے عنوان، ان بیاضون مین (جو اصل کاتب نے چھوڑین) بعض غزلین ایک اور قلم کی لکھی ہوئی ہین جو اصل کاتب کے قلم سے صاف طور پر ممتاز ہی، قصائد کے عنوان اس نہج سے لکھے گئے ہین کہ یہ واضح ہوتا ہی کہ کاتب ممدوح کا ہمعصر اور متوسل ہی، مثلاً طالب کے مربی میرزا غازی ترخان (امیر جہانگیری) کی شان مین جو قصائد ہین ان کے عنوانون مین کسی جگہ سرخ روشنائی سے تحریر

"در مدح مرحومی میرزا غازی ترخان" - ایک جگہ لکھا ہی، در مدح نواب مرحومی غازی ترخان"، جہانگیر بادشاہ کی مدح کے ایک قصیدہ کا عنوان ہی، "در مدح حضرت ظل الٰہی مد اللہ ظلہ" ایک اور قصیدہ کا عنوان "بمدح مد ظلہ"، اعتماد الدولہ وزیر جہانگیر طالب کا رشتہ دار تھا، اس کی مدح کے قصیدہ کا عنوان ہی، "در مدح نواب قبلہ گاہی ام اعتماد الدولہ العلیہ مد ظلہ" دوسرے قصیدہ کا عنوان ہی "بمدحہ مد ظلہ" نورجہان کے ایک مدحیہ قصیدہ کا عنوان ہی "در مدح مہد علیا نور محل بیگم گفتہ شد" علیٰ ہذا القیاس -

ان عنوانون سے معاصرت اور تعلق دونون ثابت ہوئے ہونگے، نورجہان کی مدح کے قصیدے کا عنوان اس وقت لکھا گیا جب تک وہ نور محل تھی نورجہان نہوئی تھی، یہ تمام عبارتین سرخ قلم سے ایک ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، ایک اور خصوصیت ہی، بعض ردیفون کی تکمیل اسی قلم سے ان بیاضون مین ہی جو کاتب نے چھوڑ دی تھین معلوم ہوا کہ اصل کاتب کو یہ غزل نہ ملی تھی یا موزون نہ ہوئی تھی، اور اس کے انتظار مین یہ بیاض چھوڑی گئی تھی، اسی قلم سے جابجا اصلاحین ہین، اصلاح کی بحث تفصیل سے آگے آتی ہی،

سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ خط و قلم کس کا ہی، جواب قطعی یہ ہے کہ خود طالب املی کا کیون؟ اس وجہ سے کہ حاشیہ پر جابجا نیز متن مین اسی قلم کا لکھا ہوا طالب کا کلام ہے جس پر لکھا ہی، "سراقمہ"، معلوم ہوا کہ قائل کلام و راقم کلام ایک ہی ہی، اور یہ مانی ہوئی اصطلاح ہی، ان غزلون کے مقطعون مین لفظ "طالب" کی شان تحریر عمومًا یہ ہے "طالب" دوسری دلیل یہ ہی کہ بہت سی اصلاحین اسی قلم کی ایسی ہین جو تصحیح کتابت نہین بلکہ اصلاح کلام ہین، معلوم ہوا کہ خود طالب نے اپنے کلام مین اصلاحین نظر ثانی کے وقت کی ہین، ان دلائل کی بنیاد پر یہ کہنا بجا ہی کہ یہ دیوان بطور بیاض کے خود طالب کے لئے لکھا گیا تھا، جو اس کے پاس رہا اور وقتاً فوقتاً اس کے قلم سے فیضیاب ہوتا رہا، ایسے نسخہ پر ہر کتاب خانہ فخر کر سکتا ہی، میرے کتبخانہ کو یہ سرمایۂ فخر علامہ شبلی مرحوم کی

جوہر شناس نظر کے فیض سے حاصل ہوا، رحمہ اللہ تعالیٰ،

طالب کا خط پختہ شفیعہ ہو اور قلم باریک،

اصلاحین، اصلاحین بجائے خود سرمایۂ ندرت ہین، بعض تو محض کتابت کی تصحیح ہین کہین کاتب سے لفظ چھوٹ گیا تھا، اضافہ کر دیا ہو کہین لفظ غلط لکھ گیا تھا کاٹ کر صحیح کر دیا ہو، کہین مصرعے رد و بدل ہو گئے تھے وہان خط کھینچکر ایک شعر کے دونون مصرعون کو مربوط کر دیا ہو، علیٰ ہذا القیاس، قابلِ دید وہ اصلاحین ہین جو کلام مین کی گئی ہین، اِن اصلاحون نے پایۂ کلام بلند سے بلند تر کر دیا ہو، اس سے طاؔلب کی قوت طبع کا اندازہ ہوتا ہو، مثالاً دو چار نمونے ملاحظہ ہون،

ایک قطعہ ہو جس کا قافیہ ہو تاجداری، خاکساری ہو اسکا ایک شعر ہے،

تپ غیرتم سوخت یاران چہ سازم　　بلائی است در آدمی جزو ناری

ایک دو بار پڑھکر دیکھیے کہ کہین جوڑ بند ڈھیلے تو نہین، اب اصلاح دیکھئے، مصرع اوّل ؏ تپ غیرتم در عرق دارد آرے، اندازہ کیجیے، گرمی کلام کس درجہ پر پہنچ گئی، تپ کے واسطے عرق مصرع جوئے بلاغت مین غوطہ کھا کر نکھر گیا،

ایک اور شعر ہے

دستِ ہوس قوی شدہ در کشورِ وجود　　ترسم کہ عیش رخنہ بناموسِ غم کند

اول مصرع مین اصلاح ہوئی، ؏ دستِ ہوس قوی شدہ بازوئے دل ضعیف، ایک بار غیر اصلاحی مصرعہ کو مکرر پڑھکر اصلاح شدہ سے مقابلہ کیجیے، کہ شِی کمان کا زور محسوس ہونے لگیگا،

تیسرا شعر ہے

چنان گداختہ جوشِ خیال طاؔلب را　　کہ مو بمو شدہ چون طبع خویشتن نازک

اصلاح مین، طبع، کا لفظ، فکر، سے بدل دیا گیا، نزاکتِ فکر او طلب،

چوتھا شعر ؎

گردید آبِ دیدۂ طالب چمن شناس		زین پس حرام گشت بہ شبنم وضوئی گل

مصرع اول مین اصلاح ہوئی بجائے "گردید" کے "شد باز"، اب مصرع یہ ہے، ع شد باز آبِ دیدۂ طالب چمن شناس، غور کیجئے مضمون مین کس قدر وسعت پیدا ہوگئی، گردید سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ آبِ دیدہ اول مرتبہ چمن شناس ہورہا ہے، اور آغاز گریۂ زاری ہے، "باز شد" سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی یہ چشمہ رواں رہ چکا ہے، درمیان مین خزان تھی تو رک گیا تھا، بہار آئی تو پھر جاری ہوا، جب رکا ہوا تھا تو مجبوراً پھول شبنم سے وضو کرتے تھے، اب روانی آگئی تو دار الافتائے محبت سے فتوی جاری ہوا کہ آب آمد تیمم برخاست، ما رکثیر کے ہوتے ہوئے اِس سے پیاس کیون بجھائی جائے، لھذا روانی آب کے لیئے باز، قلندرہ، اگر آب "چمن شناس" "باز شد"، وضوئے گل "شبنم" اِن الفاظ پر فرداً فرداً دوبارہ بحیثیت مجموعی غور کرینگے تو پورے مضمون کی تصویر آنکھون کے سامنے آجائیگی، اب طالب کی دو غزلین پوری سن لیجیئے، اِس کے بعد طالب رخصت ہوتا ہون،

علامۂ **شبلی** نے طرز طالب کی خصوصیت حسب ذیل الفاظ مین بیان فرمائی ہے، "ندرتِ تشبیہ ولطف استعارہ" میرا خیال ہے کہ "سرخوشی ونزاکت" (جو دربار جہانگیر و نور جہان کا طرۂ امتیاز تھی) کلام طالب کی شان امتیاز ہے، دیکھو عرفی وطالب دونون کشمیر دیکھتے ہین، اس کی روح پرور ہوا، اور رنگ بہار سے متاثر ہوتے ہین، دلی خیال الفاظ شعر مین تراوش کرتا ہے، عرفی کہتا ہے ؎

ہر سوختہ جانیکہ بکشمیر در آید		گر مرغِ کباب است کہ با بال و پر آید

طالب زمزمہ سنج ہوتا ہے ؎

فیض پیالہ بخشد آب وہوائے کشمیر		از خشتِ خُم نہادند گویا بنائے کشمیر

دو غزلین سنائی تھین مضمون مین مضمون پیدا ہوگیا، اِن غزلون مین طالب کا اصلی رنگ صاف نمایان ہے

غزل

بہار آمد کہ گردد جسم و جان مست شود دل مست چون بلبل زبان مست

بہار آمد کہ از بوئے گل و مے زمین بیہوش گردد آسمان مست

چرا مستانہ می غلطد بہر سوے بجدول نیست گر آب روان مست

ازان پیمانہ کامد اولین دور زکم ظرفی شدم از بوئے آن مست

نشد تغییر در کیفیتم ہیچ ہمان مستم ہمان مستم ہمان مست

زمانے نیست کز گلبانگ شوقم نیفتد بلبلے از آشیان مست

چو بر مستان نباشد ہیچ تکلیف چرا طالب نباشم جاودان مست

مقطع سے اوپر کا شعر کس قدر نادر اور بلیغ ہی، بلبل کے مست کرنے کے واسطے جو نوا ہی وہ بھی گلبانگ ہی، نظیری نے بھی اس مضمون کو لیا ہر مگر اپنے رنگ مین سہ

بزیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را نواگران نخوردہ گزند را چہ خبر

غزل دیگر

کرشمہ نازک و لب نازک و سخن نازک ز فرق تا بقدم ہمچو طبع من نازک

کسیکہ دیدہ بنا گوش او شبے در خواب نیایدش بنظر برگ یاسمن نازک

بعہد نازکی لالہ زار عارض او گمان مبر کہ گلے رویداز چمن نازک

ہزار سوزن انجم فزود بر مژگان ، کسے کہ بر تن او دوخت پیرہن نازک

فغان کہ از گل و آب صنم نمی جوشد کرشمہ کہ شود طبع برہمن نازک

مگر ز غمزۂ شیرین بہ تیشہ داد الماس کہ لوح فتنہ تراشید کوہکن نازک

چنان گداختہ جوش خیال طالب را کہ مو بمو شدہ چون فکر خویشتن نازک

دیکھنا پانچوین شعر مین کتنی دور کی بات کہہ گیا - والسلام بالاکرام

"ماہیت اشیاء"

"نظریۂ اضافیت"

"جرمنی کے پروفیسر آئنسٹین کا مشہور و معروف نظریہ اور اسکا مختصر حال"

از

جناب مولوی محمد نصیر احمد صاحب ایم۔اے۔بی۔ایس سی، مددگار پروفیسر طبیعیات جامعۂ عثمانیہ

سولہ برس ہوئے کہ جرمنی کے پروفیسر آئنسٹین نے ایک نئے نظریہ کی بنیاد ڈالی جس کا موضوع اشیاء کی ماہیت تھی۔ اس نظریہ کی نسبت لوگون کا یہ خیال تھا اور شاید اب بھی ہو کہ وہ نیوٹن اور اقلیدس کے بنا کردہ نظام کو باطل قرار دیتا ہی، پروفیسر موصوف کا اس وقت یہ قول تھا کہ اس مسئلہ کا طرز بیان ہی کچھ ایسا نرالا اور عام طرز بیان سے اس قدر مختلف تھا کہ ماہرین فن مین سے شاید بارہ ہی نفوس اس کی تہ کو پہنچ سکے اور اس کی حقیقی قدر و منزلت کر سکے،

آئنسٹین کے اس نئے نظریۂ اضافیت مین مکان، زمان، تجاذب کی مناسبت سے بحث کی گئی ہی، مشہور انگریزی عالم سائنس سر اسحٰق نیوٹن کے وقت سے اب تک علوم طبیعیات مین جو ترقیان ہوئی ہین ان مین یہ نظریہ عظیم ترین ترقی سے موسوم کیا گیا ہی، کیونکہ طبیعیات کی بنیاد جن چیزون پر ہی وہی اس کا موضوع ہین، اخبارات و رسائل نے اس نظریہ کو انقلاب انگیز قرار دیا، لوگون کی نظرین اسی لئے اس کی طرف اٹھ گئین اور مزید دلچسپی کا سب سے بڑا سبب اس لئے ہوا کہ ان اخبارات کے بیان کے مطابق دنیا مین صرف بارہ اشخاص اس نئے نظریہ کو کما حقہ سمجھ سکے ہین، اس نئے نظریہ کی جتنی شرحین لکھی گئین ان سے بارہ نفوس کے اس محدود دائرہ مین چندان وسعت پیدا نہین ہوئی،

شروع شروع مین اگر ناظرین کو اس نظریئے کے سمجھنے مین وقت ہو تو ذرا صبر سے کام لین، بہت جلد قطعی طور پر یہ بتلانے کی کوشش کیجائیگی کہ نظریۂ آئنسٹین کیا ہی، اور اس سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہین، لیکن چونکہ یہ مضمون کسی قدر نامانوس ہی خصوصاً ہندوستان کی مشترک زبان (اُردو) کے جاننے والون کے لیئے، اِس لئے افہام مطلب کے لیئے مزید تمہید کی ضرورت ہی،

جب ہم کسی واقعہ یا مظہر قدرت کی توجیہ کرنا چاہتے ہین، تو یہ توجیہ چار حصون پر منقسم ہوجاتی ہے، سب سے پہلے ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ وہ واقعہ **کب** وقوع مین آیا، اس کی کیا **کیفیت** تھی، اس کی **ماہیت** کیا ہی، اور پھر ایسا **کیون** ہوتا ہی، مضمون کے سمجھنے مین سہولت پیدا کرنے کی غرض سے ہم نظریہ "کی کیفیت" پر زیادہ زور نہین دینگے، بلکہ "کیا، اور "کیون" کا زیادہ لحاظ رکھینگے، اور درحقیقت جب ہم اِس امر پر غور کرتے ہین کہ دنیا مین صرف بارہ اشخاص اس کی ریاضیت کو سمجھ سکے تو یقیناً ذہن انسانی کی قدر و منزلت ہماری نگاہون مین بہت بڑھ جاتی ہی، بہر حال ہمارے مضمون کے لیئے جو چیزین زیادہ کار آمد ہین وہ صرف وہی نتائج ہین جو اِس قدر ریاضیت استعمال کرنے کے بعد حاصل ہوئے نیز ہمارے مفید مطلب صرف یہ امر ہے کہ اِس سے علوم طبیعیات اور اون کے فروع پر کیا اثر مترتب ہوتا ہی،

نظریہ کا اثر، نظریۂ اضافیت کو عام زبان کا جامہ پہنانا، اگر ہوشیاری سے کام نہ لیا جائے تو یقیناً بہت دشوار ہو جاتا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ریاضیات کو اس بنا پر نظر انداز کر دین کہ جمہور کو اِس سے زیادہ دلچسپی نہین، جمہور کو تو اس سے بحث نہین ہوا کرتی کہ ایک مشین بنائی کیونکر جاتی ہی، بلکہ جب اون کے سامنے ایک نئی بنائی مشین آتی ہی تو اون کو تمنا یہ ہوا کرتی ہی کہ دیکھین اِس مشین سے کیا کیا چیزین تیار ہو سکتی ہین، ان کے لیئے اتنا ہی کافی ہے کہ مشین کی ساخت کا اصول اون کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات و جزئیات سے ان کو غرض نہین ہوتی، ہمارا نظریہ بھی گویا ایک مشین ہی جو نئی بنائی ہمارے سامنے موجود ہی، اب اگر جمہور کے نقطۂ نظر سے اِس کو دیکھئے تو واقعی اِس عجیب و غریب اور انقلاب انگیز

نظریہ نے کوئی عملی نتیجہ پیدا نہین کیا اور اگر کچھ کیا بھی ہو تو اس قابل نہین کہ شمار کیا جائے،

نظریۂ اضافیت کو اگر چند لفظون مین بیان کرنا چاہین تو یون کہہ سکتے ہین کہ اس کا دعویٰ ہو کہ ہم طبیعیاتی تجربات کی مدد سے مکان مین کسی جسم کی رفتارِ مطلق کو دریافت نہین کر سکتے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ رفتار کے دریافت کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی معیار ہی نہین، بلکہ حقیقت یہ ہو کہ طبیعیاتی نظریون مین ہم "مکان مطلق" سے بحث ہی نہین کرتے، وہان تو زیر بحث مظاہر فطرت کے بے شمار تعلقات مین سے "مکان" کو بھی ان تعلقات کا ایک پہلو سمجھا جاتا ہو،

مثال اس کی یون سمجھنا چاہیے کہ کسی دریا مین ایک کشتی ۳ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روان ہو، ایک آدمی اس کے تختے پر اسی سمت ۲ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روان ہو، تو اب ساحل کی اضافت سے اس شخص کی رفتار کیا ہو گی؟ یعنی اگر ساحل پر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو تو اس کے نزدیک اس متحرک شخص کی رفتار کیا ہو گی؟ آپ جواب دینگے کہ ۵ میل فی گھنٹہ لیکن آئنسٹین کا ماننے والا یہ کہے گا کہ نہین پورے پانچ میل نہین ہو گی، لیکن پانچ میل سے ایک آدھ انچ کم ہی رہے گی یعنی صرف ۹۹۹۹ ۹۹۹۹۹۹۹۹۹ر۴ میل فی گھنٹہ، یا ایک دوسری مثال لیجیے،

ریلون پر انجنیر اور ڈرایور اپنی گھڑیان اسٹیشن کی گھڑی سے درست کرتے ہین، جب اسٹیشن کی گھڑی مین بارہ بجتے ہین تو موخر الذکر کی گھڑیون مین کیا وقت ہو گا؟ آپ یہی کہین گے کہ ٹھیک بارہ بجینگے، لیکن اضافیت ہم کو یہ بتاتی ہے کہ اس مسئلہ کا جواب اس وقت نہین دیا جا سکتا، جب تک کہ ہم کو ریل گاڑی کی لمبائی اوس کی رفتار، اسٹیشن سے اوس کا فاصلہ، اور جو وسائل کا مقام اور رفتار نہ معلوم ہو، آپ کہینگے کہ ان خرافات کو جواب سے کیا علاقہ؟ لیکن اضافیت کا یہی فتویٰ ہی کہ باہم ان مین علاقہ ہو، اگرچہ یہ ضرور ہے، کہ اس طرح صحت کے ساتھ ہم جو وقت معلوم کرینگے اور مشہود وقت دونون کے درمیان تفاوت بہت ہی قلیل ہو گا، یعنی ایک ثانیہ کا کوئی سنکھوان حصّہ ہو گا،

یہان یہ امر ظاہر کردینا ازبس ضروری ہو کہ جب کسی مسئلہ مین رفتارون کی مقدار وہ ہو جس سے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی مین روشناس ہین، یا جس کو ہم اپنے علمی تجربات اور فلکی مشاہدات مین پاتے ہین، تو نظریۂ اضافیت کا اثر ان پر قریب قریب نفی کے ہوتا ہو، کیونکہ اس کی رو سے جو فرق پیدا ہوگا وہ اس قدر قلیل بلکہ اقل ہوگا کہ اس کا شمار بھی ممکن نہ ہوگا، لیکن جب ہم کو مادّی اجسام کی ان رفتارون سے سابقہ پڑتا ہو جو نور کی رفتار (۸۶۰۰۰ ا میل فی ثانیہ) کے لگ بھگ ہین تو اس وقت نظریۂ مذکور ایک خاص اہمیت اختیار کرلیتا ہو، ماہرین فن اپنے معلون مین جو تجربے کرتے رہتے ہین اس قسم کی رفتارون کا تعلق صرف انھین سے ہو، اس مضمون کے مقاصد کا لحاظ کرتے ہوئے اتنا ہی بیان کردینا کافی ہو کہ ایسے تجربون سے نظریۂ اضافیت کی پوری تصدیق ہوتی ہے،

مضمون کے آغاز مین یہ ذکر ہوچکا ہو کہ یہ نظریہ انقلاب انگیز ہے، اس کے بعد گریز کرکے ہم نے اس کی ریاضیات پر اظہار خیالات کیا، اور اس پر یہ تنقید کی کہ اس کے عملی نتائج قابل التفات نہین پس اب مناسب ہو کہ اس کی اصل اہمیت ذہن نشین کیجائے،

نظریہ کی اہمیت

حسب ذیل تین طریقون سے ہم اس کی اہمیت کا اندازہ کرسکتے ہین،

اولاً، اگرچہ اس نظریہ کے اثرات جیساکہ اوپر بیان ہوا عملی زندگی کے اِن پہلوؤن مین جن کا طبعیئین نے اچھی طرح مطالعہ کیا ہے، نہایت ہی قلیل اور ناقابل التفات ہین، تاہم ایک زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ اس قسم کے آلات ایجاد ہون اور ایسے تجربے کئے جائین کہ یہی قلیل "اضافی اثرات" کثیر معلوم ہونے لگین، چنانچہ سائنس دانون اور انجینرون نے برقی صنعت کی جو عظیم الشان عمارت قائم کی ہے آپ جانتے ہین کہ اس کی بنیاد کیا تھی؟ محض یہ کہ جب کہربا کو رگڑتے ہین تو اس مین ہلکی چیزون کے کھینچنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، قدیم یونانیون کو بھی اس واقعہ کا علم تھا جو بظاہر کتنا ادنی معلوم ہوتا ہے،

ثانیاً، اس نظریہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ بہت سے مظاہر فطرت جو اب تک ناقابل توجیہ تھے اس کی روشنی مین صاف نظر آنے لگتے ہین، مانا کہ یہ مظاہر عملی نقطۂ نظر سے کوئی حیثیت نہین رکھتے چنانچہ ان کے سمجھنے کے لئے بھی علم مناظرہ وبرق کے مبادیات کا جاننا ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے مظاہر کا وجود ہے اور اس نظریہ سے ان کی توجیہ ہو جاتی ہے، علوم مین ترقی کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ اس کی ابتدا و نہایت حقیر ہوتی ہے اور انتہا بہت عظیم الشان چھوٹے چھوٹے اسباب ہی بڑے بڑے نتائج کی علت ہوا کرتے ہین،

ثالثاً، اس کی اہمیت کا راز یہ ہے کہ اس کی روشنی مین وہ مظاہر فطرت جو اب تک علحدہ علحدہ تصور کئے جاتے تھے، سب کے سب ایک نظام واحد مین منسلک نظر آنے لگتے ہین طبیعیات نے ہمیشہ اسی طرح ترقی کی ہے، اور ہر کامیاب علمی نظریہ ہم کو فطرت کی وحدت سے قریب کردیتا ہے، بیجا نہ ہوگا اگر علماء سائنس کو اُن سراغ رسانون سے تشبیہ دیجائے جو اشرار کے کسی گروہ کی کارروائیون کی تحقیقات مین مصروف ہون، اور جن کی کوشش یہ ہو کہ وہ کسی طرح "ابو الاشرار" یعنی ان کے سرغنہ کو گرفتار کرلین، ان اشرار مین سے جو زبردست ہوتے ہین ان کی کارروائیون کو تو مفتشین کا یہ گروہ صرف اسی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان سے ان کے سرغنون کا پتہ کیونکر چل سکتا ہے، یہ سرغنے ہر کس وناکس کے قبضے مین تو آتے نہین، وہ بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہین، لیکن ایک ماہر مفتش صرف انگوٹھے کے نشان ہی سے، یا نقش قدم کے ہونے ہی سے بہت کچھ اخذ کرلیتا ہے، اور جب کوئی ابو الاشرار گرفتار ہو جاتا ہے تو قانون اور اُن کے علم بردارون کو بہت سی اُن عجیب اور خفیف خفیف باتون کا بھید معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پیشتر کسی طرح سمجھ مین نہین آتی تھین،

یہی حال آئنسٹین کا سمجھنا چاہئے، اس نے دیکھا کہ طبیعیتین تمام مظاہر قدرت کی توجیہ وتشریح مکان، زمان، جمودؔ[1]، تجاذب، نور، اور برق کے مفہومات کی اضافت کرنے کی کوشش مین

[1] یعنی اشیاء کی وہ طبعی قوت جو ان کو علی حالہٖ قائم رکھتی ہے جب تک کہ کوئی خارجی قوت اثر کرکے اس کی حالت کو بدل نہ دے،

مصروف ہین، اسلئے یہ بتایا کہ مکان، زمان، جمود، تجاذب وغیرہ سب کو ہم ایک حقیقت واحدہ کے مختلف رخون سے تعبیر کرسکتے ہین، اِس واحد حقیقت کو وہ مکان، کہتا ہی، اِس مکان مین بجائے ابعاد ثلاثہ کے وہ پانچ یا چھ بُعد مانتا ہے، اِسی وجہ سے اِس کا مفہوم ذہن مین قائم کرنا مشکل ہے، لیکن فائدہ یہ ہے کہ بجائے چار حقیقتون کے اب صرف ایک حقیقت رہجاتی ہی، اور اگر ریاضی مین کافی دخل ہو تو پھر اسی بنا پر نظریہ کی پوری عمارت قائم ہوسکتی ہے، مزید برآن آئنشٹین نے مادہ، نور، اور برق مین نئے نئے تعلقات ثابت کئے، تجربہ بظاہر اس کی تصدیق پر آمادہ ہی، آئنشٹین کے نزدیک اِس مکان مین نور، بالکل خط مستقیم مین حرکت کرتا ہے، حالانکہ موجودہ نظریہ نور کے مطابق اس کا راستہ خط مستقیم کے قریب قریب ہوتا ہے، حرکیات (علم الحرکۃ) جو متحرک مادہ کا علم ہی وہ صرف پانچ یا چھہ بُعد والاہندسہ[1] رہجاتا ہی، کمیت، زمان، اور نیز فاصلہ کی پیمایش میلون مین ہوسکتی ہے، آئنشٹین کا یہ دعوٰی ہے کہ زمان، نور مکان کا وجود مادّہ کے وجود سے وابستہ ہے،

آئنشٹین نے اضافیت سے جو معنی مراد لئے ہین وہ یہ ہین کہ زمان، کمیت[2]، اور فصل مطلق کی پیمایش ناممکن ہے جب دو مشاہد ایک دوسرے کی اضافت سے حرکت کر رہے ہون اور وہ دونون ایک ہی واقعہ کا مطالعہ کرین تو ان کا ایک ہی نتیجہ پر پہونچنا ممکن نہین، بنا برین جیسا پہلے گذر چکا، طبیعیات مین زمانِ مطلق، کمیتِ مطلق، کے کچھ معنے نہ رہے، زمان، کمیت، اور فصل سب کا وجود مشاہد کی اضافت سے ہی، فلسفہ مین اِس اُصول کو مدت سے پیش کیا جارہا ہی، لیکن آئنشٹین کا کارنامہ یہ ہے کہ اِس نے، اضافیت، کو قابل پیمایش کر دکھایا، اور اِس کے واسطے علمی ثبوت کو ممکن قرار دیا،

مختصر تاریخ البرٹ آئنشٹین نے اضافیت پر سب سے پہلا مضمون رسالہ" اناسن ڈر فزک"

[1] موجودہ یعنی اقلیدسی ہندسہ تین بعد کا مانا جاتا ہی، [2] کسی شی مین مادہ کی جو مقدار ہوتی ہی وہ اسکی کمیت کہلاتی ہی،

مین ۱۹۰۵ء مین شایع کیا، پہلے وہ سوئٹزرلینڈ کے پٹینٹ دفتر مین ملازم تھا، اب وہ برلن مین پروفیسر ہے ۱۹۰۵ء سے اس نے اب تک متعدد مضامین شایع کئے ہین اور ۱۹۱۰ء کے اوائل سے اس نے اس نظریہ کو وسعت دینا شروع کیا، اب تک تو صرف زمان و فاصلہ سے بحث کرتا تھا اب اس نے کمیت کو بھی شامل کرلیا، کمیت، اور جمود، مادہ کی فطری خاصیتین ہین جن کا تعلق تجاذب سے بہت قوی ہے،

آئنسٹین کے نظریۂ اضافیت کے ارتقاء کے تین دور ہین:-

پہلا دور ۱۹۰۵ء سے قبل کا ہے، اس وقت دوسرے محققین نے داغ بیل ڈالدی تھی، جن کو مادہ کے برقاطیسی[1] نظریہ کی تلاش تھی، آئنسٹین نے سب سے پہلا نظریہ ۱۹۰۵ء مین قائم کیا اور ۱۹۱۶ء مین اس کو وسعت دیکر ایک کلیہ کی صورت مین پیش کیا،

نظریہ کی کیفیت

آئنسٹین کا اصلی نظریۂ اضافیت مکان و زمان کے شائع ہونے کے کچھ عرصہ بعد منکاوسکی[2] نے یہ بتلایا کہ آئنسٹین کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ اوس نے زمان کو چوتھا بعد قرار دیا ہے، اقلیدی مکان کے ابعاد ثلاثہ طول، عرض، اور عمق ہین۔ اس کا ذکر ہر ہندسہ کی کتاب مین ہے اور ہر شخص اس سے واقف ہے ذہن انسانی دو بعدی مکان کا مفہوم بھی قائم کرسکتا ہے چنانچہ ہندسۂ ثنوی اس کی دلیل ہے، نیز ایک بُعدی مکان بھی قرین فہم ہے جس کی مثال خط مستقیم ہے، لیکن ہمارا ذہن چار بُعدی مکان کا مفہوم قائم کرنے سے قاصر ہے، مگر طبیعیات مین جو ریاضی مساواتین استعمال کی جاتی ہین ان مین یہان طول، عرض، و عمق کا استعمال ہوتا ہے وہان زمان بھی شامل ہوتا ہے اور اس کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو بقیہ تین بُعدون کی ہے، اس بنیاد پر صرف ذہنی طور پر زمان کو چوتھا بُعد قرار دے سکتے ہین،

تمثیل

اس کی تمثیل ہم کو متحرک تصاویر یعنی سینما مین ملتی ہے، تماشا گاہ مین عریض پردے پر جو تصویرین تظلیل (سایہ افگن) کی جاتی ہین ان مین صرف دو بُعد ہوتے ہین، لیکن ہم ان کو

[1] برقاطیسی [= برقی + مقناطیسی] نظریہ وہ نظریہ ہے جسکی روسے نور، برق، مقناطیس ایک ہی حقیقت قرار پاتے ہین، [2] روسی عالم،

تین بُعد تصور کرتے ہین، جیسے کسی عکاسی تصویر (فوٹو) مین دو ہی بُعد ہوتے ہین اور اس مین تیسرا بُعد یعنی عمق کا پتہ نہین ہوتا، لیکن ہم اس مین عمق کا بھی تصور کرتے ہین،

غور طلب امر یہ ہے کہ سینما مین تصویرین حرکت کرتی نظر آتی ہین، ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہین وہ ایک ہی تصویر نہین جو متحرک ہو بلکہ وہ ایک سلسلۂ تصاویر ہے جس مین معین چیزین دکھلائی جاتی ہین، ایک تصویر جب دوسری تصویر کی جگہ لیتی ہے تو اس سرعت کے ساتھ کہ ہم کو اس کا علم نہین ہوتا، جب ہم ایک معمولی عکاسی تصویر کو دیکھتے ہین تو ہم مکان کا خیال تو قائم کرتے ہین لیکن زمان کا اس مین شائبہ تک نہین ہوتا، جب ہم ایک متحرک تصویر کو دیکھتے ہین تو مکان کے ساتھ ساتھ زمان کا بھی خیال ہمارے ذہن مین قائم ہوتا ہے، زمان کا یہ احساس آلۂ ظل انداز[1] کے اندرونی تصویر دار جھل پٹی (FILM) کی حرکت کا نتیجہ ہے، اس حرکت کا پردے پر کوئی جواب نہین ہے، اسی وجہ سے دیکھنے والے کو اس کا احساس نہین ہوتا، جہان تک اس مشاہد کا تعلق ہے آلۂ مذکور کی اندورنی جھل پٹی کی یہ حرکت ایک اور بعد مین ہے جس کو بعد زمانی کہنا چاہئے۔

عرصہ ہوا کہ یہ گمان پیش کیا گیا تھا کہ روزمرہ کی زندگی مین زمان کا جو احساس ہوتا ہے وہ ایک چوتھے مفروضہ بُعد مین غیر محسوس حرکت کا نتیجہ ہے، ہم ایسے لاانتہا عالمون کا وجود مان سکتے ہین جو ایک دوسرے کے قریب قریب متماثل ہون، ان مین کچھ نہ کچھ فرق تو ہو ہی گا، جب ہمارا شعور ایک ایسے عالم سے دوسرے عالم مین سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتا جائیگا تو اس فرق کو ہم اشیار کی حرکت سے تعبیر کر سکتے ہین، کسی ایک لمحہ مین ہم چار بُعدی مکان والے عالم کا بالکلیہ شعور نہین کر سکتے ہم کو صاف سہ بُعدی مکان کا شعور ہوتا ہے،

[1] یعنی وہ آلہ جس کے ذریعہ سے پردے پر تصویرین ڈالی جاتی ہین،

اس کی توضیح کے لئے ہم یہ تمثیل پیش کرتے ہین کہ فرض کیجئے کہ مکان مین صرف دو ہی بعد ہین، تو ایسے دو بعدی آدمی کا تصور کیجئے جو کسی حوض کے پانی کی سطح پر سکونت پذیر ہو اور جس کو صاف ان ہی مظاہر کا شعور ہو جو اس سطح پر واقع ہوتے ہون، بالفرض اگر پانی کی پنال (LWEL) ایک خاص شرح سے صعود کر رہی ہو تو ایسا آدمی کیا مشاہدہ کریگا؟ ایک چکنا نیزہ لیجئے اور اس کو انتصاباً (یعنی سیدھا کھڑا) پانی مین کچھ اندر اور کچھ باہر رکھئے، اب یہ چپٹا آدمی نیزے کی اس مدور تراش ہی کا مشاہدہ کرسکتا ہے جو پانی کی سطح سے بن جاتی ہے، اور اس کے لحاظ سے جون جون پنال اٹھیگی یہ تراش بظاہر ثابت المحل اور شکل مین مدور ہی نظر آتی رہیگی، پنال کا صعود مرور زمان کے مرادف ہے، ایسے آدمی کو اشیار کی ایسی تراشون کے صعود کا علم، ان مقامات پر جہان کہ وہ اشیار سطح کو قطع کرتی ہین، نہین ہوسکتا۔ لیکن اگر نیزہ انتصابی حالت سے کسی قدر مائل کر دیا جائے تو یہ سطحی آدمی فوراً کہیگا کہ نیزہ حرکت کر رہا ہے،، کیونکہ نیزہ اور آبی سطح کے تقاطع کا مقام، پنال کی بلندی کے ساتھ ساتھ اپنا محل بدلتا جائیگا، دو بعدی آدمی کے لئے نیزے کا وجود صرف اسی تراش تک محدود ہے

مزید بران اگر وہ ہوشیاری کے ساتھ مشاہدہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس کے متحرک یا مائل نیزے کی تراش گول نہین رہی بلکہ بیضوی ہو گئی ہے، اور اس کو لامحالہ اس نتیجہ پر پہونچنا پڑیگا کہ حرکت کی حالت مین اشیار کی شکل بدل جاتی ہے، ساتھ ہی اس کے اس کا فیصلہ یہ ہوگا کہ متحرک یا مائل نیزے سے اس وقت کا اظہار نہین ہوتا جو انتصابی نیزے سے ظاہر ہوتا تھا، یعنی اگر اس نیزے مین بھی کوئی سطحی آدمی رہتا جو وقت کو نیزے مین پانی چڑھنے کی رفتار سے پیمائش کرتا تو اس کے اور ہمارے دو بعدی آدمی کے وقتون مین فرق ہوتا؛

وقت بعد رابع

اس تمثیل کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہین، غالباً اکثر ناظرین کہین اس کو لغو نہ خیال کرنے لگے ہون، لیکن علمی مباحث مین کبھی کسی شی کو لغو نہین کہتے، بشرطیکہ وہ اپنے

موضوعہ مقاصد کو انجام دے، ہم یہ فرض کرسکتے ہین کہ زمان کے ساتھ جو نسبت ہم کو ہے وہی نسبت اس سطحی آدمی کو بیتال کے صعود سے ہی، اس مفروضہ سے ہم نتائج اخذ کرسکتے ہین اور اگر مشاہدات فطرت ان نتائج کی تصدیق کرین تو ہمارا مفروضہ درست اور صحیح ہوگا، جس طرح طبیعیات کے دیگر مفروضات درست ہوا کرتے ہین، ہمارا مفروضہ اپنے مفروضہ مقصد کو پورا کرتا ہی، پس اگر ہم یہ تسلیم کرلین کہ ہماری رفتار اس چوتھے یا زمانی بعد مین نور کی رفتار کے مساوی ہے، [اور آئنسٹین اور منکاوسکی کا نظریہ اپنی سادہ ترین شکل مین بھی ہی] تو اس مفروضہ سے ماخوذہ نتائج کی تصدیق مشاہدہ سے ہوتی معلوم ہوتی ہی، ایک متحرک کرہ ایک ثابت مشاہد کو بیضوی نظر آتا ہے، جیسے سطحی آدمی کو دائرہ بیضوی معلوم ہوا تھا،

منکاوسکی نے جو ریاضی شرح لکھی ہے اس مین زمان کو خیالی مانا ہی جس طرح جبر و مقابلہ مین مقادیر خیالی تصور کیجاتی ہین، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ہماری سطح آبی اور نیزہ والی تمثیل کو طول دے تو وہ ایسے نتائج پر پہنچے گا جو آئنسٹین کے مشاہدات سے کسی قدر مختلف ہونگے تاہم باوجود اس نقص کے یہ تمثیل ہمارے سامنے اضافیت کا اصل نقشہ ایک حد تک پیش کردیتی ہے،

اگر آئنسٹین کے زمانی مکان کو ہم ایک طبیعیاتی حقیقت تسلیم کرلین تو نہایت حیرت زا اور دلفریب تجربے ایجاد کئے جاسکتے ہین، مگر افسوس ہی کہ فی الحال ایسے تجربون کو عملی جامہ پہنانے کا کافی سامان موجود نہین ہی، مثلاً اگر ایک شخص کو ایسی رفتار سے حرکت دیجائے جو نور کے رفتار کے مساوی ہو یا اس سے لگ بھگ ہو، (بشرطیکہ وہ ایسی رفتار کے ہوتے ہوئے زندہ بھی رہ سکے) تو اس کے علائق زمانی مین ایک تغیر عظیم واقع ہو جائیگا یعنی جو ہمارے لئے مستقبل ہی وہ اس کے لئے حال ہو جائیگا، یا ہمارا حال اس کے لئے مستقبل ہو جائیگا، نیز وہ ہمارے لحاظ سے ایک ہی وقت مین کئی جگہ موجود ہوسکتا ہی، ایچ جی ویلز مشہور انگریزی علمی افسانہ نویس نے ایک افسانہ لکھا ہی

جس کا نام "وقت کی کل ہے"۔ اس مین ایک آدمی ایک ایسی مشین ایجاد کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ حسب منشار زمان مین حرکت کرسکتا ہی، اس نظریہ کی رو سے یہ انوکھا افسانہ نہین رہتا بلکہ عالم تخیل سے نکلکر طبیعیاتی ممکنات مین آجاتا ہی،

نظریۂ اضافیت کی ان عجیب وغریب پیچیدگیون مین الجھنا کچھ زیادہ مفید نہین، اس کی وجہ سے اس کی حقیقی علمی وقعت کا اندازہ نہ ہوسکیگا، یہ کہنا بھی صحیح نہین ہی کہ اس نظریہ کے بموجب اقلیدسی ہندسہ بالکل غلط قرار پاتا ہی، اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس ہندسہ مین زمان، طول اور کمیت مطلق کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہی، یہ کہنا درست ہوگا کہ اس سے نیوٹن کے کلیۂ تجاذب کا ابطال لازم آتا ہی یا یہ کہ زمانہ کا جو مفہوم ہم نے قائم کر رکھا ہی اس کو یہ غلط ٹہراتا ہی، اقلیدسی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات اپنے اپنے موضوع مقاصد کو سرانجام دیتے ہین، لیکن وہ بالکلیہ صادق نہین آتے، نظریۂ اضافیت کی نسبت خیال ہی کہ وہ ہر صورت مین صادق آتا ہی، ان مسئلون مین جن مین رفتارین عظیم نہ ہون اضافیت، اقلیدسی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات مین تحویل ہوجاتا ہی، لیکن جب رفتارین عظیم ہون تو نظریۂ اضافیت ان اثرات کا پتہ بتاتا ہی جو فطرت مین فی الحقیقت ظہور پذیر ہین لیکن نیوٹنی حرکیات سے ان کا پتہ نہین لگتا،

تمام طبیعیین اس نظریہ پر ایمان نہین لائے ہین، اور نہ ابھی تک اکثر ماہرین فن نے اس کو قبول کیا ہے، لیکن اس کو اگر کبھی قبول عام حاصل ہوا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ مثل دیگر کامیاب طبیعیاتی نظریون کے اس مین بھی نئے نئے مظاہر کے متعلق پیشینگوئی کرنے کی طاقت ہی، اور دنیا مین جتنے بھی مظاہر مشاہدہ مین آتے ہین سب کو ایک ہی سلسلہ مین منسلک کرنے کی قوت ہی، اس طرح یہ نظریہ تمام علوم طبعیہ پر صادق آتا ہی، اس مین بیشتر مکان وزمان اور مادہ کی بحث ہی، اور ضمنی طور پر نور اور برق کا بیان بھی آجاتا ہی، اس کے ذریعہ سے نیوٹن اور میکسول[1] دونون کے

---

[1] مشہور انگریز ریاضی دان جسنے برقاطیسی نظریہ قائم کیا،

کارنامے متحد ہو جاتے ہین،

روایت ہو کہ نیوٹن نے ایک سیب کو درخت سے زمین پر گرتے دیکھا اور اس سے اس نے سورج، چاند اور ستارون کے طلوع و غروب کا حساب لگایا، اگر یہ خبر صحیح ہے تو آئنسٹین نے ایک آدمی کو ایک بلند عمارت سے گرتے دیکھا اور بعد مین اس سے گرنے کی حالت مین احساسات کے متعلق سوال کیا، اس طرح نیوٹن سے بھی اس نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، ہر وہ شے جس کی توجیہ نیوٹن کر سکتا تھا آئنسٹین کے یہان بھی ممکن ہو لیکن اس کے علاوہ نیوٹن کے ماننے والے مریخ کے مدار کی خفیف سی تبدیلی کی توجیہ نہین کر سکتے تھے، آئنسٹین کر سکتا ہو، نور کے راستہ مین جو انحراف ہوتا تھا اور جس سے ہم اب تک بیخبر تھے آئنسٹین ہی نے اس کی طرف ہم کو توجہ دلائی، قطع نظر اس امر کے کہ یہ نظریۂ مکان و زمان و تجاذب جو آئنسٹین نے ایجاد کیا ہو عام طور سے قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ ہم اس جودتِ ذہنی پر تعجب کئے بغیر نہین رہ سکتے جس نے ایک چھت سے گرتے آدمی اور اس روشنی کے درمیان، جو ۱۹۱۹ء مین سورج کی طرف گرتی دکھائی دی تھی، ایک علاقہ ثابت کر دکھایا،

یہ خبر خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ جاپان کے علماء نے پروفیسر آئنسٹین کو مدعو کیا ہو اور اس نے اس دعوت کو قبول بھی کر لیا ہو، ایک جاپانی عالم نے جو اس نظریہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اُس سے مناظرہ کا ارادہ بھی کیا ہو، یہ مناظرہ اگر کبھی ہوا تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس مین علم کلام کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کی ترقیان اور تدریجی رفتار، اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہو، مدت ہوئی کہ ناپید ہو گئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت عہ،

"منیجر"

مترجمات

خاندان تغلق

کے متعلق

پانچ تاریخی سوالات

مترجمہ جناب سعید انصاری متعلم جامعہ ملیہ،

عنوان بالا سے ایک محققانہ مضمون رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جولائی ۱۹۲۲ء نمبر مین سر ولزلی ہیگ کے قلم سے نکلا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے پانچ سوالات قائم کرکے اس عہد کے بعض تحقیق طلب واقعات پر روشنی ڈالی ہے، اور وہ سوالات یہ ہین:۔

(۱) اس خاندان کا یہ نام کیونکر ہوا؟

(۲) اس بغاوت کے اصلی واقعات جو ۱۳۲۱ء مین ورنگل کی مہم کے موقع پر محمد جونا کی فوج مین ہوئی تھی، کیا تھے؟

(۳) سلطان غیاث الدین کا اپنے بیٹے محمد جونا سے بنگال کی اثنا رہم مین نارضگی کا کیا سبب تھا؟ اور بیٹے پر اپنے باپ کی موت کی ذمہ داری کہان تک ہے؟

(۴) محمد تغلق کے عہد حکومت کے تاریخ وار واقعات،

(۵) اس لڑکے کی ولدیت جسے احمد ایاز (خواجہ جہان) نے محمد تغلق کے مرنے پر تخت نشین کیا تھا، کیا تھی؟

ان سوالات مین سے پہلے تین کا تلخص ناظرین معارف کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہی، جو

زیادہ اہم اور دلچسپ ہین،

(سعید)

(۱) خاندان کا نام

اس نام (تغلق) کی تحقیق کے متعلق فرشتہ یہ لکھتا ہی کہ "ہندوستان کے مورخین متقدمین اور متاخرین ہر دو گروہ نے خاندان تغلق کی اصل کے متعلق محققانہ طور پر لکھنے کو ہمیشہ نظر انداز کردیا ہے، راقم الحروف محمد قاسم فرشتہ جب نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے اوائل حکومت مین بحیثیت سفیر ابراہیم عادل شاہ سلطان العصر کے دربار سے لاہور آیا، اس وقت مین نے اس کے متعلق ایسے اشخاص سے دریافت کیا جو سلاطین ہند کی تاریخ پڑھنے مین دلچسپی لیتے اور اس سے بخوبی واقفیت بھی رکھتے تھے۔ انھون نے اس کے بارے مین اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن اس قدر بتایا کہ روایت کے طور پر یہ مشہور ہی کہ ملک تغلق جو سلطان غیاث الدین تغلق کا باپ تھا، غیاث الدین بلبن کے ترکی غلامون مین سے ایک غلام تھا، اس نے جاٹون سے جو اسی ملک کے باشندے تھے، دوستی پیدا کرلی، ان جاٹون نے ملک تغلق کی شادی اپنے ہان کردی جس سے غیاث الدین تغلق پیدا ہوا، ملحقات[1] مین یہ لکھا ہی کہ "تغلق" اصل مین "قتلغ" تھا جو ایک ترکی زبان کا لفظ ہی اور ہندوستان کے لوگون نے تلفظ کرنے مین اس کو الٹ کر "تغلق" کردیا اور بعضون نے تو "قتلغ" سے "قتلو" بنا دیا۔"

"خلاصۃ التواریخ" میں یہ روایت یون بیان کیگئی ہے کہ "غیاث الدین تغلق شاہ کی مان پنجاب کی ایک "جاٹن" (جاٹ کی عورت) تھی، ابن بطوطہ اس کی اس طرح تصدیق

[1] اس سے غالباً شیخ عین الدین بیجاپوری کی ملحقات، مراد ہی۔

کرتا ہو کہ وہ (غیاث الدین تغلق شاہ) ایک قرونیہ ترک تھا جس کے معنی مارکو پولو نے مخلوط النسل کے لکھے ہین یعنی باپ ترکی ہو اور مان ہندی؛ [1]

اس روایت سے جسے متعدد راویون نے بیان کیا ہو، غیاث الدین تغلق کی نسل کا پتہ مان کی طرف سے تو چل جاتا ہو لیکن لفظ "تغلق" کی اصل حقیقت نہین ظاہر ہوتی۔ فرشتہ اور شیخ عین الدین نے جو کچھ بھی لکھا ہو وہ محض قیاس پر مبنی ہو جس طرح سے علم اللسان مین لفظ "پٹنہ" "پٹھان" سے مشتق بتایا جاتا ہو اور "خدیو" "خود" اور "دیو" سے مرکب بیان کیا جاتا ہے،

اس مین شبہہ نہین کہ تغلق کسی قبیلہ کا نام ہو اور خیال یہ ہو کہ غیاث الدین کا باپ ترکون کے اس قبیلہ سے تھا جو ختن کے قریب آباد تھا اور جسے سرآرل اسٹین نے اپنی کتاب (صحرائے کیتھے کے آثار) مین "تَغِلق" (تائے بالفتح ولام بالکسر) کے نام سے موسوم کیا ہو، تغلق خان (ملک تغلق) یا تو غیاث الدین بلبن کے ہاتھ بطور مال تجارت آگیا ہو یا مغلون کے حملہ سے بھاگ کر ہندوستان مین آکر پناہ لی ہو، موخرالذکر قیاس اس کے بیٹے کے اس افتخار کی مزید توضیح کرتا ہو "مین نے تاتاریون سے انتیس موقعون پر مقابلہ کیا اور شکست دی۔ اس بنا پر مین "الملک الغازی" کہلاتا ہون"، [2]

اب مختلف فیہ مسئلہ لفظ کا تلفظ رہا۔ لین پول نے اس کا تلفظ "تَغَلَق" [3] (تائے ولام بالفتح) کیا ہے اور سرآرل اسٹین نے "تَغِلق" (تائے بالفتح ولام بالکسر) لکھا ہو لیکن اس مسئلہ مین ابن بطوطہ کی تقلید زیادہ مناسب ہو وہ "تُغُلق" (تائے ولام بالضم) لکھتا ہے، یہ قیاس سے باہر ہے کہ اس نے اپنے مربی کے قبیلہ کے نام مین جسے وہ آٹھون پہر سنتا رہا ہو، غلطی کی ہو، گو عام طور پر وہ اس مسئلہ مین صحیح رہنما نہین بن سکتا کیونکہ "التمش" کو اس نے "للمش" لکھا ہو لیکن سلطان شمس الدین التمش اس کے

---

[1] کرانیکلس مصنفہ ٹامس صفحہ ۱۸۶ و صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ ۱۸۷۱ء، [2] کرانیکلس صفحہ ۱۹۲ مصنفہ ٹامس [3] اسلامی خاندان، مصنفہ لین پول صفحہ ۳۰۰ و صفحہ ۳۰۲

آنے سے ایک صدی قبل گزر چکا تھا اس لئے اس غلطی سے درگذر کیا جا سکتا ہے۔

بعض مورخین اس خاندان کے دوسرے بادشاہ کا نام "محمد ابن تغلق" لکھتے ہین۔ یہ ایک صریح غلطی ہے، کیونکہ تغلق، کسی شخص کا نام نہین جس سے ولدیت منسوب کیجائے بلکہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے اور ہر اہل قبیلہ کو اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ لکھنے کا حق ہے،

(۲) ورنگل کی پہلی مہم پر فوج کی بغاوت

سنہ ۷۲۱ھ مطابق سنہ ۱۳۲۱ء مین محمد جونا اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی طرف سے تلنگانہ کی ریاست فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ شہزادہ نے دیوگیر کے راستہ سے جسکا بعد مین "دولت آباد" نام رکھا گیا، حملہ کیا، راجہ، غیاث الدین تغلق کی حکمرانی تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا لیکن شہزادہ نے اسے منظور نہ کیا اور پایۂ تخت وارنگل کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ مین فوج مین بغاوت پھیل گئی جس کا سرکاری بیان ہمعصر مؤرخ ضیاء الدین برنی نے ان الفاظ مین دیا ہے:۔

"ایک ماہ سے زیادہ گذر گئے اور کوئی خط یا حکم دار الخلافہ سے نہین آیا، اس سے پہلے سلطان محمد کو دو یا تین احکامات عموماً ہر ہفتہ مین ملا کرتے تھے، سلطان محمد اور اس کے رفقا نے اس قطع رسل و رسائل کو کوئی اہمیت نہ دی، اس کی خبر فوج تک پہنچی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دستہ و رسالہ مین تشویش اور بدنظمی پیدا ہو گئی۔ عبید شاعر اور شیخ زادۂ دمشقی نے جو نہایت ہی کمینہ، بدبخت اور دروغ گو اشخاص تھے اور جنھون نے کسی ذریعہ سے سلطان محمد تک رسوخ حاصل کر لیا تھا، فوج مین یہ غلط افواہ پھیلا دی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا انتقال ہو گیا ہے، سلطنت کے معاملات مین بدنظمی پھیلی ہوئی ہے، کسی غاصب نے تخت پر قبضہ کر لیا ہے اور دہلی سے رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، پھر کیا تھا ہر شخص خود سر ہو گیا،

"انھین دونون کمبختون نے ایک اور جھوٹی خبر اڑا دی اور وہ یہ کہ ملک تمر، ملک تگین،

ملک مل افغانی، اور ملک کافور ان امرا سے یہ کہا کہ سلطان محمد تمھین سلطنت کا دشمن سمجھتا ہے اور چونکہ تم نے آپس مین سازش کر رکھی ہے، اس لئے تم باغی ہو اور تمھین علحدہ کر دیا ہے، حالانکہ تم لوگ علاء الدین خلجی کے عہد مین بڑے بڑے عہدون پر مامور تھے اور اس کی فوج کے بڑے بڑے افسر تمھین تھے، انھون نے یہ بھی کہا کہ شہزادہ کا ارادہ ہے کہ تم سب کو ایک ہی دن گرفتار کرکے قتل کرا دے۔ ان امرا نے ان دونون غدارون کو شہزادہ کے جلوت وخلوت مین ہمیشہ ساتھ دیکھا تھا، ان کی باتون کا یقین کر لیا اور آپس مین مشورہ کرکے اپنی اپنی فوج ساتھ لیکر علحدہ ہوگئے، ان کی علحدگی سے تمام فوج مین ایک عام ابتری پھیل گئی، ہندو، اسلامی فوج مین اس اختلال کے منتظر بیٹھے تھے، قلعون سے نکلکر خیمون کو لوٹا اور واپس چلے آئے، سلطان محمد نے دیوگیر کا رُخ کیا، راستہ مین ڈاک لانے والے ملے جن سے غیاث الدین تغلق کی خیر وعافیت معلوم ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ وہ چار دن امرا باہم برسر پیکار ہین، ان کی فوجون نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور ان کے اسلحے اور گھوڑے ہندوٗن کے ہاتھ لگ گئے ہین، سلطان محمد صحیح وسالم دیوگیر پہنچا اور پھر ساری فوج اکٹھی ہوگئی، ملک تمر گونڈوانہ بھاگ گیا اور وہین مرگیا، ملک تمر گورنر اودھ ہندوٗن کے ہاتھ سے مارا گیا جنھون نے اس کی کھال سلطان محمد کے پاس بھیجدی، ملک مل افغانی، عبید شاعر اور دوسرے بغاوت پھیلانے والے اشخاص سلطان محمد کے پاس دیوگیر بھیجدیے گئے، جس نے ان کی بیوی بچون کو پہلے سے گرفتار کر رکھا تھا، ان سب کو اس نے اپنے باپ کے پاس بھیجدیا، سلطان غیاث الدین نے ایک عام دربار منعقد کرکے عبید شاعر، ملک کافور اور دوسرے باغیون کی زندہ کھالین کھنچوائین، اور دون کو مع ان کے بیوی بچون کے ہاتھی کے پاوٗن تلے کچلوا ڈالا، ان سزاوٗن سے دیکھنے والون کے دل لرز گئے اور تمام شہر کانپ اٹھا،

برنی کے اس بیان کی تائید جو محمد تغلق اور اس کے جانشین فیروز تغلق کے دربار مین تھا، دیگر مورخین بدایونی اور فرشتہ نے بھی کی ہے، ان مین سے بعض نے کچھ اضافے بھی کئے ہین،

جن مین سب سے اہم بات یہ ہے کہ محمد تغلق خود دہلی واپس آیا اور مجرمون کی سزا کے وقت موجود تھا، فرشتہ کا یہ بیان ہو کہ فوج مین ایک وبا پھیل گئی تھی، جو واقعات پیش آئے ان کا سارا الزام عبید اور شیخ زادہ دمشقی کے سر ہے جو ایک طرف سلطان غیاث الدین اور اپنے آقا محمد تغلق دونون کے لئے غدار ثابت ہوئے اور دوسری جانب امرائے فوج کو ورغلایا، اس کا کچھ پتہ نہین چلتا کہ ان سازشون سے آخر ان کا مقصد کیا تھا؟

ابن بطوطہ نے جو اس واقعہ سے بارہ برس بعد محمد تغلق کے زمانۂ حکومت مین ہندوستان آیا، بالکل ہی مختلف قصہ بیان کیا ہی، وہ لکھتا ہو کہ "جب غیاث الدین تغلق نے دار الخلافہ مین اپنا قدم جما لیا تو اپنے بیٹے کو تلنگ کا علاقہ فتح کرنے کے لئے بھیجا، ہمراہ ایک کثیر فوج متعدد امرا مثلاً ملک تمور، ملک تگین، ملک کافور اور ملک بیرم وغیرہ کے کر دیا، جب محمد تغلق وہان پہنچا تو اس نے اپنے رفیق ملا عبید شاعر کو یہ حکم دیا کہ فوج مین یہ خبر مشتہر کر دے کہ سلطان تغلق کا انتقال ہو گیا ہی تاکہ لوگ یہ سنکر اس کی اطاعت قبول کر لین لیکن امیرون نے اس خبر کی تردید کی اور ہر ایک محمد تغلق سے بگڑ بیٹھا، امرا نے اس کے قتل کا ارادہ کیا لیکن ملک تمور نے ایسا کرنے سے روکا، محمد تغلق مع دس وفادار سوارون کے اپنے باپ کے پاس بھاگ کے چلا گیا، باپ نے مال و دولت اور تازہ فوج کو ساتھ کر کے اُسے پھر واپس بھیجا، اور جب اسے اس خبر کا علم ہوا تو اس نے ملا عبید کو قتل کروا ڈالا اور حکم دیا کہ ملک کافور کو الٹا چنوا دیا جائے، یہان تک کہ وہ مر جائے، بقیہ امرا سلطان شمس الدین بن سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین بلبن کے پاس بھاگ کر بنگال چلے گئے"،

ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق باغی اور غدار خود محمد تغلق ثابت ہوتا ہے جس نے فوج کو ورغلا کر تخت حاصل کرنیکی کوشش کی اور اپنے کارپردازون کو باپ کے ہدف انتقام کے لئے چھوڑ دیا، اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہو کہ محمد تغلق خود کو شہنشاہ تسلیم کرانے مین ناکام ہو کر اپنے موٴیدین یا

مخالفین سے پہلے ہی دہلی پہنچگیا تھا، اور اپنے باپ کو فوج کی بغاوت کی اطلاع خود کی جسے بعد مین برنی نے لیا، برنی محمد تغلق کے معائب سے چشم پوشی نہین کرتا، بلکہ انھین کے ساتھ ساتھ وہ اس کے محاسن اور اس کی مسلم قابلیت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ایک درباری سے بھلا یہ کب ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ ابن بطوطہ کی طرح محمد تغلق کو باغی ثابت کرے، ابن بطوطہ ہر خوف و خطر سے آزاد تھا، کیونکہ اس نے اپنے سفر کے حالات اس وقت شایع کئے جب وہ اپنے دور دست وطن مین پہنچ چکا تھا، ابن بطوطہ ایک باریک بین اور دوراندیش شخص تھا، محمد تغلق کا ممنون احسان بھی تھا، پھر اس کے دامن اخلاق پر غلط دھبہ لگانے کی اس کی نیت کبھی نہین ہوسکتی تھی۔ اس پر زور دینے کی چندان ضرورت نہین کہ برنی کے بیان پر ابن بطوطہ کے بیان کو ترجیح ہے اور یہ عام طور پر مسلم شدہ بھی ہے لیکن اس کے تسلیم کرنے مین دو دقتین رہجاتی ہین ایک یہ کہ غیاث الدین نے دوسری مہم کی کمان پھر اپنے بیٹے کے سپرد کیسے کی؛ دوسری دقت یہ ہے کہ بنگال کی مہم مین دہلی سے غیر حاضری کے وقت اپنا قائم مقام محمد تغلق کو کیسے مقرر کیا؟

معلوم یہ ہوتا ہے کہ محمد تغلق نے اپنے باپ کو اپنے اس جرم سے تلنگانہ کی دوسری روانگی تک بے خبر رکھا، ابن بطوطہ کے بیان سے یہ یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق کا جرم اس کے دہلی چھوڑنے تک ظاہر نہین ہوسکا، برنی لکھتا ہے کہ "پھر چار ماہ کے بعد سلطان غیاث الدین نے سلطان محمد کو ایک کثیر فوج کی کمان دیکر ورنگل کی جانب بھیجا" یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ غیاث الدین اپنے بیٹے کے جرم سے چار مہینہ تک بے خبر رہے، ممکن ہے کہ دوسری فوج کی روانگی اس مدت سے پیشتر عمل مین آئی ہو جتنا برنی نے لکھا ہے اور غالباً دہلی سے دیوگیر تک پہنچنے مین چار ماہ لگے ہون،

دوسری دقت یعنی محمد جونا کا تقرر اپنے باپ کی عدم موجودگی مین بحیثیت قائم مقام، کی توجیہ اس قدر آسان نہین ہے، مسٹر تھامس اس کو غیاث الدین کی بیوقوفی اور دیوانہ پن پر محمول کرتے ہین، لیکن غیاث الدین کے حالات زندگی مین اس قسم کی غلطیون کا پتہ اور کہین نہین چلتا؛

ہمارا خیال یہ ہو کہ تلنگانہ کی شاندار فتح کی خوشی مین غیاث الدین نے محمد تغلق کے اس جرم کو معاف کردیا ہو یا اس خیال سے کہ پایہ تخت کے وفادار امرا اور افواج کے درمیان وہ کم خطرناک رہیگا بہ نسبت اس کے تلنگانہ مین تقریباً خود مختار فوجون کی سرداری مین رہے، اسے دہلی بلاکر اپنا قائم مقام رکھا ہو، ان مین سے دوسرا قیاس امکان سے قریب تر معلوم ہوتا ہے،

(۴) سلطان غیاث الدین کی بیٹے سے وجہ ناراضگی اور مؤخر الذکر پر باپ کی موت کی ذمہ داری

جس وقت محمد جونا دوسری مہم پر تلنگانہ مین تھا، اسکے باپ غیاث الدین سے بنگال کے حکمران نے امداد طلب کی، خاندان غلامان کے آخری چراغ معیز الدین کیقباد کی کمزور حکومت کے زمانہ سے غیاث الدین بلبن کی اولاد بنگال مین خود مختار بن بیٹھی تھی، شمس الدین فیروز، غیاث الدین بلبن کے پوتے نے اپنے بیٹے غیاث الدین بہادر کو شرقی بنگال کا حاکم مقرر کیا اور خود ۱۳۱۸ء مین ایک دوسرے بیٹے شہاب الدین بغرا کو بنگال کی تخت نشینی کیلئے چھوڑ کر مرگیا، غیاث الدین بہادر (حاکم شرقی بنگال) نے اپنے بھائی کی حکومت تسلیم نہین کی اور ۱۳۱۹ء مین اس کو شکست دیکر سارا بنگال اپنے قبضہ مین کرلیا۔ شہاب الدین اپنے ایک دوسرے بھائی ناصر الدین کے ساتھ بھاگ کر دہلی چلا گیا اور غیاث الدین تغلق سے امداد چاہی، اس نے اس مہم کی سربراہی خود کرنے کا تصفیہ کیا اور اپنی عدم موجودگی مین دہلی کی حکومت کے لئے اپنے بیٹے محمد تغلق کو تلنگانہ سے بلالیا،

اسی زمانہ مین نظام الدین اولیا دہلی مین موجود تھے۔ نظام الدین احمد مورخ "طبقات اکبری" مین یہ لکھتا ہو کہ سلطان غیاث الدین تغلق اور ان کے تعلقات کچھ کشیدہ ہوگئے تھے لیکن وہ کوئی وجہ کشیدگی نہین ظاہر کرتا۔ لیکن نظام الدین اولیا کے حالات زندگی مین جو اس نے اپنی تاریخ کے خاتمہ پر لکھے ہین، ان کے اختلاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے:-

"قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کے بعد جب ناصر الدین خسرو دہلی کے تخت پر بیٹھا تو

اس نے نہایت فیضی کے ساتھ شاہی خزانہ کو لٹایا اور مذہبی عنصر کو ہمنوا بنانے کی غرض سے اس نے مشائخین اور پیشوایان دین کو بھی شامل کرلیا، ان مین بعضون نے لینے سے انکار کردیا اور بعضون نے بجز نظام الدین اولیا کے جو لینے سے انکار کرتے ہوئے ڈرتے تھے، بطور امانت رکھ چھوڑا اس خیال سے کہ اس کے بعد جب کوئی ذمہ دار حکمران آئیگا تو وہ اس زر و مال کا مطالبہ جو اس بیدردی سے لٹایا گیا ہی ضرور کریگا، غیاث الدین تغلق نے آخران کی امید کے موافق ان سے وہ رقمین وصول کین، تمام دیگر شیوخ نے جو کچھ لیا تھا، واپس کردیا لیکن نظام الدین اولیا نے چونکہ اپنے حصہ کی رسم خرچ کرڈالی تھی، سلطان کے مطالبہ کا کچھ جواب ندیا، غیاث الدین تغلق ان کی اس گستاخی سے بہت ناراض ہوا اور شیخ کے بعض دشمنون کے کہنے پر انھین ترپن[۵۳] علما کی عدالت مین اس جرم پر طلب کیا کہ وہ خلاف قانون ناچ رنگ کی محفلین منعقد کرتے ہین، انجام کار فیصلہ شیخ کے حق مین ہوا لیکن شیخ و سلطان کے تعلقات کچھ بہتر نہ ہوسکے،،

ابن بطوطہ یہ لکھتا ہی کہ محمد جونا شیخ کا مرید تھا اور جب شیخ کو حال آتا تو اسی حالت مین وہ ان کے پاس جایا کرتا، کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ اس حالت مین شیخ کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہین وہ آئندہ سچ ثابت ہوتے ہین، ایک موقع پر شیخ نے محمد تغلق سے یہ کہدیا،، جاؤ ہم تم کو بادشاہت دیدیتے ہین،، غالبًا یہی وہ کلمات تھے جنکو سنکر سلطان غیاث الدین کا غصہ دوبالا ہوگیا، نظام الدین احمد نے طبقات اکبری مین لکھا ہی کہ سلطان نے بنگال سے شیخ کے پاس کہلا بھیجا کہ اچھا واپس آکر سمجھ لونگا، شیخ نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ہنوز دلی دوراست"، اور اس وقت سے یہ فقرہ ضرب المثل بنگیا، بالآخر یہ دھمکی سچ ہوئی اور سلطان کوئی انتقام نہ لے سکا،

ابن[۱] بطوطہ کے بیان کے لحاظ سے سلطان کی واپسی سے قبل شیخ کا انتقال ہوگیا اور محمد جونا

---

[۱] دوسرے بیانات کے مطابق شیخ نظام الدین اولیا، غیاث الدین تغلق کے ایک یا دو ماہ بعد تک زندہ رہے، اور سلطان کی دھمکی خوشی اس کے بیٹے اور شیخ کے عام تعلقات کی بنا پر تھے۔

نے ان کے جنازہ میں شرکت کی، غیاث الدین نے جب اپنے معتوب کی اس عزت و احترام کا حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک خط لکھا جس میں ولیعہدی سے محروم کر دینے کی دھمکی دی، نیز یہ الزام دیا کہ اس کی ان حرکات سے اسکی وفاداری پر دھبہ آتا ہی، اس موقع پر مختلف نجومیوں نے یہ پیشینگوئی کی کہ سلطان دہلی لوٹ کر کبھی نہ آئیگا لیکن غیاث الدین نے جو اس مہم میں کامیاب رہا، یہ سنکر ان سے انتقام لینے کیلئے تیزی سے روانہ ہوا۔

محمد جونا نے جب اپنے باپ کی واپسی کی خبر سنی تو اس کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا۔ اس نے تغلق آباد (دہلی کا دوسرا نام ہی) سے ۵، ۶ میل کے فاصلہ پر لکڑی کا ایک خیمہ نصب کیا، تمام مورخین نے اس مقام کا نام جہان یہ خیمہ نصب کیا گیا، افغان پور لکھا ہی لیکن آج کل تغلق آباد، کے قریب کوئی مقام اس نام کا نہیں ہی، میرا خیال یہ ہی کہ خیمہ، اغوان پور، میں نصب کیا گیا ہوگا جو تغلق آباد، سے ۵ میل پر ایک گاؤن ہی ممکن ہی کہ موجودہ نام، افغان پور، کی بگڑی ہوئی صورت ہو یا مسلمان مورخین نے ہندی نام کو بدل کر یہ بنا لیا ہو جیسا وہ بعض اوقات کرتے ہین،

بہر حال بیٹے نے سلطان کا خیر مقدم اس خیمہ مین ادا کیا، جو بعد مین اس پر گر پڑا اور سلطان وہین دب کر مر گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ آیا خیمہ اتفاق سے گر پڑا یا عمداً گرایا گیا، اور محمد تغلق پر باپ کی موت کی ذمہ داری کہان تک ہی، اس کے لئے مختلف مورخین کے بیانات سننے چاہئین،

برنی جو محمد تغلق کو اپنے باپ کے قتل سے متہم کرنیکی کوشش کبھی نہین کر سکتا، یہ لکھتا ہی:-

"جب سلطان محمد نے سنا کہ سلطان تغلق دار الخلافہ تغلق آباد کو واپس آرہا ہی تو اس نے حکم دیا کہ افغان پور، مین ایک چھوٹا سا خیمہ بنایا جائے تاکہ سلطان رات وہین بسر کرکے صبح تغلق آباد وہین شاہی جلوس کے ساتھ داخل ہو، شہر مین اس کے لئے بڑی بڑی تیاریان کی گئین، سلطان محمد مع امرا اور اعیان سلطنت اپنے باپ سے ملنے کیلئے آگے بڑھا اور رسم قدمبوسی بجالایا، اس وقت

جبکہ سلطان کا کھانا چنا جا رہا تھا اور امرا و اراکین ہاتھ دہونے کیلئے باہر گئے ہوئے تھے، ایک ایسی آفت نازل ہوئی جیسے کوئی بجلی آسمان سے مخلوق زمین پر گرے، جس چبوترہ پر سلطان تغلق بیٹھا ہوا تھا، اس کی چھت یکایک گری اور سلطان مع پانچ یا چھ اشخاص کے چھت کے نیچے دب کر مرگیا"؛

ایلیٹ، ڈاؤسن اور رینکنگ نے "بجلی" کو لفظی معنی مین لیا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ "آسمان سے ایک بجلی زمین پر گری اور جس چھت کے نیچے سلطان بیٹھا ہوا تھا، وہ گر پڑی جس سے وہ اور پانچ یا چھ دوسرے اشخاص دب کر مر گئے"؛

یہ ترجمہ کی غلطی ہے، اگر برنی کو یہ کہنا مقصود ہوتا کہ خیمہ پر بجلی گر پڑی تو وہ صاعقۂ بلائے آسمانی کی بجائے "بلائے صاعقۂ آسمانی" لکھتا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاعقہ، کا لفظ اس نے استعارۃً استعمال کیا ہے؛

بعد کے مورخین جو برنی کے پلہ کے کسی طرح نہین ہو سکتے، تاہم ان کے بیانات پڑھنے کے قابل ہین، نظام الدین احمد نے "طبقات اکبری" مین اس طرح لکھا ہے:-

"جب الغ خان (محمد جونا) نے اپنے باپ کی واپسی سنی تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ نبوایا تاکہ سلطان جب آئے تو رات یہین بسر کرے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہی استقبال کیلئے تمام ضروری سامان مکمل ہو جائین تو وہ شہر مین داخل ہو، جب سلطان خیمہ کے قریب پہنچا تو تغلق آباد مین خوشیان منائی جارہی تھین، الغ خان مع امرا اور روسائے شہر اس کے استقبال کے لئے نکلا، سلطان تغلق شاہ خیمہ مین بیٹھا اور خاص خاص کھانے اس کے لئے لائے گئے کھانا جب ختم ہو چکا تو لوگ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئے لیکن سلطان ہاتھ دھونے کی غرض سے اندر ہی رہ گیا، اتنے مین چھت گری اور سلطان اس کے نیچے دب کر مرگیا، اس کی مدت حکومت چار سال اور کچھ ماہ ہے"؛

"بعض تاریخون مین یہ مذکور ہو کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا اور لوگون نے اس کے گرد ہاتھی دوڑائے (جو سلطان اپنے ہمراہ بنگال سے لایا تھا) جس سے زمین دہل اٹھی اور چھت گر پڑی، دور اندیش طبائع سے یہ مخفی نہین رہ سکتا کہ ایسے خیمہ کی تعمیر سے جس کی اتنی کوئی ضرورت نہ تھی، قدرتاً یہ شبہہ پیدا ہوتا ہو کہ الغ خان نے اپنے باپ کی موت کی پیشبندی کر رکھی تھی، یہ بھی ظاہر ہے کہ مصنف طبقات فیروز شاہی، (برنی) نے چونکہ اپنی تصنیف سلطان فیروز کے عہد مین لکھی جو سلطان محمد کا بہت ہی احترام کرتا تھا، اس لئے اس نے فیروز کے خیال سے اس واقعہ کو ظاہر کرنے سے گریز کیا ہوگا، بہرحال مین نے یہ واقعہ اکثر معتبر اشخاص کی زبانی سنا ہو"

نظام الدین احمد اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے اُس دھمکی کا بھی ذکر کرتا ہو جو سلطان نے شیخ کو بنگال سے دی تھی اور پھر شیخ کا جواب بھی لکھتا ہو،

بدایونی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہو:-

"سلطان تغلق شاہ اپنے ہمراہ بہادر شاہ (حاکم بنگال) کو لیکر دہلی منصور و فتحمند لوٹا۔ الغ خان نے اس خبر کے سنتے ہی حکم دیا کہ فوراً افغان پور کے قریب ایک بلند عمدہ محل تیار کیا جائے، تین دن مین یہ بنکر تیار ہوگیا، تاکہ سلطان پہلے یہین اترے اور رات ارام سے گزار کر تزک و احتشام کے ساتھ پھر تغلق آباد مین داخل ہو،

"سلطان وہان پہنچا اور الغ خان مع امرا اور روسا کے اس سے ملنے کو گیا، اس کے استقبال مین اس نے ایک دعوت بھی کی، سلطان نے حکم دیا کہ ہاتھیون کی ایک دوڑ کرائی جائے اور چونکہ محل کی بنیاد ابھی تازہ پڑی تھی، ہاتھیون کے دھماکے سے متزلزل ہونے لگی، یہ دیکھکر کہ سلطان اٹھ رہا ہو، لوگ بغیر ہاتھ دھوئے خیمے سے باہر نکل آئے، سلطان تغلق شاہ ہاتھ دھوتا ہی رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا اور محل اس کے اوپر گر پڑا،

"ہم کو اس واقعہ سے چشم پوشی نہین کرنی چاہئے کہ ایسے محل بنوانے سے جو بالکل غیر ضروری تھا یہ شبہہ پیدا ہوتا ہی کہ الغ خان نے اسے بلا بنیاد کے بنوایا ہو جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہی، لیکن مصنف "تاریخ فیروز شاہی" اس کا کوئی تذکرہ نہین کرتا ہے اس نے شاید فیروز کی خوشامد اور اس کے لحاظ کی وجہ سے ایسا کیا ہو"

بدایونی نے بھی بادشاہ کی دھمکی اور شیخ کے جواب کا ذکر کیا ہی،

فرشتہ اس مسئلہ پر اس طرح بحث کرتا ہے:-

"جب الغ خان نے سنا کہ اس کا باپ واپس آرہا ہے تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب پہونچے تو رات وہین گزارے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہانہ خیر مقدم کی تیاریان مکمل ہو جائین تو وہ شان کے ساتھ شہر مین داخل ہو، سلطان وہان پہنچکر اترا اور تغلق آباد مین ہر طرح کی خوشیان منائی جارہی تھین، دوسرے دن صبح کو الغ خان اور دیگر امرا کو سلطان نے شرف دست بوسی بخشا، اور اس کے بعد تمام لوگون کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا، جب دسترخوان اٹھایا جارہا تھا اور لوگون نے یہ سمجھا کہ بادشاہ اٹھنے کو ہے، وہ بلا ہاتھ دھوئے باہر نکل آئے، الغ خان جس کی موت کی گھڑی ابھی نہین آئی تھی، اس غرض سے باہر نکلا کہ گھوڑون اور ہاتھیون کی صف آرائی کرے، اس عرصہ مین چھت گری اور سلطان نے مع پانچ اشخاص کے خدائے تعالیٰ کی آغوش رحمت مین جگہ پائی،

"بعض تاریخون مین یہ لکھا ہی کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا، ہاتھیون کے دھمک سے گر پڑا، اور بعض مورخون نے یہ کہا ہے کہ ایسے خیمہ کی تعمیر جو غیر ضروری تھا، یہ شبہہ پیدا کرتی ہے کہ الغ خان نے اپنے باپ کی موت کے لئے پہلے ہی سے یہ تدبیرین کر لی تھین، ضیاء برنی نے جس نے اپنی تاریخ فیروز کے عہد مین لکھی، سلطان کے خوف سے اظہار حقیقت سے پہلو تہی کی، لیکن دانشمند اصحاب

پر یہ امر واضح ہو کہ یہ بیان سراسر خلاف عقل ہی، کیونکہ الغ خان اپنے باپ کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا ہوا تھا، اس معجزہ کی اسے کہان طاقت کہ خیمہ عین اس وقت گرے جب وہ باہر نکلے؛ سب سے پر لطف قصہ صدر جہان گجراتی کا ہی، اس نے اپنی تاریخ مین لکھا ہی کہ "الغ خان نے ایک طلسم کے ذریعہ سے خیمہ بنایا تھا، چنانچہ جس وقت طلسم ٹوٹا، فوراً چھت گر پڑی،، حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ مین یہ بیان کیا ہے کہ جب سلطان ہاتھ دھونے مین مصروف تھا، ایک بجلی آسمان سے نازل ہوئی اور چھت ٹوٹ کر اس کے سر پر گری، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح واقعہ کی خبر خدا ہی کو ہے"

ان بیانات مین چھوٹے چھوٹے اختلافات چندان قابل لحاظ نہین، فرشتہ کا اشارہ "بعض مورخین" سے نظام الدین احمد پر ایک مخفی حملہ ہے کیونکہ اس کی یہ عادت ہی کہ جس ہانڈی مین کھاتا ہی اسی مین چھید کرتا ہے، حاجی محمد قندھاری کا بیان غالباً برنی کے نقطہ کی غلط فہمی کی بنا پر ہے، فرشتہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ محمد جونا کی مدافعت کر رہا ہے لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے جو عینی شہادت پر مبنی ہی ساری حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ "عمارت زیادہ تر لکڑی کی بنی تھی اور لکڑی ہی کی بنیاد پر قائم بھی تھی، مشہور ملک زادہ اور احمد بن ایاز (خواجہ جہان) کی نگرانی مین تیار ہوئی تھی" ابن بطوطہ نے عمارت کی اصلیت یہ بیان کی ہی،، اس عمارت کی تعمیر مین جو راز مضمر تھا وہ یہ کہ اسکی ساخت اس طریقہ پر تھی کہ جب ہاتھی اس کے کسی جانب سے گزرین تو وہ فوراً گرجائے" مورخ مذکور نے اس سازش کی تفصیل سے بحث نہین کی لیکن اس کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ صدر جہان کا سارا طلسم یہ تھا کہ بنیاد سے ایک شہتیر ایسا لگایا گیا تھا کہ ہاتھی کے گذرتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھسک جائے اور ساری عمارت گر پڑے، ابن بطوطہ اس واقعہ کو ان الفاظ مین بیان کرتا ہے:-

"سلطان خیمہ مین اترا، امرا و اعیان سلطنت دعوت کھا کر منتشر ہو گئے، محمد نے اپنے باپ سے ہاتھیون کو صف آرا کرنے کی اجازت چاہی اور وہ راضی ہو گیا، شیخ رکن الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اور

سلطان کا عزیز بیٹا محمود دونون اس کے ساتھ تھے، محمد نے اگر شیخ سے کہا کہ اب شام ہوگئی ہے، چلئے آرام کیجئے؛ شیخ اتر آئے اور ہاتھی خیمہ کے ایک جانب لائے گئے، ان کے آتے ہی خیمہ سلطان اور اسکے بیٹے محمود پر گر پڑا، شیخ نے یہ مجھ سے کہا کہ مین یہ آواز سنکر لوٹا اور کیا دیکھتا ہون کہ خیمہ سلطان کے اوپر گر پڑا ہے؛ شہزادے نے حکم دیا کہ کلہاڑیان اور پھاوڑے لاکر اسے نکالین، لوگ غروب آفتاب کے وقت لائے اور کھودا، سلطان اپنے بیٹے محمود کے اوپر اس طرح لپٹا ہوا پایا گیا گویا اسے بچا رہا تھا، بعض یہ کہتے ہین کہ سلطان جب کھود کر نکالا گیا تو مر چکا تھا، اور بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ زندہ تھا، اس کے بیٹے محمد نے اس کے دفن کرنے کا سامان کیا اور رات ہی کے وقت وہ تغلق آباد سے باہر اس قبر مین جسے اس نے اپنے لئے بنوا رکھی تھی، دفن کیا گیا ...... اس سازش کی بنا پر جو امیر خواجہ جہان (احمد بن ایاز) نے اس عمارت کی تعمیر مین کی تھی، وہ سلطان محمد تغلق کا محبوب نظر بن گیا اور سب سے بڑے عہدہ پر مامور کیا گیا؛

ابن بطوطہ کا غیر جانبدارانہ بیان فیصلہ قطعی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی شہادت پر مبنی ہے جو خود موقع پر موجود تھا، ہاتھیون کی صف آرائی خود محمد جونا کی تجویز سے عمل مین آئی جس کے سبب سے یہ بلا نازل ہوئی اور احمد بن ایاز کا جو غیاث الدین تغلق کے عہد مین ایک معمولی نگران عمارت تھا، محمد تغلق کی تخت نشینی پر یکایک وزیر سلطنت کے عہدہ پر پہنچنا سلسلۂ شہادت کی تکمیل کر دیتا ہے؛

تلخیص و تبصرہ

سلمان ساوجی

خاک ایران کے ان علمی فرزندون مین سے جنھون نے جدید تعلیم سے فیض پاکر اپنی زندگی کا بڑا فرض اپنے بزرگون کی معنوی دولت کی حفاظت اور ترقی قرار دیا ہی، ایک مرزا عبداللہ بن عبدالغفار تبریزی ہین، میرزا موصوف روسی زبان مین کامل دستگاہ رکھتے ہین اور اپنی عمر کا بڑا حصہ روسی تعلیم گاہون مین صرف کیا ہی، جنگ سے پہلے وہ ماسکو کے مدرسۃ السنۂ شرقیہ مین پروفیسر تھے، انقلاب روس کے بعد وہ اسٹریا چلے آئے اور اب تک وہین مقیم ہین، موصوف نے ایرانشہر برلن (صفر ۱۳۴۱ھ) مین سلمان ساوجی پر ایک مختصر مضمون لکھا ہی جس کی ہم ذیل مین تلخیص کرتے ہین،

آٹھوین صدی ہجری مین خاک پاک ایران سے جو نامور شعراء پیدا ہوئے ان کے سرخیل یقیناً خواجہ حافظ شیرازی ہین، لیکن حافظ کے بعد جس کا نام لیا جاسکتا ہی وہ سلمان ساوجی ہی، سلمان کی ولادت کا سال ۶۹۲ھ اور وفات کا ۷۷۸ھ ہی، سلمان کی غزل سرائی کی عمر، خواجہ حافظ کی شیرین نوائی کی عمر سے دس سال بڑی ہی، مشرقی ایران کی بزم سخن شاہان آل مظفر کی سرپرستی مین حافظ کے دم سے روشن تھی، تو شمالی مغربی ایران کا گلشن سخن جلائری سلاطین کی باغبانی مین سلمان ساوجی کے نغمۂ ترنم سے معمور تھا، آل مظفر کا پایہ تخت شیراز تھا اور جلائری خاندان کا تبریز، خواجہ حافظ شیراز مین چہک رہے تھے، اور سلمان تبریز مین،

باوجود اس کامل ہمسری اور ہمعصری کے یہ واقعہ تعجب انگیز ہو کہ حافظ کا دیوان آج بچہ بچہ کے ہاتھ مین ہو لیکن سلمان کا دیوان بڑے بوڑھون کی بغل مین بھی نظر نہین آتا، دنیا مین فارسی ادبیات کا کوئی اہل ذوق ایسا نہو گا جو حافظ سے آشنا نہو، دنیا کی مختلف زبانون مین ان کے دیوان کے تراجم موجود ہین، دنیائے تمدن کے ہر گوشہ مین ان کے دیوان کے اعلیٰ وادنیٰ سینکڑون اڈیشن شائع ہو چکے ہین، مگر سلمان کا دیوان اب تک فراموشی کے طاق پر گرد آلود پڑا ہے، یہان تک کہ خود ایران مین بھی اس کا کوئی کامل نسخہ چھپکر شائع نہین ہوا ہو، اس سوال کا جواب مشہور جرمن شاعر گوئٹے (GOUTHE) نے ایرانی شعراء کی مدح وستائش کی تقریب مین جو الفاظ کہے ہین ان سے ممکن ہو، وہ کہتا ہے :-

"اہل ایران نے اپنے قدیم شعراء مین سے صرف سات نامورون کو چن لیا ہے، حالانکہ باقی ماندہ اشخاص مین بہت سے ایسے شعراء ہین جو مجھ سے بمراتب بہتر ہین"

ماسکو کے مدرسۃ السنۂ مشرقیہ لازاروف مین، سلمان کے کلیات کا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۶۷۷۸) نہایت عمدہ اور نہایت نادر موجود ہو، اس کی سب سے بڑی ندرت اور قیمت یہ ہو کہ یہ سلمان کے ان تمام نسخون سے سب سے زیادہ مکمل ہو، جو یورپ کے مختلف مشرقی کتبخانون مین ہین، اور جو ان کی فہرستون مین مذکور ہین، افسوس ہو کہ اس نسخہ پر کتابت کی تاریخ درج نہین، مگر خط سے اندازہ ہوتا ہو کہ یہ تیموری سلطنت کے اواخر عہد مین بلکہ سلطنت صفویہ کے اوائل مین لکھا گیا ہو، اس فرض کی بنا پر یہ نسخہ سلمان کے ڈیڑھ سو برس کے بعد تکمیل پایا ہو، ماسکو کے مدرسۃ السنۂ مشرقیہ کے کتابخانہ مین ایک نسخہ بمبئی کا چھپا ہوا بھی موجود ہو، اس نسخہ پر بھی تاریخ درج نہین ہو لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ ۱۸۹۰ء مین چھپا ہو، گوکہ یہ کلیات کے نام سے چھپا ہو لیکن یہ بالکل نامکمل ہو،

سنہ ۱۹۱۱ء مین، خاکسار نے سلمان کی پہلی بیس غزلین اسی قلمی نسخہ سے نقل کر کے اور مذکورہ

مطبوعہ نسخہ سے مطابقت کرکے روسی ترجمہ کے ساتھ "الشرقیات" کے مجموعہ مین چھپوایا تھا، یہ مجموعہ مشہور روسی مستشرق الکسی دیسے لودسکی (WEASOLOESKY) کی سی سالہ جشن پروفیسری کی تقریب مین پروفیسر موصوف کے دوستون اور شاگردون نے ترتیب دیا تھا؛

اس کے بعد اسی قلمی نسخہ سے لیکر "جمشید و خورشید" کی داستان کی نقل کرکے چھپوانیکا مصمم ارادہ تھا کہ یہ منحوس جنگ شروع ہوگئی، اور اس کے بعد روس مین ایسے انقلابات پیش آئے کہ یہ تمنا پوری نہ ہوسکی، سلمان نے داستان مذکور کو اس خوبی سے نظم کیا ہو کہ اگر یہ ذوق شناسان سخن کے پاس نہ پہونچے تو یہ سلمان کی روح پر ظلم ہوگا،

خط میخی کے اکتشاف کی تاریخ

ایران کی قدیم عمارتون پر سینکڑون سنگی کتبے اور نوشتے ایک خاص خط مین منقوش ہین جس کو اب خط میخی کہتے ہین، کہ ان کی ظاہری شکل میخ اور کیل سے مشابہ ہے، یہ قدیم خط ہمیشہ سے معما تھا یہان تک کہ انیسوین صدی کے دوسرے سال مین یہ یورپ کے مستشرقین اور سیاحون کی مسلسل کوششون اور محنتون سے حل ہوا، اور ان کو پڑھکر قدیم ایران کی مردہ تاریخ کے بہت سے واقعات زندہ ہوئے، اور بہت سے گذشتہ بادشاہون کے نام جو یونانی تلفظ مین کچھ سے کچھ ہوگئے تھے ان کی تصحیح ہوئی،

اس خط کے اکتشاف اور حل کی تاریخ ہم کو اس لئے پڑھنا چاہئے تاکہ ہم کو مستشرقین کی ان محنتون اور کاوشون کا اندازہ ہو جو وہ علم کے شوق مین غیر قومون اور بیرونی ملکون کی تاریخ کے احیار مین کر رہے ہین، سب سے پہلا کا مفر نام ایک یورپین سیاح ایران نے ۱۷۱۲ء مین اس خط کا نام "خط میخی" تجویز کیا، ۱۷۱۸ء مین ایک اور یورپین سیاح لوبردین کی معیت مین اس نے اصطخر

کے کتبہ کو نقل کیا، اس کے بعد ۱۷۶۵ء مین جرمن سیاح نیوبر (NEIBUHR) نے عرب اور ایران کی سیاحت کی اور ان کتبون کی متعدد نقلین حاصل کین جو مدت تک مستشرقین کے ہاتھون مین اس خط کے متعلق تنہا سرمایۂ معلومات رہین،

۱۸۰۲ء مین سب سے پہلی دفعہ اس خط کے چند الفاظ پڑھے گئے، اس دریافت کا فخر جرمنی کے ایک مستشرق سیاح گروٹفنڈ (Gradefend) کو حاصل ہے، اس نے دو تین لفظ پڑھے، اور ان کی مدد سے اس خط کی الف با کے چند حروف متعین کئے، ۱۸۲۸ء مین کوہ الوند اور وان مین کچھ کتبے پائے گئے، ۱۸۳۹ء مین ریچ (Rich) نے اپنا سفرنامۂ ایران شائع کیا، ۱۸۴۳ء مین وسٹرگارڈ ایک ڈنمارکی سیاح نے تخت رستم کے کتبون کی نقل لی، اس کے بعد انگریز مستشرق رالنسن (Rawlenson) نے ۱۸۳۶ء، ۱۸۴۴ء مین بیسنون کے کتبون کے چربے لئے، ۱۸۴۰ء مین فرانس کی حکومت نے اپنے تین سیاح مہندسون کو ایران بھیجا جن کے نام یہ تھے، پاسکال دی کوسٹ (Pascal decoz) ٹکزے (Texcier) اور فلانڈن (Flandin) ان لوگون نے اکثر میخی خطوط کے عکس لئے، اور ایک مفید سفرنامہ لکھکر فرانس واپس آئے، لیکن جو شخص خط میخی کی تمام اور کامل نقلین یورپ مین لایا وہ جرمن سیاح سٹولزے (Stolze) ہے، اس نے ۱۸۷۴ء مین چودہ سو سے زیادہ کتبون کی نقلین لین، اور جرمنی واپس آکر پروفیسر نولڈکیے اور پروفیسر اندرسے کی مدد سے خط میخی کی تحقیق مین ایک بہترین کتاب لکھکر شائع کی،

اس کے بعد شخصی اور مختلف علمی وفود کی کوششین اس خط کی تحقیق مین صرف ہوتی رہین، انگریز عالم رالنسن نے ۱۸۴۷ء مین بیسنون کے کتبہ کے دو جملہ کا ترجمہ کرکے لندن کی ایشیاٹک سوسئٹی کے رسالہ مین چھپوایا، اور اس کے چند سال بعد ۱۸۴۶ء مین دو اور حرف پڑھکر اس خط کے متعلق اپنی یادداشت شائع کی،

اس خط کی الف بائینی حروف تہجی کی ترتیب تعیین اور تحقیق مین علمائے یورپ کے پورے پچاس سال صرف ہوئے اور تب جاکر بڑے جھگڑون مناقشون، اور مباحثون کے بعد بالآخر ایک الف بائی تعین ہوئی، اور اس کی پوری شکلین ترتیب کو پہنچین، ذیل کی جدول مین ان حروف کے دریافت کنندون کے نام مع قومیت اور سال دریافت ہم درج کرتے ہین،

نام	قومیت	کتنے حروف پڑھے	سال دریافت
ٹینچسن	جرمن	۴	۱۷۹۸ء
ہنٹر	جرمن	۲	۱۸۰۰ء
گروٹفنڈ	جرمن	۱۲	۱۸۰۲ء تا ۱۸۱۵ء
سنیٹ مارٹن	فرنچ	۲	۱۸۲۳ء
راسک	ڈنمارکی	۲	۱۸۲۶ء
بورنوف	فرنچ	۴	۱۸۳۶ء تا ۱۸۴۷ء
لاسن	ناروی	۶	۱۸۳۶ء
ٹراکے	بلجیمی	۲	۱۸۳۹ء
رالنسن	انگریز	۵	۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۶ء
ہولٹزمان	جرمن	۱	۱۸۴۶ء
اوپریت	فرنچ	۶ / ۴۴	۱۸۴۷ء تا ۱۸۷۴ء

ان ۴۴ حروف کے علاوہ آٹھ حروف ایسے بھی ہین جو اب تک پڑھے نہین گئے ہین، جن کو ملا کر خط میخی کے کل ۵۲ حروف ہوتے ہین؛

اخبار علمیہ

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے یہ قانون نافذ کیا ہو کہ جب تک کتابون پر، ان کے چھپنے کا ملک نہ لکھا ہوگا وہ امریکہ کی حدود مین نہ داخل ہوسکینگی، کناڈا نے بھی اس کی تقلید کی ہو۔

مسٹر ایس، پرسی اسمتھ کی موت، عالم تاریخ کا حادثۂ عظیم ہے، وہ مسوری قوم کی تاریخ، روایات، مذہب، اور تمام دوسری خصوصیات کے لئے سند تھے، انھون نے چالیس سال تک نیوزیلینڈ مین اسی قبیلہ کے ساتھ گذارے تھے؛ سنہ ۱۹۰۰ء مین وہان سے واپس آکر اسی قوم کے متعلق مضامین و رسائل لکھا کرتے تھے، حال ہی مین ان کی کتاب کا جو انھون نے اس قوم کی تاریخ پر لکھی ہے چوتھا اڈیشن شائع ہوا ہو؛

ابن مسکویہ کی تجارب الامم سات جلدون مین ہی، زمانہ ہوا ڈی، گیوجی نے لیڈن سے اسکی چھٹی جلد شائع کی تھی، اب پروفیسر مارگولیس نے ساتون جلدون کو مع ترجمہ کے شائع کیا ہے؛ مسٹر ایچ، الیف، امردوز بھی پروفیسر موصوف کے شریک کار تھے، لیکن عمر نے وفا نہ کی، اور پروفیسر موصوف کو تنہا اس کو تکمیل تک پہنچانا پڑا، ساتون جلدون کی قیمت ، پونڈ، سات شلنگ ہی؛

موسیو ہنری برکے زیر ادارت لی ایوولیوشن ڈی لی ہیومنائت، (ارتقار انسانی) پر سو جلدون مین اس موضوع کی دائرۃ المعارف لکھی جائیگی؛ حال مین اس کی چوتھی جلد پیرس سے

شائع ہوئی ہی؛ اس سلسلہ کی وسعت، ضخامت اور ہمہ گیری کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ چوتھی جلد ۴۵۰ طویل صفحون پر مشتمل ہی؛ اور جن اہم کتابون سے مدد لیگئی ہی ان کی تعداد ۲۲۰ تک پہونچتی ہے؛

اکتوبر مین آکسفورڈ یونیورسٹی کے تاریخ قدیم کے کیمڈن پروفیسر شپ کی سہ صدی رسم ادا کیگئی اور اس شعبہ کے چھ پروفیسرون کو اس تقریب پر ڈاکٹر آف لیٹرس کی اعزازی ڈگریان دی گئین؛

دائنا یونیورسٹی کا حال ۱۹۱۴ء سے مرمت نہ ہوسکا اور اب بالکل کام کے لائق نہین ہی؛ مہذب اقوام کی تباہی کا اس سے زیادہ دردناک کوئی منظر نہین ہوسکتا؛

---

۵ اجنوری ۱۹۲۰ء کو قاہرہ مین، برطانوی باشندون کے بچون کیلئے ایک اسکول کھولا گیا تھا اور اس امید پر کہ دو سال مین اسکول خود اپنا کفیل ہوجائیگا، حکومت برطانیہ سے صرف اس قلیل میعاد کے لئے ۴۰۰ پونڈ سالانہ لیا گیا تھا، لیکن وہ اسکول ابتک اس قابل نہین ہوا ہی اور منتظمین نے امداد کیلئے پھر درخواست دی ہی؛

---

۱۴ اکتوبر کو پروفیسر جارج سینٹبری کی ۸۰ وین سالگرہ منائی گئی اور اس موقع پر ان کے احباب اور شاگردون نے ان کو اڈریس پیش کئے؛

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے بیس ہزار ڈالر کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا ہے؛

جو اخلاقی تعلیم کیلئے بہترین اصول پر ایک کتاب لکھ سکے ؛

انگلستان کے انقلاب وزرات کے ساتھ، تعلیمی وزارت بھی بدل گئی ہی، اور اب مسٹر فشر کی بجائے مسٹر وڈ، بورڈ آف ایجوکیشن (مجلس تعلیم) کے صدر ہین ،

فرانسیسی طیارچی مسٹر الکزنڈر منی رول نے ڈیلی میل کا ایک ہزار پونڈ کا انعام پرواز حاصل کیا ہی ؛

گذشتہ اکتوبر کی ۷، ا کو سب سے بڑے شہاب ثاقب کو دیکھا گیا، جسامت اور بعد مسافت کے لحاظ سے اب تک کوئی اسکا ثانی نہین پایا گیا تھا ؛

مسٹر جی، ایچ، سے ملوری نے جو گذشتہ مئی کے مہم ایورسٹ کے رہنما تھے ایک تقریر کے دوران مین یہ رائے ظاہر کی ہی کہ وہ آکسیجن کے بغیر کلہ کوہ تک پہونچ سکتے ہین، گذشتہ مہم مین وہ ۲۶۸۰۰ فٹ تک پہونچ گئے تھے ،

برطانیہ کا معمر ترین امیر البحر سر الگزنڈر ڈی ہورسے ۹۵ سال کی عمر مین مرا، وہ ۱۸۴۸ء مین نوکر ہوا تھا اور ۱۸۹۲ء تک مختلف فرائض انجام دینے کے بعد ملازمت سے الگ ہوا تھا ،

لندن کی گذشتہ مردم شماری کے اعداد کی رپورٹ حال مین شائع ہوئی ہی، اس سے پتہ چلتا ہی کہ لندن کی آبادی برابر گھٹ رہی ہے ؛

سنہ ۱۹۰۱ء مین ۴۵۳۶۲۶۷ تھی سنہ ۱۹۱۱ء مین ۴۵۲۱۶۸۵ ہوئی اور سنہ ۱۹۲۱ء مین ۴۴۸۴۵۲۳ ہو گئی ہی ؛

اسی سلسلہ مین یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہین کہ انگلستان کے بڑے دینے والے حلقون مین عورتون کی تعداد بڑھ رہی ہی اور ایک حلقہ مین تو مردون سے بھی زیادہ ہی؛

لندن اور اس کے ملحقات کے اعداد و شمار مین ذیل کی چیز کے معلومات بھی دلچسپ ہین،

مردون مین : —

ناکتخدا	۱۱۲۱۸۸۹
شادی شدہ	۸۶۵۳۰۰
جنکی بیویان مرگئین	۷۲۴۵۹
طلاق سے جدا شدہ	۱۹۳۱

اور عورتون مین

ناکتخدا	۱۳۰۹۸۲۸
شادی شدہ	۸۷۷۲۹۸
بیوہ	۲۲۳۶۱۵
طلاق یافتہ	۲۲۰۳

بیواؤن کی تعداد مین ۲۲۵۹۲ کا اضافہ ہی، ان مین سے ۱۱۰۰۰ سے زیادہ ۲۰ سے ۳۰ تک کے عمر کی ہین اور شاید ایام جنگ کی بیوہ شدہ ہین؛

لندن یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہی کہ حکومت برطانیہ کی ایک ہزار زبانون کے دو لاکھ گرامفونی ریکرڈ رکھے جائین تاکہ طلبا اور محققین کو زبان کے مطالعہ و تعلیم مین سہولت ہو؛

حال مین لندن مین ایک گائے لائی گئی ہے جو سال مین تقریبًا ۳۰۰۰ گیلن دودھ دیتی ہے، اس کو دن مین چار مرتبہ دوہا جاتا ہے، چار سال قبل ۲۰۰۰ گیلن دودھ والی گائے آئی تھی، اب اس قسم کی وہ گائین برطانیہ مین ہین ؎



انگلستان کے مشہور مصور انریبل جان کولیر نے ایک تصویر بنائی تھی، جس مین دکھایا گیا تھا کہ ایک شہزادی اپنے شوہر کو قتل کر کے نکل رہی ہے، بلیک پول کی میونسپلٹی نے اسے اس بنا پر خریدنے سے انکار کر دیا کہ اس سے لوگون کی اخلاقی حالت پر برا اثر پڑیگا، تصویر کی قیمت ۲۰۰ پونڈ ہے، مصور موصوف کا خیال ہے کہ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تو تمام بہترین غمناک تصاویر کو فن تصویر کشی سے خارج کر دینا پڑیگا؎

مشہور نقاش مسٹر ملکالم اسٹراس نے تمام دنیا کی سیاحت کے بعد ایک مضمون حسن پر لکھا ہے، ان کا خیال ہے کہ کمال تناسب کا نام حسن ہے اور اس لحاظ سے صرف تین عورتین ان کے معیار مین پوری ہوئین ؎



پروفیسر ہرس نے بجلی کے ذریعہ ثبوت زندگی کا طریقہ ایجاد کیا ہے، ان کا قول ہے کہ اگر ایک انڈے کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ اس مین جان پیدا ہو گئی ہے یا نہین، تو چاہئے کہ بجلی کی لہر اس تک پہنچائے اور اگر اس سے بھی لہر پیدا ہو تو سمجھین کہ اس مین جان پیدا ہو گئی ہے اسی طرح بیجون کے متعلق بھی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ وہ قابل نمو ہین یا نہین ؎

بیرہ (ساحل افریقہ) مین ایک عظیم الجثہ دریائی جانور پایا گیا ہی، اس کا طول ½ ۱۹ فٹ، عرض ۱۰ فٹ بلندی ۴ فٹ اور وزن ۵ سے ۱۰ ٹن تک ہی۔

ماہرین کیمیا نے وہ تمام اجزا معلوم کر لئے ہین جن سے انسان کا جسم بنتا ہی، اور اس کے بنانے مین بھی کامیابی حاصل کی ہی، لیکن سانس نہ پیدا کر سکے کہ وہ ان کے بس سے باہر کی چیز ہی۔

ڈاکٹر ملگن کوشش کر رہے تھے کہ وہ ایسے پر بنائین جنکو لگا کر آدمی پرندون کی طرح عالم بالا کی سیر کر سکے (اڑ سکے) اب وہ اس مین کامیاب ہو گئے ہین، اور چند دنون مین ان مصنوعی پرون کا امتحان ہو گا۔

جزیرۂ ملیکولہ کی یہ عجیب رسم ہی کہ دلہن کے دونون اگلے دانت توڑ دئے جاتے ہین، ایک لڑکی کی شادی کیلئے لازمی ہی کہ اس کا سر مخروطی ہو، ورنہ اس کی شادی نہ ہوگی اور تمام عمر اس کو کنواری ہی رہنا پڑیگا۔

امراض ناک و حلق کے ایک ماہر نے ایک آلہ ایجاد کیا ہی جو چشمہ کی طرح دونون نتھنون مین لگایا جاتا ہی، اس کا دعویٰ ہی کہ اس طرح ہوا چھن کر جاتی ہی اور آدمی ناک اور حلق کے تمام امراض سے محفوظ رہتا ہی۔

کلیفورنیا کے ۱۰ ایکڑ کے ایک باغ کو برف اور کھرے سے محفوظ رکھنے کے لئے، اس کے گرد

چار بڑے بڑے مینارے بنائے گئے ہین اور اس مین بیس بیس فٹ کے پنکھے لگے ہوئے ہین، میناروں کے زیرین حصہ مین آگ سلگائی جاتی ہو اور یہ پنکھے اس کی حرارت کو تمام باغ مین پھیلا دیتے ہین اور اس طرح ہوا گرم ہوکر برف اور کُہرے کی صورت مین باغ مین نہین گرنے پاتی ؛

کیمبرج یونیورسٹی نے انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کی تین نئی جلدین شائع کی ہین، جو تمامتر گذشتہ عالمگیر جنگ کی نئی ایجادات واصطلاحات پر مشتمل ہین ؛

پال مال گلوب راوی ہو کہ مصر مین تنباکو کی کاشت گذشتہ صدی کے اواخر تک بکثرت ہوتی تھی، لیکن برطانی قبضہ کے بعد ہی حکومت نے اس کو قانوناً روک دیا، اور اس پر اس قدر بھاری محصول لگا دیا کہ لوگ اس کی تجارت سے آہستہ آہستہ دست کش ہونے لگے، لیکن اب تبدیل حکومت کے بعد پھر مصری سلطنت ادھر اپنی توجہ بڑھارہی ہو، اور دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ آیا اسکی کاشت پھر اپنی پہلی رونق پر آسکتی ہو یا نہین، اور ۱۸۹۰ء تک نیل کے پاس کی جن زمینون پر اس کی کاشت ہوتی تھی، ان کے علاوہ اور دوسری زمینین اس مصرف مین آسکتی ہین یا نہین، چنانچہ اس کی تحقیق اور معاینہ کے لئے کوبا اور تھریس سے تنباکو کی کاشت کے ماہرین بلائے گئے ہین ؛

گذشتہ جنگ عظیم مین ترکون نے جو جانی قربانیان کی ہین ترکی وزارت جنگ نے ان کی رپورٹ شائع کی ہو، جس وقت اعلان جنگ ہوا، ترکی کے پاس کل ایک لاکھ پچاس ہزار باقاعدہ فوج تھی، اور مسلح لوگون کی تعداد دس لاکھ بیس ہزار نوسو تھی، لیکن اثنائے جنگ مین اس کی فوج کی تعداد ۲۸ لاکھ، ۵۰ ہزار ہوگئی، جن مین تین لاکھ ۲۵ ہزار افسر اور سپاہی میدان جنگ مین کام آئے، اور

چار لاکھ زخمی ہوئے، اور پندرہ لاکھ ۶۰ ہزار مفرور اور قید ہوئے، اور جس وقت التوائے جنگ ہوئی ہے اس وقت ترکی فوج مین صرف ایک لاکھ ۶۰ ہزار آدمی تھے،

جنگ سے پہلے امریکہ اور دول یورپ کی قومی ثروت، اور جنگ کے قرضون کا اندازہ حسب ذیل ہے، ایک ملین ۱۰ لاکھ کا نام ہے،

نام	اندازۂ دولت قبل از جنگ	قرض تا سال گذشتہ
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۵۰ ہزار ملین پونڈ	۴۷۹۵ ملین پونڈ
برطانیہ	۱۷ ہزار ملین پونڈ	۶۴۲۴ ملین پونڈ
فرانس	۱۳ ہزار ملین پونڈ	۱۲۰۶۰ ملین پونڈ
روس	۱۲ ہزار ملین پونڈ	قرض سے انکار
جرمنی	۱۷ ہزار ملین پونڈ	۲۴۴۲ ملین پونڈ
آسٹریا	۸ ہزار ملین پونڈ	تقریبًا دیوالیہ
اٹلی	۶ ہزار ملین پونڈ	۲۹۰۳ ملین پونڈ

آکسفورڈ کے ایک پروفیسر صاحب نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ کل ستارون کی تعداد ۵ کرور پچاس ہزار ہے،

شترمرغ کی اوسط عمر کا اندازہ ستر سال سے زیادہ لگایا گیا ہے،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نواب علائی اور مرزا غالب

نواب علاؤالدین خان علائی مرحوم، والی لوہارو، اور مرزا غالب کے درمیان جو دوستانہ تعلقات اور مراسم محبت تھے، سوانح غالب کا جاننے والا ان سے بیخبر نہین، یہ تعلقاتِ دوستانہ اور مراسم محبت جو دو ہم عہد باکمال سخنورون مین تھے، افسوس کہ ان کی ادبی یادگارین دنیا سے مٹ رہی ہین، ہم جناب ضیاء اللہ خان صاحب رامپوری کے ممنون ہین کہ انھون نے نواب علائی خان مرحوم کے خلف الرشید نواب مرزا البشیرالدین احمد خان صاحب (لوہارو) سے ذیل کے منظوم رقعے لیکر ہمین عنایت فرمائے ہین،

یہ منظوم رقعے بے تکلفانہ خطوط ہین، نواب صاحب مرزا کو اپنے ہان بلاتے ہین، اور مرزا غالب عذر کرتے ہین کہ وہان آم کہان ملینگے، مرزا غالب آمون کے بہت شائق تھے، نواب صاحب اس کے جواب مین لکھتے ہین کہ انشاء اللہ تمام فرمائشین حاضر ہونگی، مرزا غالب کے اردو اور فارسی قطعات کا جواب نواب صاحب نے انھین بحر و قافیہ مین دیا ہی، اللہ اللہ! نہ اب وہ بامزہ صحبتین ہین، نہ ایسے خوددار اور بامحبت لوگ ہین، نہ ایسے باکمال شاعر ہین نہ ایسے قدردان امراء

رقعہ مرزا غالب بنام نواب علاؤالدین خان مرحوم علائی

خوشی ہی یہ آنے کی برسات کے پئین بادۂ ناب اور آم کھائین،

سرآغاز موسم مین اندھے ہین ہم | کہ دلی کو چھوڑین لوہارو کو جائین
سوا ناج کے جو ہی مطلوب جان | نہ واں آم پائین نہ انگور پائین،
ہوا حکم باورچیوں کو کہ ہان | ابھی جا کے پوچھو کہ کل کیا پکائین
وہ کھٹے کہاں پائین املی کے پھول | وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائین
فقط گوشت سو بھیڑ کا ریشہ دار | کہو اس کو ہم کھا کے کیا حظ اٹھائین

خوانی بسوئے خویش وندانی کہ مردہ ام | دانی کہ مردہ را رہ و رسم خرام نیست
نے تیغ سد وام نہ الٰہی بخش مرگ من | از عالم جنابت و مرگ بر حرام نیست

جواب از طرف نواب صاحب مرحوم بنام مرزا غالب

خوشی ہے ہمین آنے کی آپ کے | کہ با ہم پیئن بادہ اور آم کھائین،
سرآغاز موسم مین کیا خوب ہو | جو دلی سے حضرت لوہارو کو آئین
عجب لطف ہی یان کی برسات مین | کہ کیچڑ کہین نام کو بھی نہ پائین
سرولی کے وہ ڈاک پر سبز آم | وہ دلی سے انگور ہر شام آئین
کرین حکم باورچیوں کو کہ ہان | ابھی جا کے ہر چیز جلدین پکائین
وہ لین باغ سے جا کے املی کے پھول | وہ جنگل سے کڑوے کریلے منگائین
وہ بے ریشہ بکری کا لحم طری | کہ کیا کیا اسے کھا کے ہم حظ اٹھائین
کہین ان کو بے مہر و کاہل اگر، | لوہارو وہ اس بات پر بھی نہ آئین
خوانمت سوئے خویش و ندانم کہ مردۂ | دانم کہ چون توئی منع خرام نیست
پندارمت زحسن تجلی لال بیگ، | مرگت چو شیخ سدو زراہ حرام نیست

ادبیات

عاشق رسول قیدی کی فریاد

زندانِ بیجاپور مین

تنہائی کے سب دن ہین تنہائی کی سب راتین
اب ہونے لگین ان سے خلوت مین ملاقاتین

ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے،
ہر وقت ہے دلجوئی، ہر دم ہین مداراتین

کوثر کے تقاضے ہین تسنیم کے ہین وعدے
ہر روز یہی چرچے، ہر رات یہی باتین

معراج کی سی حاصل سجدون مین ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر مین، اور ایسی کراماتین

بے مایہ ہین ہم لیکن، شاید وہ بلا بھیجین
بھیجی ہین درودونکی کچھ ہم نے بھی سوغاتین

شیطانون کی چالون سے، اب ہوتے ہین سب واقف
اب ہونگی الم نشرح ملعونونکی سب گھاتین

بیٹھا ہوا توبہ کی، تو خیر منایا کر،
ٹلتین نہین یون جو ہر اس دیس کی یہ ساعتین

ایک قیدی کی "آزاد" بیانی،

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن
میرے لئے ایک بلائے حسن [1]

شامِ غریبان کے برابر کہان
مذہبِ عشاق مین صبحِ وطن

---

[1] وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا (سورۂ انفال پارہ نہم)

آہ وہ غارتگرِ صبر و شکیب ، سلسلۂ زلف تسکن و رشکن
فتنۂ جان وہ سخن دلپذیر ق دشمنِ دین وہ نگۂ سحر فن ،

جلوۂ جانان سے ہے دارالسرور خانۂ جان اب نہین بیت الحزن
مہر و مروت سے تمھین واسطہ یہ بھی حریفون کا ہے اک حسن ظن

جب سے کہا عشق نے حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہین فضل الحسن

غزل فارسی

نواب حسام الملک سید محمد علی حسن خان طاہر

درغمِ عشق او دلم از غمِ ماسوا گذشت گشت دوای درد دل درد کہ از دوا گذشت
عزت بے نیازیم کرد بہ یار ہمقرین زود بکام دل رسد، ہر کہ ز مدعا گذشت
دلق رہین میکدہ سر بسجود پای خم ازلب جام بادہ پرس انچہ بہ پارسا گذشت
رفت شباب ما ہنوز مست مئی شبانہ ایم بخت براہ خفتہ ماند، قافلہ بے درا گذشت
عشق نہ عشقِ اول است حسن نہ حسن یار نو فکر دگر توان نمود، کارِ من از جفا گذشت
من بکمالِ عشق خویش چون تو زعقل بگذرم گر بکمالِ عقلِ خویش فلسفی از خدا گذشت

چشم براہ و منتظر، طاہر و شوخیش ببین
روئے نہفتہ آمد و بیخبر از قفا گذشت

باب التقریظ والانتقاد

ضرورت وقت
یعنی
ضعف ملی کا علاج

از مولوی ابوالحسنات ندوی،

ملک کے موجودہ انقلابات نے لوگون کے خیالات مین جو عظیم الشان تغیر پیدا کردیا ہے، اس کا ایک مظہر مسئلۂ تعلیم بھی ہے، یہ تو سب کو نظر آرہا ہے، کہ جس تعلیمی راستہ پر ہم اب تک چل رہے تھے وہ قابل اصلاح ہے لیکن اب تک واضح اور بیّن طریقہ پر قوم کے سامنے کوئی جدید تعلیمی پروگرام پیش نہین کیا گیا جسمین ہر پہلو سے بحث کا استیعاب و استقصا ہو، ابھی حال مین اس مسئلہ پر جناب مولوی محمد تیمور صاحب ام، اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور نے مندرجہ بالا نام کی ایک قابل قدر کتاب لکھی ہے جس کا موضوع بحث خود مصنف کے الفاظ مین حسب ذیل ہے،

"ہم نے یورپ سے کیا سیکھا ہے؟ کیا سیکھنا چاہئے تھا اور آیندہ توجہ کس طرف ہونی چاہئے؟" یہ ایک سوال ہے جو اکثر لوگون کے دل مین ہے، اس رسالہ مین اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کیگئی ہے"

کتاب چھ بابون مین منقسم ہے جن کی تفصیل یہ ہے،

پہلا باب۔ ہندوستان کے لوگون نے انگریزی زبان اور مغربی علوم کو کن اغراض سے حاصل کیا اور گورنمنٹ انگریزی اور مشنریون نے مغربی علوم کی ترویج و ترقی مین کیا مصالح سمجھے۔

دوسرا باب۔ مغربی علوم کے اقسام اوران کے فوائد کا مقابلہ، ہندوستان کی توجہ کن علوم کی طرف ہو،

تیسرا باب۔ ہندوستان مین صنعت کی پست حالت اور اس کے اسباب،

چوتھا باب۔ صنعتی پستی کے متعلق گورنمنٹ اور اہل ملک کی ذمہ داری،

پانچوان باب۔ عملی تجاویز،

چھٹا باب، قومی ترقی کے لئے کن اخلاق کی ضرورت ہو،

خلاصہ ابواب پہلے باب مین نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان مین انگریزی زبان وفنون کی ترویج واشاعت کی سب سے پہلی کوشش مسیحی مشنریون کی طرف سے ہوئی، جن کا مقصد اشاعت مذہب تھا لیکن اس سے ہندوستان کی سطح جامد مین کچھ زیادہ قابل لحاظ جنبش نہین پیدا ہوئی، ۱۸۳۵ء مین ایک قانون منظور کیا گیا جس کی رو سے ہندوستانی حکومت کی دفتری زبان فارسی کی بجائے انگریزی قرار پائی اور ۱۸۴۴ء مین لارڈ ہارڈنگ نے اعلان کیا کہ آیندہ تمام سرکاری ملازمتون کے لئے انگریزی دانون کو ترجیح دیجائیگی، یہ قانون اور یہ اعلان مؤثر ثابت ہوا اوراب ہندوستانیون کی توجہ انگریزی تعلیم کی طرف منعطف ہوگئی، اس سیاسی ضرورت کے علاوہ تجارتی ضرورت بھی مصنف کی رائے مین انگریزی زبان کی اشاعت کا ذریعہ ہوئی لیکن مصنف نے سب سے زیادہ مؤثر اور قوی ذریعہ حکومت کے قانون، لارڈ ہارڈنگ کے اعلان اور ہندوستانیون کے جذبۂ حصول مناصب ملکی کو قرار دیا ہو، اس سلسلہ مین تمام ضروری معلومات جمع کردئے گئے ہین، گورنمنٹ کی جدوجہد اور مشہور ومعروف لارڈ مکالے کی تجاویز وغیرہ کے ضروری اقتباسات مندرج ہین، ہندؤون مین بنگالی قوم کے رہنمائے اعظم راجہ رام موہن رائے اور مسلمانون مین سرسید احمد خان مرحوم کی جماعت کے کارنامے اس بارے مین خاص اہمیت رکھتے ہین، مصنف نے ضروری حد تک ان کا تذکرہ بھی کیا ہو،

اس باب کے آخری چند صفحے مصنف نے اس بحث کیلئے بھی نذر کئے ہین کہ انگریزی حکومت نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھکر یہان انگریزی تعلیم کو رواج دیا۔ اگرچہ وہ اپنے ان مقاصد مین کامیاب ہوئی لیکن ساتھ ہی لوگون مین اسی کی بدولت مساوات حقوق اور آزادی وحریت کے خیالات بھی پیدا ہو گئے، یہ انگریز ارباب فکر کا خیال ہے، خود مصنف کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیون اور انگریزون کے درمیان موجودہ حالات کے پیدا ہونے کا اصلی سبب فریقین کا یہ خیال ہے کہ تم غیر ہو اور ہم غیر ہین یا انگریز شاعر رڈیارڈ کپلنگ کے الفاظ مین،

"مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق اور یہ دونون کبھی آپس مین مل نہین سکتے"

دوسرے باب مین مصنف نے علم کی دو قسمین ذہنی وقیاسی اور عملی وتجربی کے مفہوم مین کی ہین، انسانون کے مختلف مدارج اور دولت کے مفہوم کی علمی تشریح نہایت دلچسپ اور مؤثر طریقہ پر کی ہے، علوم وفنون کے ہر صنف کے منافع وفوائد کو دکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ سوسائٹی ملک اور قوم کو کن اصناف علم وفن سے زیادہ اور کن سے کم فوائد پہنچتے ہین۔ اس کے بعد یہ دکھایا ہے کہ ہندوستانیون نے زیادہ تر پہلی قسم کے علوم وفنون یعنی ظنی وقیاسی مثلاً ادب، تاریخ، فلسفہ اور کسی قدر علوم سائنس ریاضی کی طرف توجہ کی، اس پر طرہ یہ کہ حکومت نے بھی جو تعلیم اس ملک مین پھیلائی اس کے اصناف واجزا بھی یہی رہے، اور عملی وصنعتی تعلیم کی طرف مدتون کوئی توجہ ہی نہین کی گئی، ان بیانات کو مصنف نے زبردست وصریح دلائل وشواہد سے ثابت کیا ہے، تعلیمی رپورٹون کے پیش کردہ شمار واعداد سے ان کی تائید کی ہے اور آخر مین ان ٹکنیکل اسکولون کا تذکرہ بھی کیا ہے جو مدت کی تباہی وبربادی کے انسداد کیلئے صوبہ بمبئی، مدراس، کلکتہ، سیرام پور، لکھنو، اور لاہور مین قائم کئے گئے لیکن ان تعلیم گاہون کی حیثیت تپتے ہوئے ریگستان مین پانی کے چند قطرون سے زیادہ نہین ہے،

تیسرے باب مین پہلے اٹھارہوین صدی عیسوی مین ہندوستان کی ترقی یافتہ تجارتی

حالت دکھا کر ان اسباب کی تشریح کیگئی ہی جن سے ہندوستان کی صنعت و حرفت پر زوال آیا مثلاً مغربی دنیا مین نئی نئی کلون کا ایجاد ہونا جن کا کامیاب مقابلہ ہندوستان کی دستی صنعتین نہ کر سکین، حکومت کا انگلستان مین تحفظ تجارت اور ہندوستان مین آزاد تجارت کا اصول اختیار کرنا۔ آگے چلکر ملک کے موجودہ صنعتی انحطاط کو روکنے کی تدابیر پر بحث کیگئی ہی، اس سلسلہ مین ریلوے سسٹم کی بحث خاص طور پر قابل ذکر ہی، موجودہ انحطاط کو روکنے کیلئے مثبت اور منفی دونون طرح کے طریقون کا ذکر کیا گیا ہی، سودیشی تحریک پر بھی کافی بحث موجود ہی۔ آخر مین نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہی کہ اب تک نئے طریق پر ہندوستان نے کتنی صنعتی ترقی کی ہے۔ بحث کے ہر حصہ مین قطعی دلائل اور مستند اعداد و شمار کو پیش کیا گیا ہے۔

چوتھے باب مین تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہی کہ حکومت نے آغاز عہد سے آج تک صنعتی ترقی کے لئے کیا کوششین کین، مقبوضہ ممالک مین انگلستان کی صنعتی پالیسی کی نہایت معنی خیز تشریح، پھر ضروری حد تک جرمنی اور جاپان کی صنعتی ترقی کے ذرائع و وسائل کی تفصیل کی گئی ہی یہان پر اس حالت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو ہندوستان مین اس کے ایک ماتحت ملک ہونیکی وجہ سے پیدا ہی، پھر آگے چلکر صنعتی ترقی کیلئے ملک کے ہر طبقہ، نواب، راجہ، طبقہ امرا، متوسطین اور تعلیم یافتہ اصحاب کے فرائض کی توضیح کی گئی ہی،

پانچوین باب مین عملی تجاویز یعنی صنعتی و زراعتی انجمنون، تعلیم گاہون اور بینکون کے قیام کی تحریک و تجویز ہے، مصنف نے اس باب کے آغاز مین لکھدیا ہی کہ ہمارا یہ خیال نہین ہے کہ ان کے علاوہ یا ان سے بہتر اور تجاویز نہین ہو سکتین بلکہ ہم ان کو مثال کے طور پر لکھتے ہین تاکہ اہل الرائے اصحاب کی اس طرف توجہ ہو،

چھٹے باب مین نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ بتایا گیا ہی کہ قومی ترقی کے لئے کن اخلاق

کی ضرورت ہی، یہان اخلاق سے مراد وہ صفات ہین جن کی وجہ سے بعض لوگ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مل کر کام کر سکتے ہین۔ اس باب مین مصنف کی قوت تحریر، غور و فکر اور مؤثر طرز تحریر کا پورا ظہور ہوا ہی، اسی سلسلہ مین مصنف نے بتایا ہو کہ اطاعت جماعتی، و قومی ترقی کا ضروری عنصر ہے، اور اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ اور نہایت دلچسپ و مؤثر طریقہ پر لکھا اور دکھایا ہے مثلاً

منظم قوم ہونیکا یہ اثر ہے کہ جب وزیر حکومت ضرورت ظاہر کرتا ہی کہ لڑائی کیلئے آدمیونکی ضرورت ہو تو لاکھون آدمی بغیر مجبوری کے اپنی رضامندی سے چلے آتے ہین، ایسے ہی جب معتدر اور بارسوخ لوگ کسی مسئلہ پر کچھ لکھدیتے ہین تو ہر شخص کی زبان پر ان کے الفاظ اور ہر شخص کے دل مین وہی خیالات ہوتے ہین، لباس کا یہ حال ہو کہ جیسا ایک رہنمایان فیشن پسند کرین ہر شخص وہی لباس پہنتا ہو، اگر یورپ کے کسی شہر مین دیکھا جائے تو تمام لوگ قریباً ایک ہی قطعہ اور مرد تقریباً ایک ہی رنگ کا لباس پہنے ہوئے ہوتے ہین، عورتین بھی ان اقسام سے باہر نہین جا سکتین، جو فیشن مین داخل ہین، اگر اونچے گون کی رسم ہوئی ہے تو جدھر دیکھتے ہین گون پنڈلیون تک یا قریباً گھٹنون تک نظر آتے ہین اگر آستین چھوٹی رکھنے کا فیشن ہو تو ہر لیڈی کے بازو ننگے نظر آتے ہین، اگر سینہ ننگا رکھنے کی رسم ہو تو خواہ سردی سے بیمار ہو جائین مگر سینہ فیشن کے مطابق ننگا ہے۔ غالباً فی نفسہ یہ باتین قابل تضحیک ہون مگر یہ ایک قوم کی یگانگت اور اطاعت کی علامات ہین۔ جب پہنتے ہین تو سب ایک لباس پہنتے ہین جب رہتی ہین تو ایک سے مکانون مین رہتے ہین جب سوچتے ہین تو سب ایک ہی قسم کے مسائل سوچتے ہین۔

اس اقتباس سے واضح ہوگا کہ مصنف کی نظر کس قدر چھوٹی چھوٹی باتون اور معمولی معمولی

حالتون تک پہنچی ہی، آگے چل کر مصنف نے لکھا ہی کہ ہندوستان کی تینتیس کروڑ کی آبادی کو معنوی حیثیت سے چند ہزار کی آبادی پر لے آنا چاہئے۔ اس کا ذریعہ اس کی رائے مین انجمنون کا قیام اور ہر ہندوستانی کا کسی نہ کسی انجمن مین داخل ہوجانا ہی تاکہ افراد کی شخصیتین چند اجتماعی انجمنون مین فنا ہوجائین وہ کہتا ہی اور غالباً سچ کہتا ہے کہ

ترقی کا پہلا زینہ ہندوستان اس وقت طے کریگا جب ان انجمنون کے ذریعہ سے ملک مین افراد کم ہوجائین گے اس وقت ہندوستان کی آبادی تینتیس کرور افراد پر مشتمل ہی ترقی تب ہوگی جب کم ہوتے ہوتے ایک ہزار یا اس سے بھی کم انجمنون تک محدود ہوجائیگی۔ اس وقت ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے نہ کسی کی کوئی سنتا ہی نہ کوئی سنا سکتا ہے سوائے ایک محدود سیاسی جماعت یا گورنمنٹ کے جو منتظم ہین، باقی تمام ملک ریت کے ذرون کی طرح ہی ان لوگون کا کوئی کام ملکر کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے ریت کی رسی بنانا۔

ماخذ کتاب ماخذ اور حوالے تمام ترصحیح، مستند اور قابل اعتماد ہین مثلاً کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ، مکالے کی تحریرین ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹرون کی مراسلتین، دی ریل انڈیا مصنفہ مسٹر ریس، انڈین انڈسٹریل کمیشن رپورٹ، حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹین، ہندوستان کے ٹکنیکل کالجون کی ڈائرکٹری، گروتھ آف انگلش انڈسٹری اینڈ کامرس مصنفہ کنگم، انڈسٹری اینڈ ٹریڈ مصنفہ الفریڈ مارشل، اکنومک ہسٹری آف انڈیا مصنفہ بابو دت، ماڈرن جاپان مصنفہ کونٹ آکوما، ماڈرن جرمنی مصنفہ مسٹر بارکر اور دوسری مستند کتابین رسائل اور اخبارات۔

طرز بیان زبان بالکل صاف، سہل رواں اور وزنی الفاظ و سخیف محاورات سے عموماً پاک ہی، طرز بیان سنجیدہ متین اور موثر ہے، پڑھنے والے کو بار بار رکنے اور غور کرنیکی

غالباً ضرورت نہ ہوگی، انداز بیان مین کہین کہین خطابت کی جھلک آجاتی ہی یا ممکن ہی یہ طرز بیان کی صفائی، روانی اور برجستگی کا اثر ہو،

اختلاف رائے کتاب کے بعض مقامات مین مجھے مصنف سے اختلاف رائے بھی ہی۔ مثلاً باب اول کا آخری حصہ جس مین یہ بحث چھیڑی گئی ہی کہ ہندوستان مین مساوی حقوق کی طلب کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کا سبب کیا ہی؟ غالباً اس بحث کو اگر نہ چھیڑا جاتا تو بہتر تھا مقصد کتاب اور مضمون باب دو مین سے کسی کو اس سے چندان تعلق نہین، سودیشی تحریک اور ہندوستان کی موجودہ دوسری تحریکون کا جہان ضمنی تذکرہ آگیا ہی وہان مناظرانہ شان پیدا ہوگئی ہے۔ ایک سنجیدہ اور بلند تصنیف کا دامن یقیناً ان کانٹون سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ چھٹا باب خاص طور پر مؤثر، دلچسپ اور پرزور ہی، بحث بھی کافی حد تک عمیق اور فلسفیانہ ہی تاہم ضرورت تھی کہ اس کو مزید استقصا، حسن وخوبی اور بلند طرز بیان مین لکھا جاتا کیونکہ یہ کتاب کی روح ہی اگرچہ اب بھی یہ روح قوی ہے لیکن پھر بھی میری رائے مین اس کو مزید غور وفکر کے بعد قوی تر بنایا جاسکتا تھا۔

لسانی حیثیت سے بھی بعض عبارتین اور الفاظ قابل گرفت ہین مثلاً صفحہ ۱۱ مین قدم مارا لکھا ہی یہ فارسی محاورہ گام زدن کا صحیح اور بالکل صحیح ترجمہ ہی لیکن اردو مین اس کا استعمال متقدمین کے عہد کے ساتھ ساتھ ختم ہوگیا اب اس کا استعمال مناسب نہین؛

کتاب کا مقصد اور درجہ اس کتاب سے مصنف کا مقصد قوم کی اصلاح کرنا اس کو دعوت عمل دینا اور اس کے سامنے مفید عملی تجویزین پیش کرنا ہی مجھے یہ کہنے مین کوئی تذبذب نہین کہ مصنف اپنے مقصد مین ہر طرح کامیاب ہے، اصلاحی نقطۂ نظر سے کتاب کو جدت کا درجہ حاصل ہے اور تصنیفی حیثیت سے یہ موجودہ اردو مصنفات کی صف اول مین داخل ہوسکتی ہے، مین اس مفصل تبصرہ کو اس سادہ جملہ لکھے بغیر ختم نہین کرسکتا جو کتاب کو جابجا سے پڑھنے کے بعد پہلی مرتبہ بے ساختہ میری

زبان سے نکلا تھا کہ

اگر اس مسلمان مصنف کا تعلق اس سرزمین پنجاب سے جو سعی وعمل کا غیر معمولی مادہ اپنے اندر رکھتی ہے، ہوتا تو اس کو ایسی مفید وعمدہ کتاب کے مصنف ہونیکا فخر مشکل سے حاصل ہوتا،

لکھائی چھپائی صاف ستھری، کاغذ سفید چکنا، تقطیع متوسط صفحے ۱۸۸ قیمت عہ/

مصنف کے پتہ:- محمد تیمور صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے

یا

منیجر روز بازار الیکٹریک پریس کارخانہ وکیل امرتسر سے طلب کیجیے،

مطبوعات جدیدہ

سیر ایران شمس العلما، محمد حسین آزاد دہلوی نے دو اولادین اپنی یادگار چھوڑین، ظاہری اور باطنی، مبارک ہین وہ ظاہری اولادین جو اپنے بزرگون کی باطنی اولادون کی پرورش اور نشو و نما کا سامان کر سکین، آزاد مرحوم کے پوتے آغا محمد طاہر انہین مبارک اولادون مین ہین جو جد امجد کے منتشر اوراق اور مسودون کو گرد و غبار سے پاک کرکے ترتیب و اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شائع کر رہے ہین، اس سلسلہ مین ابھی حال مین انھون نے سیر ایران، شائع کی ہے، یہ حضرت آزاد مرحوم کے سفر ایران کے مختلف سرسری واقعات کا مجموعہ ہے، بڑا حصہ اس کا مرحوم نے ایک خطبہ کی صورت مین لاہور کے ایک مجمع کے سامنے پڑھکر سنایا تھا، باقی روزنامچہ کی حیثیت رکھتا ہے، زیادہ تر زبان اردو ہے، کہین کہین فارسی ہے، مجموعہ گو مختصر ہے مگر دلچسپ اور ایران کی پرانی زندگی کی تصویر ہے، چھوٹی تقطیع، صفحات ۱۰۰، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی، قیمت مجلد مطلا عا؎، غیر مجلد عہ، پتہ:- آزاد بکڈپو، اکبری منڈی لاہور

روح نظیر نظیر اکبرآبادی کی ہر قسم کی فنوی، عروضی، اور شاعرانہ غلطیون کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ وہ ایک کامل شاعر تھا، وہ اس زمانہ مین پیدا ہوا جب شاعری صرف تغزل کا نام تھا، لیکن اس نے اپنی شاعری کے لئے الگ شاہراہ نکالی، اور اخلاق و تصوف کو افسانہ، حکایات اور بولیون مین اس طرح ادا کیا ہے کہ اب وہ ہر گدا اگر فقیر کی زبان قال ہے، پروفیسر شہباز عظیم آبادی مرحوم کے سوا ہمارے اہل قلم اصحاب نے نظیر کی طرف بہت کم توجہ کی، آج ہمارے سامنے نظیر کے ایک ہموطن ادیب مخمور اکبرآبادی بی، اے کی تالیف روح نظیر ہے، جس مین مولف نے نظیر کے بہترین کلام کو منتخب کرکے یکجا کیا ہے، اور شروع مین نظیر اور اس کی شاعری پر ۱۶۲ صفحون کا ایک

مقدمہ لکھا ہے، اس مقدمہ مین مختلف حیثیتون سے نظیر کے کلام پر تقریظ اور تبصرہ ہے، نظیر ہندی اور متروک الفاظ اکثر نظم کرتا ہے، محمود صاحب نے کتاب کے آخر مین ان الفاظ کو یکجا کرکے ان کے معنی لکھے ہین، اس کے بعد نظیر کے ان منظومات مین جو نام اور تلمیحات آئے ہین، ان کی توضیح کی ہے، آخر مین فہرست ابواب ہے ضخامت ..۴ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت عمار پتہ:۔ رام پرشاد اینڈ برادرس کتب فروشان، چوک آگرہ،

رباعیات سرمد سرمد کی رباعیان اس سے پہلے بھی چھپی ہین، مگر اس زیر تنقید طبع مین ایک جدت یہ کی گئی ہے کہ ہر فارسی رباعی کے نیچے رباعی ہی مین اس کا اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے، آغاز مین مولنا ابو الکلام کا ایک پرانے مضمون، سوانح سرمد کو دیباچہ بنایا گیا ہے، رباعیات کا اردو ترجمہ سید نواب علی صاحب صولت لکھنوی نے کیا ہے، رباعی کا رباعی ترجمہ مین ایک مشکل کام ہے لیکن ہم مترجم کو مبارکباد دیتے ہین کہ انھون نے اس مشکل کو پوری طرح حل کیا ہے، سرمد کی اصل رباعیون کے انتخاب مین زیادہ تدقیق وکاوش سے کام نہین لیا گیا ہے، بعض رباعیان تو کھلی ہوئی خیام کی ہین، بعض پر ہم کو سلطان ابو سعید ابو الخیر کا دھوکا ہوتا ہے، ضخامت ۷۰ صفحات، لکھائی چھپائی صاف، قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ار پتہ:۔ شاہجہانی پریس، کٹرہ گوکل شاہ، دہلی،

خانہ داری، محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ جن کی نسبت سے اخبار تہذیب نسوان اب تک قائم ہے اور جو متعدد زنانہ تصنیفات کی مالک تھین، یہ کتاب بھی انھین کی ایک تصنیف ہے، جس مین خواتین کو آسائش، صفائی، تہذیب اور کفایت شعاری سے رہنے سہنے کے قاعدے اور اور آداب بتائے ہین، ہر شریف گھرانے مین اسکا ایک نسخہ رہنا چاہئے، ضخامت ۱۴۳ صفحات لکھائی چھپائی اچھی، قیمت عہ پتہ:۔ دار الاشاعہ پنجاب لاہور،

دیوان حمید، مولنا کا فارسی دیوان مع تصویر ۱۲ر

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان مین امثال سلیمان کا ترجمہ ۹ر

مولنا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن مین سے مدین اصحاب الایکہ قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ عہ

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری عہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم ۲ر

" دوسری ریڈر طبع دوم ۴ر

رسالہ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل السنۃ والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق ۲ر

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکون اور کتبون سے انکا ثبوت ۱۰ر

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے ۳ر

مولنا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابیہ، صحابیہ کرام کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرن اول کے اسلام کا عملی خاکہ، اسکا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، صفحات ۳۵۰ قیمت ہے

اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل، صفحات ۵۰۸ قیمت للعہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عہ غیر مجلد عہ

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جسمین حواس انسانی پر بحث کر کے مادیت کا ابطال کیا ہے مجلد عہ

مذہب و عقلیات، اس مین پر زور دلائل اور مستند یورپین فلاسفر کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے کہ مذہب و عقل مین تصادم کا امکان ہی نہین ۶ر

مولوی عبد الماجد بی اے،

فلسفۂ اجتماع، جماعات انسانی کا علم النفس عہ

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، عہ

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی مارل ہسٹری آف یورپ کا ترجمہ جس مین فلسفۂ اخلاق پر ضمنی مباحث کے علاوہ یورپ کے تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے قیمت جلد اول سے، جلد دوم عہ

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ عہ و عہ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابومسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی

سوراج، مولوی سید نجیب اشرف ندوی نے گاندھی جی کی مشہور کتاب انڈین ہوم رول کا عمدہ اور فصیح ترجمہ کیا ہے قیمت عمر

سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین، عمدہ ٹائپ مین چھپی ہے، قیمت عما

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح عمریان اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے، قیمت عہ

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدید اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ عہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول ہے
دوم سے

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ ۱۰

مولوی محمد یونس فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جسمین انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤن کے خصوصیات، اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین صفحہ ۲۳۲، عہ

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح عہ

تذکرۃ الحبیب یعنی رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان عہ

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال،

انسان علم خواص الاعضا کے ابتدائی مسائل سلیس و عام فہم زبان مین، ۸

رموز فطرت، طبیعیات طبقات ارض ہیئت اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل، عام فہم اور سلیس عبارت مین عہ

منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال

بیگمات بھوپال، مصور و مجلد ے

گیارہ قصے، اخلاقی معاشرتی، مذہبی ۸

نعت پیمبر عربی، فارسی و اردو کی چند نعتیہ نظمون کا مجموعہ ۸

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

الاستدلال، اسمین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کیساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہین، صفحے ۲۰۱، سے

الانسان، اسمین انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی اور خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۲ قیمت عہ

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل و آسان کتاب ے

حکمت عملی یعنی اخلاق پر جدید و قدیم علوم کی جامع کتاب قیمت سے

متفرق کتابین

یاد ایام، مولنا عبد الحی صاحب ناظم ندوۃ العلما نے اس کتاب مین گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے اور وہان کے امرا، وزرا، علما، اور مشائخ کے حالات اور علوم و فنون کی ترقی نہایت تاریخی تحقیق و تفصیل سے لکھی ہے عہ

سیاحت قسطنطنیہ مولنا شبلی مرحوم کی فرمائش سے خواجہ سید شبلی ایڈیٹ صاحب نے مشہور پروفیسر ہکس ہولے کے سفرنامہ قسطنطنیہ کا اردو مین ترجمہ کیا ہے عہ

بدیہہ گوئی، جناب جوش بلگرامی نے اس کتاب مین عربی فارسی اور اردو کے شعرا اور ادیبون کی بدیہہ گوئی کے دلچسپ واقعات یکجا کئے ہین، قیمت عہ